كُنتُم اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحْيِيكُم (الآية)

اَلْاَنْبِيَآءُ اَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِم يُصَلُّونَ (الحديث)

تسکینُ الصُّدور

فی

تحقیقِ احوالِ الموتیٰ
فی البرزخ والقبور

تالیف

ابوالزاہد مولانا **محمد سرفراز خان** صفدر دامت برکاتہم

مکتبہ صفدریہ
نزد مدرسہ نصرۃ العلوم
گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ الآیۃ (قرآن کریم)

الْأَنْبِيَاءُ أَحْيَاءٌ فِي قُبُورِهِمْ يُصَلُّونَ (حدیث شریف)

تسکین الصدور

فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور

جس میں قرآن کریم صحیح احادیث اور حضرات سلف صالحین کی واضح عبارات سے قبر کا مفہوم اور راحت و عذاب قبر کے بارے میں اسلامی نظریہ بیان کیا گیا ہے اور صحیح احادیث اور ٹھوس عبارات سے قبر میں اعادۂ روح پر تفصیلی اور مدلل بحث کی گئی ہے نیز حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی قبور میں حیات اور عند القبور ان کے سماع پر واضح دلائل اور براہین سے تحقیق کی گئی ہے اور عام سماعِ موتیٰ پر بھی مختصر مگر اصولی بحث کی گئی ہے اور مسئلہ توسل پر بھی بحمد اللہ تعالیٰ سیر حاصل اور باحوالہ بحث کی گئی ہے اور اس سلسلہ میں کئے گئے جملہ اعتراضات کے کتب تفسیر و عقائد شروح حدیث اور فقہ سے بفضلہ تعالیٰ مسکت جوابات عرض کئے گئے ہیں نیز اس طبع میں تسکین الصدور پر کئے گئے قابل توجہ اعتراضات کا بھی خوب جائزہ لیا گیا ہے۔ وَاللّٰهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ ؕ

مؤلفہ

ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر خطیب جامع مسجد گکھڑ و صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ

ناشر

مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

﴿جملہ حقوق بحق مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ محفوظ ہیں﴾

طبع سیزدھم .... جنوری ۲۰۰۷ء
۱۰

نام کتاب .... تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتی فی البرزخ والقبور
تالیف .... پیر طریقت شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر دام مجدھم
مطبع .... فائن بکس پرنٹرز لاہور
تعداد .... گیارہ سو (1100)
قیمت .... -/۲۰۰ (دوسو) روپے

﴿ملنے کے پتے﴾

☆ مکتبہ صفدریہ نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ

☆ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ ☆ مکتبہ امدادیہ ملتان

☆ مکتبہ حلیمیہ جامعہ بنوریہ سائٹ کراچی
☆ مکتبہ رحمانیہ اردو بازار
☆ مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور
☆ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
☆ مکتبہ العارفی فیصل آباد
☆ مکتبہ رشیدیہ حسن مارکیٹ نیو روڈ مینگورہ
☆ مکتبہ نعمانیہ کبیر مارکیٹ لکی مروت

☆ مکتبہ حقانیہ ملتان
☆ مکتبہ مجیدیہ ملتان
☆ مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
☆ اسلامی کتب خانہ اڈا گامی ایبٹ آباد
☆ مکتبہ فریدیہ ای سیون اسلام آباد
☆ دارالکتاب عزیز مارکیٹ اردو بازار لاہور
☆ مدینہ کتاب گھر اردو بازار گوجرانوالہ

☆ مکتبہ قاسمیہ جمشید روڈ نزد جامع مسجد بنوری ٹاؤن کراچی

☆ مکتبہ فاروقیہ حنفیہ عقب فائر بریگیڈ اردو بازار گوجرانوالہ

☆ کتاب گھر شاہ جی مارکیٹ گکھڑ ☆ مکتبہ سید احمد شہید اکوڑہ خٹک

فہرست مضامین

مضمون	صفحہ
تصدیقات علماء کرام	١٨
حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحبؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند	١٨
حضرت مولانا مفتی سید مہدی حسن صاحبؒ سابق مفتی دار العلوم دیوبند	١٩
حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب مہتمم دار العلوم دیوبند	٢٠
حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمی (بھارت)	٢٠
حضرت مولانا خیر محمد صاحبؒ	٢١
حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانی	٢٢
حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ	٢٢
حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی	٢٦
حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب درخواستی	٢٧
حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانیؒ	٢٨
حضرت مولانا عبد الحق صاحب (اکوڑہ خٹک)	٢٨
حضرت مولانا عبد الخالق صاحبؒ (مظفر گڑھ)	٢٩
حضرت مولانا خان محمد صاحب (کندیاں شریف)	٣٠
حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ (کراچی)	٣٢
حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحبؒ	٣٣
حضرت مولانا دوست محمد صاحب قریشیؒ	٣٤
حضرت مولانا مفتی احمد سعید صاحب (سرگودھا)	٣٤
حضرت مولانا نذیر اللہ خانصاحب (گجرات)	٣٥
حضرت مولانا مفتی محمود صاحب	٣٦
دور حاضر کے اکابر علماء دیوبند کے مزید حوالے	٣٧
شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانصاحبؒ کا مسلک	٤٢
جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کا اپنا فتویٰ	٤٢
دیباچہ طبع دوم	٤٥
تسکین الصدور لکھنے کی وجہ ؟	٤٥
فریقین میں مصالحت کے لیے حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب کا مسودہ	٤٧
دیوبند کا فتویٰ	٤٩
بدعتی کے پیچھے نماز مکروہ ہے (فتاویٰ رشیدیہ)	٥٠
تسکین الصدور سے متعلق آراء و نظریات	٥١
پہلا نظریہ اکابر علماء دیوبند کا	〃
دوسرا نظریہ حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحبؒ کا	٥٢
محترم نے اپنے بیشتر سابقہ نظریات سے رجوع کرلیا ہے۔	٥٣
ان کے سابق بعض نظریات۔	٥٤
محترم کی بعض الفاظ و تراکیب پر گرفت اور اس کا جواب	٥٨
تیسرا نظریہ نیلوی صاحب اور بندیالوی صاحب کا	٥٩
ندائے حق کے مقدمہ کا خلاصہ اور اس پر اجمالی تبصرہ	٦٠

جرح تعدیل پر مقدم ہے اس کا محمل اور جواب ۶۱
حسن حدیث کے حجت نہ ہونے کا دعوای اور اس کا جواب ۶۲
ندائے حق کے بعض مضامین پر اجمالی تبصرہ ۶۳
جمہور نہ جمہور (معاذ اللہ تعالیٰ) 〃
مؤلف ندائے حق کا پرویزی ذہن ۶۴
کیا حضرۃ ابوہریرہؓ غیر فقیہ تھے؟ ۶۵
جسدِ مثالی ۶۵
زاویہ نگاہ کی خرابی ۶۶
حضرت فضلاء کرامؒ پر بہتان ۶۸
راہِ فرار ۶۹
نرالی تحقیق ۷۱
بیکار بھرتی 〃
فتنہ انگیز کارنامہ 〃
روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق میں عقلاً کوئی استبعاد نہیں ۷۲
امریکہ نے جو خلائی جہاز چاند پر اتارے ان کا اور خلانوردوں کا زمینی مرکز سے باقاعدہ تعلق رہا ۷۳
سنبھالئے گفتنی ۷۶
باب اوّل ۸۲
قبر کی راحت و عذاب حق ہے اور اس کا انکار کفر ہے ۸۲
علامہ طاہر بن احمد الحنفیؒ ۸۳
حافظ ابن الہمام الحنفیؒ 〃
امام قرطبیؒ ۸۳
علامہ ابو الشکور السالمیؒ ۸۴
مولانا بحر العلومؒ 〃
قرآن کریم سے عذاب قبر کا ثبوت ۸۵
پہلی، دوسری اور تیسری آیت ۸۵
حافظ ابن کثیرؒ سے تفسیر ۸۶
چوتھی آیت ۸۶
عذابِ قبر کی بعض احادیث ۸۷
حضرت ابنِ عباسؓ کی حدیث ۸۷
حضرت زیدؓ بن ثابت کی حدیث ۸۷
حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث ۸۸
حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث ۸۸
قبر کا حقیقی مفہوم ۸۹
قرآن کریم ۸۹
متعدد صحیح احادیث ۹۰
قبر کا مجازی معنی ۹۲
عذابِ قبر سے متعلق ایک اشکال اور اس کا جواب ۹۲
امام قرطبیؒ اور حافظ ابن القیمؒ ۹۲
امام سیوطیؒ ۹۳
عذابِ قبر کے بارے میں مذاہب ۹۴
پہلا مذہب کہ سرے سے عذاب ہی نہیں ہوتا ۹۴
دوسرا مذہب کہ بے جان کو عذاب ہوتا ہے ۹۴

علّامہ خیالی سے اس کا رد ۹۴
تیسرا مذہب کہ عذاب و سرور صرف روح کو ہوتا ہے مگر جمہور اس کے قائل نہیں ۹۵
چوتھا مذہب کہ یہ کاروائی بدن مثالی سے ہوتی ہے۔ بدن مثالی کا فی الجملہ ثبوت ہے ۹۵
مگر یہ حضرات بدن عنصری سے بھی عذاب کا تعلق مانتے ہیں۔ ۹۵
حضرت مولانا تھانویؒ کی متعدد عبارتیں ۹۶
غریق و سوختہ و مصلوب کو عذاب و ثواب قبر کی صورت ۹۶
ثواب و عذاب کا تعلق جسدِ عنصری سے بھی ہوتا ہے حکیم الامت حضرت تھانویؒ ۹۶
پانچواں مذہب کہ بدن کے نصف اعلیٰ میں روح ڈالی جاتی ہے۔ ۱۰۱
جانوروں کے پیٹ میں مُردہ سے سوال ہوتا ہے بزازیہ وغیرہا ۱۰۱
چھٹا مذہب کہ جب جسم محفوظ ہوتا ہے تو جسم اور روح دونوں کو ورنہ صرف روح کو سرور و عذاب ہوتا ہے ۱۰۲
ساتواں مذہب کہ سوال کے وقت روح کا اعادہ ہوتا ہے اس کے بعد روح الگ اور جسم الگ ہو جاتا ہے ۱۰۲
آٹھواں مذہب کہ قبر میں عذاب و راحت جسم اور روح دونوں سے وابستہ ہے ۱۰۳
یہ جمہور کا مذہب ہے اور یہی حق ہے ۱۰۳
جامع الرموز //
راکھ شدہ انسان کو بھی اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر سکتا ہے (بخاری و مسلم وغیرہ) //
باب دوم اعادۂ روح ۱۰۷
اعادۂ روح اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے۔ ۱۰۷
اعادۂ روح کے ثبوت پر متعدد کتب حدیث سے صحیح حدیث مع توثیق رُوات ۱۰۸
امام حاکمؒ، علامہ ذہبیؒ اور حافظ ہیثمیؒ سے اس کی تصحیح ۱۱۱
علامہ سید احمد حسنؒ۔ حافظ ابنِ تیمیہؒ۔ حافظ ابن مندہؒ اور حافظ ابن القیمؒ سے اس کی تصحیح ۱۱۲
حافظ اصبہانیؒ، امام قرطبیؒ اور قاضی ثناء اللہؒ سے اس کی تصحیح۔ ۱۱۳
علامہ سُبکیؒ۔ مولانا فرہارویؒ حافظ ابن حجرؒ اور علامہ سلیمانؒ بن داؤد البغدادیؒ سے اس کی تصحیح۔ ۱۱۴
اس حدیث پر کلام اور اس کا جواب
سب سے پہلے علامہ ابن حزم الظاہریؒ نے اس پر کلام کیا ہے۔ ۱۱۵
انہوں نے متعدد مسائل میں ٹھوکر کھائی ہے ۱۱۶

حافظ ابن حجرؒ۔ امام سخاویؒ اور علامہ ذہبیؒ ۱۱۶
اعتراض اول کہ منہال بن عمروؒ ضعیف ہے ۱۱۷
اس کا جواب حافظ ابن تیمیہؒ سے 〃
حافظ ابن القیمؒ سے ۱۱۸
علامہ سبکیؒ اور مولانا سید احمد حسنؒ سے ۱۱۹
اعتراض دوم کہ امام شعبہؒ نے اس کو ترک کر دیا تھا ۱۱۹
اس کا جواب حافظ ابن حجرؒ اور حافظ ابن القیمؒ سے ۱۲۰
اعتراض سوم کہ یہ روایت منقطع ہے ۱۲۱
اس کا جواب حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ سے ۱۲۲
اعتراض چہارم کہ بعض سندوں میں الحسن بن عمارہ آیا ہے جو ضعیف ہے ۱۲۳
اس کا جواب حافظ ابن القیمؒ سے ۱۲۳
اعتراض پنجم کہ قبر میں اعادہ روح قرآن کریم کے خلاف ہے ۱۲۴
اس کا جواب کہ قبر کی حیات ایک تفسیر کے رو سے خود قرآن کریم سے ثابت ہے ۱۲۵
علامہ ابو السعودؒ۔ بیضاویؒ۔ رازیؒ ابن کثیرؒ آلوسیؒ اور الجصاص الرازیؒ سے ۱۲۵
حافظ ابن القیمؒ سے ۱۲۷
اعتراض کہ حافظ ابن القیمؒ روح کا تعلق جسم عنصری سے نہیں مانتے ۱۲۸
اس کا جواب خود حافظ ابن القیمؒ کی اپنی عبارات سے ۱۳۱
حافظ ابن تیمیہؒ اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ ۱۳۸
حافظ ابن تیمیہؒ کے مزید حوالے ۱۳۹
امام سیوطیؒ ۱۴۰
ابن زاغونی کون تھے؟ ۱۴۱
علامہ داؤد بن سلیمانؒ کا حوالہ 〃
قاضی شوکانیؒ کا حوالہ 〃
قبر میں حیات مطلقہ نہیں بلکہ فی الجملہ ہے (امام قونویؒ) ۱۴۲
اور یہ ہمارے ادراک سے بالا ہے (علامہ آلوسیؒ) 〃
خود علامہ آلوسیؒ کی تشریح 〃
حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا حوالہ ۱۴۵
حیات فی القبور اور حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ۱۴۵
تصویر کا دوسرا رخ ۱۵۱
اور اس کا جواب خود ان کی عبارات سے 〃
حضرت شیخ عبدالحق دہلویؒ ۱۵۵
حافظ ابن حجرؒ 〃
حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ ۱۵۶
باب سوم ۱۵۷
اس حدیث کا شاہد اول حضرت ابن عباسؓ سے 〃
شاہد دوم حضرت ابو ہریرہؓ سے ۱۵۸
شاہد سوم حضرت جابرؓ سے ۱۵۹
باب چہارم ۱۶۱
حضرت امام ابو حنیفہؒ اعادہ روح کے قائل تھے فقہ اکبر سے 〃

شرح فقہ اکبر از ملا علی القاری رح سے اس کی تفہیم ۱۶۱
فقہ اکبر حضرت امام ابو حنیفہ رح ہی کی تالیف ہے معتزلہ نے اس کا انکار کیا ہے (طاش کبری زادہ رح) ۱۶۲
حضرت امام احمد بن حنبل رح بھی اعادۂ روح کے قائل تھے۔ ۱۶۲
اور اہل السنت والجماعت کا یہی مذہب ہے (امام نووی رح) ۱۶۳
امام نووی رح کی عبارت میں ابن جریر کرامی ہے۔ ۱۶۴
امام ابن جریر رح سُنی کے حوالے ۱۶۵
حافظ ابن حجر رح ۱۶۶
حافظ بدر الدین عینی رح ۱۶۸
علامہ مناوی رح ۱۶۹
ملا علی القاری رح ۱۷۰
فتح الباری ۱۷۱
حافظ ابن القیم رح و مولانا سید احمد حسن رح ۱۷۲
امام صدر الدین قونوی رح ۱۷۳
قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے (علامہ آلوسی رح) 〃
علامہ بدر الدین بعلی الحنبلی رح اور امام الرازی الحنفی رح ۱۷۴
علامہ سُبکی رح 〃
قاضی عضد الدین الایجی رح ۱۷۵
علامہ سید شریف رح ۱۷۷
حافظ ابن الہمام رح 〃
علامہ کمال الدین المقدسی رح ۱۷۸
امام ابو المظفر اسفرائنی رح اور امام بزدوی رح ۱۸۱
فخر المناظرہ امام غزالی رح ۱۸۲
علامہ تفتازانی رح ۱۸۴
علامہ فرہاروی رح اور علامہ الخیالی رح ۱۸۵
علامہ الچلپی رح اور مولانا عبد الحکیم سیالکوٹی رح ۱۸۷
مولانا فرہاروی رح۔ علامہ ابو الشکور السالمی رح اور محقق دوانی رح ۱۸۸
مولانا عبد الحکیم رح ۱۸۹
امام غزالی رح کا ایک اور حوالہ ۱۹۰
علامہ بدر الدین عینی الحنفی رح 〃
امام نیشاپوری رح اور علامہ ابو البرکات النسفی رح ۱۹۱
علامہ شامی رح اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی رح ۱۹۲
ارواح شہداء کا مستقر جنت میں سبز رنگ کے پرندوں کا پیٹ ہے مگر ان کا جسم سے بھی تعلق ہے ۱۹۳
عام مومنوں کی ارواح بھی جنت میں ہوتی ہیں ۱۹۵
حتّٰی یرجعہ اللہ الحدیث کا مطلب ملا علی القاری رح سے ۱۹۵
حضرت مولانا حسین علی صاحب رح سے ۱۹۶
اعادۂ روح کی تحقیق علامہ سلیمان رح بن سحمان رح سے 〃
علامہ عبد الوہاب الشعرانی رح ۱۹۷
حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحب رح کا حوالہ 〃
العرف الشذی سے 〃
فیض الباری سے ۱۹۸

مفتی اعظم دیوبند حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ کا حوالہ ۱۹۹
صاحب ہدایہ بھی حیات فی القبر کے قائل ہیں علامہ بابرتی الحنفیؒ سے اس کی تشریح ۲۰۰
عذاب قبر کے سلسلہ میں بدن مثالی کی حاجت ہی نہیں ہے۔ مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ ۲۰۱
حضرت مجدد الف ثانیؒ کی مفصل عبارات ۲۰۲
عذاب قبر میں جسم کا تعلق ہوتا ہے حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ ۲۰۶
علامہ ابن عبد الہادیؒ 〃
غیر مقلدین حضرات۔ قاضی شوکانیؒ ۲۰۷
حضرت عبد اللہؓ بن عمرو کا واقعہ مؤطا امام مالکؒ سے ۲۰۹
مسئلہ حیات اور نواب صدیق حسن خان صاحبؒ 〃
باب پنجم ۲۱۱
حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات ایک قطعی امر ہے۔ 〃
قرآن کریم سے اس کا ثبوت 〃
حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی کا بیان (زیر حاشیہ) 〃
وفات کا حدیث سے ثبوت ۲۱۵
علامہ عبد الکافی سبکیؒ ۲۱۶
حضرت مولانا نانوتویؒ سے موت کا معنی۔ 〃
آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات کا عقیدہ ضروری ہے (از نانوتویؒ) ۲۱۷
باب ششم ۲۱۹
قبور میں حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام 〃
پہلی دلیل حضرت انسؓ بن مالک کی حدیث 〃
امام بیہقیؒ ابن حجرؒ ہیثمی۔ ملا علیؒ القاریؒ علامہ عزیزیؒ۔ عثمانیؒ شیخ عبد الحقؒ اور قاضی شوکانیؒ سب اس کی تصحیح کرتے ہیں ۲۲۱
علامہ سمہودیؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب بھی اس کی تصحیح کرتے ہیں
اعتراض کہ اس کی سند میں حسن بن قتیبہ ضعیف ہے۔ اس کا جواب کہ مسند ابو یعلیٰ کی سند میں یہ راوی نہیں ہے۔ 〃
یہ راوی مسند بزارؒ کی سند میں ہے اور وہ ہمارا مستدل نہیں۔ ۲۲۳
حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک جید۔ قوی اور ثابت مترادف الفاظ ہیں (تدریب الراوی) ۲۲۴
علامہ ذہبیؒ کا وہم اور اس کا جواب ۲۲۵
منکر اور شاذ کی تعریف امام مسلمؒ اور امام شافعیؒ سے ۲۲۸
حافظ ابن حجرؒ۔ امام سیوطیؒ اور علامہ جزائریؒ سے ۲۲۹
علماء اسلام اور مسئلہ حیات (حافظ ابن حجرؒ) ۲۳۰
امام بیہقیؒ اور ملا علیؒ القاریؒ ۲۳۱

علامہ سمہودیؒ اور عبد الکافی السبکیؒ	۲۳۲
علامہ تاج الدین سُبکیؒ	۲۳۳
عرضِ اعمال کی باحوالہ مختصر بحث (حاشیہ)	۲۳۴
امام ابو الحسن الاشعریؒ پر بہتان اور اس کا جواب	۲۳۵
علامہ سُبکیؒ	۲۳۶
امام قشیریؒ	۲۳۸
علامہ شامیؒ	۲۴۰
علامہ داؤد بن سلیمانؒ اور امام سیوطیؒ	۲۴۱
حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات متواتر احادیث سے ثابت ہے	۲۴۳
امام سیوطیؒ اور علامہ داؤد بن سلیمانؒ	؍؍
آپ قبر میں نماز پڑھتے ہیں امام شعرانیؒ	۲۴۴
علامہ عثمانیؒ	۲۴۵
مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قبر میں اذان و اقامت ثابت ہے	؍؍
علامہ بدر الدین عینیؒ قبور میں حیات مانتے ہیں	؍؍
مولانا عبد الحلیم فرنگی محلیؒ	۲۴۶
مؤلف ندائے حق کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۴۷
علامہ ابن عقیلؒ بعلیؒ شرنبلالیؒ اور شامیؒ	۲۴۸
امام ابو منصور بغدادیؒ۔ سخاویؒ۔ اور محمد عابد سندھیؒ	۲۴۹
شیخ عبد الحقؒ نواب قطب الدین خانؒ اور فضل اللہ تور پشتیؒ	۲۵۰
مولانا احمد علی سہارنپوریؒ اور مولانا عبد الہادی نجیب آبادیؒ	۲۵۱
مولانا عثمانیؒ۔ مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ اور مولانا سید محمد انور	۲۵۲
مولانا تھانویؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ	۲۵۳
حافظ ابن حجرؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم شہید تھے	۲۵۴
بخاری۔ مستدرک اور زرقانی شرح مواہب	۲۵۵
اکابر علماء دیوبند کی دینی خدمات	۲۵۶
المہند کی عبارت	۲۵۷
حافظ ابن حجرؒ مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ اور مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ	۲۵۹
علامہ آلوسیؒ	۲۶۰
حیات حضرات انبیاء علیہم السلام اور غیر مقلدین حضرات	۲۶۲
قاضی شوکانیؒ عبد اللہ بن محمد بن عبد الوہاب نجدیؒ	تا
میاں نذیر حسین صاحب دہلویؒ و مولانا عظیم آبادیؒ	۲۶۴
مولانا محمد حنیف صاحب کا حوالہ اور علماء نجد کا جو مسلکاً حنبلی ہیں۔	۲۶۵
محمد ابن السید درویشؒ	۲۶۶
ان کی عبارت پر کلام — بیداری میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رؤیت ہو سکتی ہے۔	۲۶۷
علامہ قسطلانیؒ اور محمد بن السید درویشؒ	۲۶۸
امیر یمانیؒ قاضی عیاضؒ۔ علامہ سُبکیؒ ابن القیمؒ سمہودیؒ۔ سخاویؒ۔	۲۶۹
مؤلف شفاء الصدور کا اعتراض اور اس کا جواب	۲۷۰
مولانا عبد الغفور امرتسریؒ	؍؍
امام عبد القادر بغدادیؒ مولانا تھانویؒ۔	۲۷۱ و ۲۷۲
اجماعی مسئلہ کا انکار گناہ ہے (مولانا گنگوہیؒ)	۲۷۲

کیفیت حیات میں اختلاف ہے۔ ۲۷۳
ایک گروہ دنیوی حسّی مانتا ہے شیخ عبدالحقؒ وغیرہ ″
علامہ نور الحقؒ و فتاوی دار العلوم دیوبند ۲۷۴
مولانا حسین احمد صاحب مدنیؒ ۲۷۵
حیات دنیوی کا معنی حضرت نانوتویؒ سے ۲۷۶
ارواح کا ابدان عنصریہ سے فی الجملہ تعلق ہے مولانا نانوتویؒ ″
اعتراض کہ قبر کی حیات اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْأَنْفُسَ الآیۃ کے خلاف ہے اس کا جواب اور نیز یہ کہ حیات دنیوی کا قائل اہل السنت سے خارج نہیں ہے۔ ۲۸۰
حیات حسّی دنیوی سے مراد؟ ۲۸۵
دوسرا گروہ کہتا ہے کہ روح کا جسم سے اشراقاً تعلق ہے ۲۸۶
حافظ ابن القیمؒ ۲۸۷
مولانا عثمانیؒ ۲۸۸
عدم تعلق کا کوئی بھی قائل نہیں رہا۔ ۲۹۰
عاجزانہ واویلا ″
اس کا جواب ″
حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کا حوالہ ۲۹۲
مولانا گنگوہیؒ کا فتویٰ ″
اس اجماع کے پہلے منکر شاہ صاحب گجراتی ہیں ۲۹۳
حضرت سلطان باہوؒ کا حوالہ ۲۹۴
دوسری دلیل ردّ اللہ علیّ روحی الحدیث ″
اس کے رواۃ کی توثیق۔ ۲۹۵
امام سبکیؒ۔ ابن حجرؒ۔ عزیزیؒ۔ نوویؒ۔ ابن تیمیہؒ زرقانیؒ۔ نواب صاحبؒ۔ سمہودیؒ۔ مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ مولانا عثمانیؒ اور بوسنویؒ سے اس کی تصحیح ۲۹۵ و ۲۹۶
اعتراض کہ یہ روایت منقطع ہے اور اس کا جواب ۲۹۷
مطلب حدیث؟ ۲۹۸
مولانا تھانویؒ۔ علامہ مراغیؒ۔ مولانا نانوتویؒ اور مدنیؒ ۲۹۹
مولانا محمد منظور صاحب نعمانی ۳۰۰
اس حدیث پر اشکال اور اس کا جواب ۳۰۱
حافظ ابن حجرؒ مولانا عثمانیؒ اور امام سخاویؒ سے ۳۰۲
امام سبکیؒ۔ حافظ ابن الملقنؒ اور علامہ عزیزیؒ ۳۰۳
امام سیوطیؒ اور علامہ خفاجیؒ ۳۰۴
مولانا سہارنپوریؒ۔ ایک شبہہ ۳۰۵
اور اس کا جواب مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ سے ۳۰۶
تیسری دلیل إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ ۳۰۷ ″
اس کے رواۃ کی توثیق (حاشیہ) ″
امام حاکمؒ۔ ذہبیؒ۔ ابن خزیمہؒ۔ ابن حبانؒ، دارقطنیؒ، نوویؒ اور علامہ ابن عبد الہادیؒ اس کو صحیح کہتے ہیں ۳۰۸
علامہ عبد الغنی مقدسیؒ۔ ابن حجرؒ۔ ابن القیمؒ۔ ابن عبد الہادیؒ۔ علامہ عینیؒ۔ منذریؒ۔ نابلسیؒ اور ۳۰۹

شیخ عبدالحقؒ اس کو صحیح کہتے ہیں	۳۰۹
مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور مولانا عثمانیؒ بھی اس کو صحیح کہتے ہیں۔	۳۱۰
اعتراض کہ اس کا ایک راوی ضعیف ہے	〃
جواب کہ وہ مزعوم اور ضعیف راوی اس میں نہیں ہے۔ (حافظ ابن القیمؒ)	۳۱۱
ابن حجرؒ، ملا علی القاریؒ، سخاویؒ، سید احمد حسنؒ اور منذریؒ	۳۱۲
مولانا محمد زکریا صاحب	۳۱۳
حافظ ابن القیمؒ اور شیخ الہندؒ	۳۱۵
ملا علی القاریؒ۔ ابن تیمیہؒ اور مولانا ابوالعتیقؒ	۳۱۶
چوتھی دلیل فنبی اللہ حی یرزق کی حدیث	۳۱۷
اس کے رواۃ کی توثیق (حاشیہ)	〃
حافظ منذریؒ اس کو بسند جید کہتے ہیں۔	۳۱۸
علامہ عزیزیؒ۔ مناویؒ۔ زرقانیؒ۔ ابن حجرؒ سمہودیؒ۔ ملا علی القاریؒ۔ شوکانیؒ اور عظیم آبادیؒ بھی اس کو بسند جید کہتے ہیں	۳۱۹
اعتراض کہ امام بخاریؒ اس کو منقطع کہتے ہیں	〃
اس کا جواب کہ یہ سند متصل ہے۔	۳۲۰
اگر یہ منقطع بھی ہو تب بھی اس سے ترجیح و تفسیر درست ہے	۳۲۱
ادراج کا دعویٰ نرے احتمال سے ثابت نہیں ہوتا	۳۲۲
ادراج کی علامت (تدریب الراوی)	〃
حدیث کا راوی حدیث کے مطلب کو دوسروں سے بہتر جانتا ہے۔	۳۲۲
امیر یمانیؒ و مبارکپوریؒ	〃
مولانا گنگوہیؒ اور تھانویؒ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے	۳۲۳
پانچویں دلیل اِنَّ لِلّٰہِ مَلٰٓئِکَۃً سَیَّاحِیْنَ الحدیث	〃
اس کے رواۃ کی توثیق (حاشیہ)	〃
علامہ سمہودیؒ۔ ابن عبدالہادیؒ۔ عزیزیؒ۔ ہیثمیؒ۔ حاکمؒ۔ ذہبیؒ اور سخاویؒ اس کو صحیح کہتے ہیں۔	۳۲۴
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اس کو مستدل قرار دیا ہے	〃
سلام کی طرح صلوٰۃ بھی آپ پر معروض ہے۔ (دارقطنی)	〃
علامہ البیہقیؒ۔ عزیزیؒ اور مولانا نعمانی	۳۲۵
چھٹی دلیل مَنْ صَلّٰی عِنْدَ قَبْرِیْ الحدیث	۳۲۶
علامہ کنانیؒ کا حوالہ (حاشیہ)	〃
امام سیوطیؒ کا حوالہ	۳۲۸
حافظ ابن حجرؒ، سخاویؒ، ملا علی القاریؒ، نواب صاحب اور مولانا عثمانیؒ اسکو بسند جید کہتے ہیں۔	۳۲۸
جید اور صحیح مترادف ہیں۔	۳۲۹
امت کے تعامل سے ضعیف حدیث بھی	

حجت ہو جاتی ہے۔ (علامہ ابن حزمؒ) ۳۳۱
اعتراض کہ حافظ ابن القیمؒ نے اس کو غریب جداً کہا ہے ۳۳۲
اس کا جواب متن کی غرابت اور چیز ہے اور سند کی اور ہے ″
غریب صحیح بھی ہوتی ہے اور غرابت صحت کے منافی نہیں ۳۳۴
جمہور کا استدلال ابو الشیخؒ کی سند سے ہے نہ کہ محمد بن مروان سدی کی سند سے ″
فتنی کوتاہ فہمی۔ حافظ ابن تیمیہؒ کا حوالہ ۳۳۵
ابن عبد الہادیؒ کے حوالے ۳۳۶
امام ابن عبد البرؒ کا حوالہ (نیل الاوطار) ۳۳۷
مؤلف ندائے حق کا وہم سراسر مردود ہے ۳۳۸
علامہ ابن عبد الہادیؒ کا زعم صحیح نہیں ″
ساتویں دلیل حضرت عیسٰی علیہ السلام نزول کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر اگر آپؐ کو بلائیں گے تو آپؐ جواب دیں گے۔ مجمع الزوائد باسناد صحیح ۳۳۹
اس کا شاہد مستدرک اور درِّ منثور سے ۳۴۰
حضرت عیسٰی علیہ السلام کا نزول متواتر احادیث سے ثابت ہے۔ ۳۴۱
من السماء کے الفاظ کتب حدیث میں موجود ہیں ″
ان کے نزول کا منکر قطعاً کافر ہے۔ ″
مرزا غلام احمد قادیانی کا فیصلہ بھی یہ ہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام ضرور نازل ہوں گے ۳۴۲
باب ہفتم۔ عند القبر سماع کے بارے میں ۳۴۳
علماء اسلام کا نظریہ
علامہ مناویؒ اور عزیزیؒ ″
ملا علی القاریؒ۔ طحطاویؒ۔ غور غشتویؒ خفاجیؒ اور گنگوہیؒ ۳۴۴
علامہ ابن عبد الہادیؒ۔ مولانا سہارن پوریؒ ۳۴۶
اور تھانویؒ ″
قیامت کے دن کی شفاعت حق ہے ۳۴۷
قبر شریف پر شفاعت کی درخواست کا ثبوت (سمہودیؒ) ″
امام عبد الکافی السبکیؒ ۳۴۸
حضرت بلالؓ بن الحارث کی یہ روایت صحیح ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ اور ابن حجرؒ ۳۴۹
ابن ابی شیبہ کی سند کے راوی اور ان کی توثیق ″
یہ واقعہ ۱۷ھ یا ۱۸ھ کا ہے خلیفہ راشد حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ نے اس کی تصدیق فرمائی ہے۔ ″
مؤلف اقامۃ البرہان کا تعصب و جہالت ۳۵۰
مؤلف ندائے حق کی ہرزہ سرائی ۳۵۱
اتمام حجت۔ تحریرات حدیث کا حوالہ ۳۵۲
مؤلف اقامۃ البرہان کی غلطی کا سبب اور سینہ زوری ۳۵۳

منع کی دلیل اور اس کا جواب ۳۵۴
قبر مبارک پر صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کا طریقہ (ملا علی القاریؒ) ۳۵۵
فتح القدیر اور وفاء الوفا ۳۵۶
حضرت امام مالکؒ اور استشفاع عند القبر (شفاء کا حوالہ) ۳۵۶
اس کی سند جیّد ہے عبد الکافیؒ اور سمہودیؒ ۳۵۷
ضرب کاری 〃
علامہ ابن عبد الہادیؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ ۳۵۸
اور اس کا جواب 〃
اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہیں ۳۵۹
حافظ ابن تیمیہؒ کا وہم اور اس کا رد (خفاجیؒ) ۳۶۰
خود ابن تیمیہؒ سے روایت (نوویؒ) ۳۶۱
حافظ ابن کثیرؒ۔ نوویؒ۔ نسفیؒ۔ سبکیؒ۔ شیخ عبد الحقؒ۔ بحر العلومؒ اور سمہودیؒ وغیرہ تمام استشفاع عند القبر کا یہ واقعہ مشہورہ نقل کرتے ہیں۔ ۳۶۳
قسطلانیؒ۔ زرقانیؒ اور محمد بخیتؒ بھی یہ نقل کرتے ہیں ۳۶۴
عتبیؒ پر گرفت اور اس کا جواب 〃
حضرت تھانویؒ بھی یہ واقعہ باحوالہ نقل کرتے ہیں۔ 〃
مولانا نانوتویؒ۔ ظفر احمد عثمانیؒ۔ سبکیؒ اور سمہودیؒ اس واقعہ سے استدلال کرتے ہیں۔ ۳۶۵
امام ابو عبد اللہ الحنبلیؒ اور مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۳۶۶
اس روایت پر علامہ ابن عبد الہادیؒ کی جرح کا جواب ۳۶۷
ضعیف حدیث جو موضوع نہ ہو فضائل میں قابلِ عمل ہے۔ نوویؒ۔ نذیر حسین صاحبؒ اور نواب صاحبؒ ۳۶۸
تعامل کس طبقہ کا معتبر ہے؟ 〃
ابن الہمام الحنفیؒ عند القبر طلبِ شفاعت کا طریقہ بتاتے ہیں 〃
فتاویٰ عالمگیری ۳۶۹
بحر العلومؒ 〃
علامہ سمہودیؒ۔ قاری سعید احمد صاحبؒ اور علامہ شرنبلالیؒ ۳۷۰
حضرات شیخینؓ کے ہاں توسل ۳۷۱
طحطاویؒ۔ آفندی۔ حلبیؒ اور نوویؒ ۳۷۲
علامہ رحمت اللہ سندھیؒ اور ملا علی القاریؒ ۳۷۳
حضرات شیخینؓ سے توسل کا طریقہ ۳۷۴
علامہ بغدادیؒ اور سمہودیؒ ۳۷۵
علامہ شامیؒ اور مولانا حسین علی صاحبؒ ۳۷۶
اس واقعہ پر اعتراض اور اس کا جواب ۳۷۷
شہداء احد سے طلبِ شفاعت (ملا علی القاریؒ) 〃
حضرت مولانا گنگوہیؒ اور مسئلۂ استشفاع 〃

حضرات فقہاء کرامؒ کی ان عبارات کے جوابات	۳۷۸
۱؎ مؤلف ندائے حق سے اس کا جواب اور اس کا رد	〃
نجدیوں سے بھی دو قدم آگے وہ بھی اس مسئلہ میں کسی کی تکفیر نہیں کرتے صرف بدعت کہتے ہیں	۳۷۹
مائۃ مسائل اور مسائل اربعین کی عبارت کا مطلب	۳۸۰
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا فتویٰ	〃
مغالطہ۔ فتاویٰ عزیزی کا حوالہ	〃
اہل قبور سے مرادیں مانگنا حرام و شرک ہے متعدد حوالے	۳۸۴
۲؎ مؤلف ندائے حق کا جواب اور اس کا رد	۳۸۵
۳؎ مؤلف ندائے حق کا جواب اور اس کا رد	۳۸۶
مؤلف اقامۃ البرہان کا جواب اور اس کا رد	〃
اعتراض کہ عند القبر سماع قرآن و حدیث کے خلاف ہے	۳۸۷
حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ اور اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى اور حضرت زینبؓ کی روایت اس کے خلاف ہے	〃
اس کا جواب کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے واقعہ کا عدم سماع سے کوئی تعلق نہیں۔	۳۸۸
قرآن و حدیث کا کونسا مطلب معتبر ہوتا ہے؟	۳۸۹
علامہ ابن الہادیؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ	〃
اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے استدلال کا جواب	۳۹۰
علماء حضرت ابن عمرؓ کی روایت کو لیتے ہیں اور سلفؒ کا سماع موتیٰ پر اجماع ہے۔ (ابن کثیرؒ)	〃
نفی سماع نافع کی ہے (ابن کثیرؒ)	۳۹۱
ورنہ لازم آئے گا کہ کافر دنیا میں نہیں سنتے	〃
مولانا تھانویؒ اور قاضی ثناء اللہ صاحبؒ	۳۹۲
مولانا نانوتویؒ اور مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ کہ نفی اِسماع کی ہے	۳۹۳
مولانا عثمانیؒ اور علامہ آلوسیؒ فی الجملہ سماع ثابت ہے	۳۹۴
حافظ ابن تیمیہؒ سماعِ موتیٰ کو حق کہتے ہیں	۳۹۵
سماعِ موتیٰ پر حضرت ابن عباسؓ کی روایت دلیل ہے	〃
یہ روایت صحیح ہے ابن عبدالبرؒ۔ عبدالحق اشبیلیؒ۔ ابن عبدالہادیؒ۔ شوکانیؒ۔ عثمانیؒ۔ اور ابن القیمؒ	۳۹۶
حافظ ابن القیمؒ کے قصیدہ نونیہ کے چند اشعار	〃
غیر متعلق آیات سے استدلال قابل توجہ نہیں	۳۹۷

دُنیا میں حجرہ سے باہر کی آواز نہ سُننے پر قیاس صحیح نہیں اور یہ نص کے مقابلہ میں ہے جو مسموع نہیں۔ ۳۹۷
باب ہشتم ۳۹۸
مسئلہ توسل اور دُعا کا مسنون طریقہ؟ 〃
توسل کا رد سب سے پہلے ابنِ تیمیہؒ نے کیا ہے۔ سُبکیؒ شامیؒ اور آلوسیؒ ۳۹۹
شفاء السقام کا رد الصارم المنکی اور اس کا رد المبرد المبکی اور السعی المشکور سے کیا گیا ہے ۴۰۰
شفاء السقام درست رائے پر محمول ہے نہ کہ تعصب پر (مولانا عبدالحیؒ) 〃
توسل کا مسئلہ صرف جواز کا مسئلہ ہے (آلوسیؒ) ۴۰۱
توسل ببرکت شیخ کا معنیٰ ابن تیمیہؒ سے 〃
توسل بالنبی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا معنیٰ ۴۰۲
توسل بصالح الاعمال درست ہے بخاری و مسلم کی روایت ۴۰۳
امام نوویؒ سے اس کا معنیٰ 〃
توسل بالذات و بصالح الاعمال میں نزاع صرف لفظی ہے مآل ایک ہے 〃
حافظ ابن تیمیہؒ کا وہم اور سبکیؒ سے اس کا رد ۴۰۴
توسّل دراصل نیک لوگوں سے محبّت کی بناء پر ہوتا ہے۔ (مولانا تھانویؒ) ۴۰۵
توسّل کی بعض صورتیں حافظ ابن تیمیہؒ کے نزدیک بھی صحیح ہیں 〃
جمہور علماء کرام اور مسئلہ توسّل ۴۰۷
مولانا تھانویؒ۔ سمہودیؒ و سُبکیؒ 〃
حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ ۴۰۸
حضرت شاہ محمد اسحاق صاحبؒ 〃
حضرت شاہ محمد اسمٰعیل صاحبؒ 〃
قاضی شوکانیؒ نے جواز توسل پر مستقل رسالہ لکھا ہے ۴۰۹
اس کا کچھ مضمون بوادر النوادر سے 〃
علامہ آلوسیؒ جواز توسل کے قائل ہیں ۴۱۰
ہاں مگر کسی سے مراد مانگنا جائز نہیں 〃
اذا تحیرتم فی الامور کا مطلب (مولانا عبدالحیؒ) ۴۱۱
اکابرین علماء دیوبند اور مسئلہ توسل ۴۱۲
المہند کا حوالہ ۴۱۳
حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ کے چند حوالے 〃
مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ ۴۱۴
مولانا گنگوہیؒ اور مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ ۴۱۵
توسل کے کچھ دلائل ۴۱۶
بعض حضرات نے قرآن کریم سے بھی استدلال کیا ہے 〃

علامہ آلوسیؒ اور حضرت شیخ الہندؒ ۴۱۷
مؤلف ندائے حق کی تلبیس اور اس کا جواب 〃
حافظ ابن القیمؒ اور علامہ بغدادیؒ ۴۱۸
بحق فلاں کے لفظ سے توسل کی تفصیل ۴۱۹
جس معنیٰ میں معتزلہ اس کو استعمال کرتے ہیں اس معنیٰ میں مکروہ ہے۔ ہدایہ، سراجیہ و شرح فقہ اکبر ۴۲۰
اور اگر حق بمعنی تفضل اور وعدہ ہو تو درست ہے ۴۲۱
علامہ ابو جمرہؒ۔ مولانا گنگوہیؒ۔ 〃
توسل بالدعاء اور استشفاع 〃
علامہ آلوسیؒ۔ حدیث بخاری و طحاوی حضرت عمرؓ کا حضرت عباسؓ کو بطور توسل پیش کرنا ۴۲۲
ابن تیمیہؒ ۴۲۳
حافظ ابن حجرؒ، عینیؒ اور شوکانیؒ سے اس کی شرح 〃
اور یہ توسل بھی درحقیقت آپ ﷺ کی برکت سے تھا۔ (سبکیؒ) ۴۲۴
توسل فعلی 〃
مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ 〃
حافظ ابن حجرؒ اور علامہ عینیؒ ۴۲۵
ابن عبد البرؒ۔ ابن تیمیہؒ۔ ابن کثیرؒ۔ بعلیؒ ۴۲۶
شیخ سلیمان بن سحمانؒ ۴۲۶
توسل قولی ۴۲۷
مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ نے آخر میں اس کی اجازت دی ہے (فیض الباری) 〃
خطی اور خطمیؒ اور مدنی و مدینی کا چکر دینا بے سود ہے ۴۲۸
کسی کے وسیلہ سے دعا مانگنا 〃
حضرت عثمانؓ بن حنیف کی روایت ۴۲۹
اس کے روات کی توثیق (حاشیہ) 〃
امام حاکمؒ۔ ذہبیؒ۔ خفاجیؒ۔ سمہودیؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ اس کی تصحیح کرتے ہیں ۴۳۱
اس کی سند میں ابو جعفر خطمیؒ ہے نہ کہ رازی وغیرہ 〃
امام احمدؒ۔ ابن السنیؒ۔ حاکمؒ۔ ذہبیؒ طبرانیؒ ابن حجرؒ ابن تیمیہؒ نے یہی کہا ہے ۴۳۱ و ۴۳۲
ترمذی کے مصری نسخہ میں بھی الخطمی ہی ہے 〃
مولانا تھانویؒ سے اس حدیث کی تفسیر 〃
منکرین توسل غیر متعلق آیات سے استدلال کرتے ہیں۔ (شوکانیؒ) ۴۳۳
مولانا خلیل احمد صاحبؒ کا حوالہ 〃
ایک شبہ کہ یہ توسل آپ ﷺ کی زندگی سے مخصوص تھا اور اس کا جواب ۴۳۴
طبرانیؒ کی روایت میں آپ کی وفات

کے بعد بھی توسّل ثابت ہے۔		مسئلہ توسّل اور غیر مقلدین حضرات	۴۳۷
اور یہ روایت صحیح ہے طبرانیؒ منذریؒ	۴۳۵	حضرت مدنیؒ کا حوالہ	〃
نشر الطیب اور برلیعہ محمودیہ کا حوالہ	〃	مبارک پوریؒ عدم جواز کے قائل ہیں	〃
ابن الحاجؒ اور ابن حجر مکیؒ کا حوالہ	〃	مولانا سید نذیر حسین صاحبؒ اور مولانا وحید الزمان	۴۳۸
مولانا عثمانیؒ کے چند حوالے	۴۳۶	خانؒ جواز کے قائل ہیں	
	۴۳۷		

نوٹ ضروری:

اردو زبان میں لفظ روح تو مؤنث ہی استعمال ہوتا ہے اور اس کی جمع ارواح کو اکثر حضرات نے مؤنث استعمال کیا ہے مگر بعض حضرات نے مذکر بھی استعمال کیا ہے اور انہی حضرات کی پیروی میں اس کتاب کے بعض مقامات میں یہ لفظ مذکر بھی استعمال ہوا ہے اور اس کے علاوہ بھی اردو ادب کی بعض باریکیوں کو اہل زبان کے قواعد کے مطابق تراجم وغیرہا میں زیادہ ملحوظ نہیں رکھا جا سکا، قارئین کرام سے استدعا ہے کہ وہ اپنی نگاہ صرف مقصود پر مرتکز رکھیں اور ادبی باریکیوں کو نہ دیکھیں۔

(مؤلف)

تصدیقات علماء کرام

منبع العلوم و مخزن الفہوم محی السنۃ الغرّاء ماحی البدعۃ الظلماء سند العلماء رأس الاتقیاء نمونۂ سلف۔ صدر المدرسین۔ حضرت مولانا فخر الدین احمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ سابق شیخ الحدیث دار العلوم دیوبند صانہا اللہ تعالیٰ عن شر کل حاسد۔

محترم مولانا دامت برکاتہم

اسلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ۔ کتاب تسکین الصدور کا دو مرتبہ مطالعہ کیا پہلی مرتبہ سرسری طور پر اور دوسری مرتبہ کافی غور کے ساتھ مطالعہ میں کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بے مثل ہے اور واقعی اسم با مسمّٰی تسکین الصدور ہی ہے ہر مسئلہ نہایت واضح طریق پر دلائل سے آراستہ پیراستہ اور مخالفین کے دلائل کا صحیح ردّ جس سے دیکھنے والے کو حق معلوم کرنے میں زبردست امداد حاصل ہو سکے اور بشرطِ انصاف انکار کی گنجائش باقی نہ رہے پھر اس کے ساتھ مسلک کی پوری پوری رعایت یہ جملہ امور ایسے ہیں کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے کہ دل سے دعاء نکلتی ہے کہ خدایا اس کتاب کو اہل حق کے لیے مقبول بنا دے اور اس کے جامع کو دنیوی عزت کے ساتھ آخرت میں خادمانِ دین متین میں محشور فرمائے۔ آمین میں نہایت عدیم الفرصت ہوں اسی بناء پر اس قدر تاخیر واقع ہوئی جس سے آنمحترم کو ضرور کلفت ہوئی ہوگی میں معافی کا خواستگار ہوں۔

والسلام

فخر الدین احمد غفرلہ

۲؍ ذی الحجہ ۱۳۸۹ھ

عروۃ الحبل المتین۔ رئیس الشیوخ الکرام۔ قطب فلک العلوم والعرفان۔ استاد العلماء رئیس المناظرین۔ صدر المفتیین حضرت مولانا سید مہدی حسن صاحب مفتی اعظم دار العلوم دیوبند رحمہ اللہ تعالیٰ

محترم مولانا محمد سرفراز خاں صاحب دامت فیوضہم

سلام مسنون عافیت مزاج کا طالب و داعی اللہ کرے زور قلم اور زیادہ کافی عرصہ کے بعد حاضر خدمت بذریعہ عریضہ ہو رہا ہوں جس کے لیے معذرت خواہ ہوں کتاب تسکین الصدور وصول ہوئی شکر گذار ہوں وصول ہوتے ہی پڑھنا شروع کر دیا جناب والا نے کتاب کے ہر مبحث کو تشنہ نہیں چھوڑا مسائل کو دلائل صحیحہ اور نقول معتبرہ سے باحسن وجوہ ثابت کر دیا اور اہل سنت والجماعت کے عقیدے کو بطریق صحیح ثابت کرنے میں کسی قسم کا فتور واقع نہیں ہوا۔ اثبات عذاب قبر اور اثبات حیات انبیاء فی القبور کو جن دلائل حقہ سے ثابت کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے طالب حق و ہدایت کو کسی قسم کے چون و چرا کی گنجائش نہیں ہے متعنت اور معاند سے امید نہیں کہ وہ ہدایت قبول کرے۔ ان مسائل میں معاندین کے شبہات، رکیکہ اور اعتراضات واہیہ میں ان کے جوابات دندان شکن دیئے ہیں اور ان شبہات کو زائل کر دیا ہے الحاصل کتاب تحقیقات سے مملو اور دلائل سے مشحون ہے عوام و خواص دونوں طبقوں کے لیے بہت مفید ہے۔ پڑھنے کے بعد مجھ جیسے نا اہل کے صدر کو تسکین اور دل میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا کر دیا اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر آپکو عطا فرمائے اور کتاب کو مقبول عام بنائے اور گمراہوں کو ہدایت کے راستہ پر گامزن کرے آمین۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے مسائل کی تحقیق کے لیے موفق کیا ہے فللہ الحمد والشکر اسی طرح آپ کی دوسری تصانیف بھی دلائل حقہ صحیحہ سے مزین ہیں کتاب مذکور میں جن مسائل پر آپ نے قلم فرسائی کی اور داد تحقیق دی ہے میں اس کے ساتھ متفق ہوں کہ مسلک اہل سنت والجماعت کا ہے واللہ اعلم دعاگو و طالب دعا سید مہدی حسن غفرلہ از شاہجہانپور محلہ جھنڈا کلاں مکان ۱۸ ، ۲۷ اگست ۱۹۶۸ء

میں سترہ ماہ سے وطن میں ہوں صاحب فراش ہوں مفلوج ہوں نشست و برخاست دشوار ترہے دار العلوم سے رخصت لے رکھی ہے ۸۸ سال کی عمر ہو گئی ہے ضعیف و کمزور ہوں کتاب دیوبند ہوتی ہوتی شاہجہانپور پہنچ گئی۔ کل اعزاز نامہ بھی پہونچا چند سطور بمشکل لکھ کر حاضر خدمت ہوا ہوں

ودمتم بالمعافیۃ والخیر

شمس فلک الشریعة البیضاء و بدر سماء الطریقة الغراء فخر الاماثل۔ جامع الفضائل۔ رازیٔ وقت۔ غزالیٔ دوراں حضرت مولانا الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب دامت معالیہم مہتمم دار العلوم دیوبند

الحمد للہ و سلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

رسالہ نافعہ تسکین الصدور مؤلفہ حضرت مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر سے استفادہ نصیب ہوا۔ رسالہ کی وقعت و عظمت کے لیے یہ کافی ہے کہ وہ مولانا سرفراز خاں صاحب کی تالیف ہے جو اپنی محققانہ اور معتدلانہ طرز تالیف میں معروف ہیں۔ تسکین الصدور حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع کے مسائل میں تسکین الصدور ہی ہے جس سے روحی اور قلبی تسکین ہو جاتی ہے۔ جن جن مسائل پر کلام کیا گیا ہے وہ اپنی جگہ نہ صرف یہ کہ اہل السنت والجماعت کے مسلک اور مذہب منصور کے مطابق ہی نہیں بلکہ فی نفسہٖ اپنی تحقیقی رنگ کی وجہ سے پوری جامعیت کے ساتھ منضبط ہو گئے ہیں اور ان سے دلوں میں سرور اور آنکھوں میں نور پیدا ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ مؤلف ممدوح کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور ان کے علم و عرفان اور عمل و ایمان میں روز افزوں ترقیات عطا فرمائے۔ آمین

محمد طیب مہتمم دار العلوم دیوبند

۱۷/۱۱/۸۹ھ

جامع العلوم العقلیة و النقلیة۔ المحدث الجلیل۔ ماہر اسماء الرجال۔ فقیہ زماں۔ حامی توحید و سنت و ماحیٔ شرک و بدعت۔ رئیس المحققین حضرت مولانا محمد حبیب الرحمٰن الاعظمی دامت فیوضہم العالیہ

۱۰ ذی الحجہ ۱۳۸۸ھ

۵ مارچ ۶۹ء

محب مکرم جناب الحاج مولانا محمد سرفراز خاں صاحب صفدر سلمہ اللہ تعالیٰ وعافاہ

السلام علیکم و رحمة اللہ و برکاتہ

ندامت ہے کہ آپ کے نامۂ لطف و کرم کا جواب بڑی تاخیر سے روانہ کر رہا ہوں، ایک طرف سنن

سعید بن منصور جلد سوم کا دوسرا حصہ چھپ رہا تھا، دوسری طرف المطالب العالیہ فی زوائد المسانید الثمانیہ کی تحقیق و تعلیق میں مصروفیت تھی، اب اس کا ایک ربع پریس بھیج چکا ہوں تو ذرا دم لینے کی فرصت ملی ہے، اسی فرصت میں آپ کی کتاب تسکین الصدور کا اکثر حصہ بالاستیعاب پڑھا۔ باقی پر سرسری نظر ڈالی، ماشاء اللہ خوب لکھا ہے، ہر ہر گوشے پر سیر حاصل بحث کی ہے، اور ہر ہر دعوی کو مدلل و مبرہن کیا ہے، اور اصل مسئلہ کو بالکل واضح کر دیا ہے، مجھے کتاب پڑھ کر بڑی مسرت ہوئی، حق تعالیٰ آپ کو تادیر زندہ و سلامت رکھے، اور دین کی مزید خدمت کے لیے توفیق بخشے۔

ص۱۱ پر آپ نے لکھا ہے کہ "ممکن ہے بزار کی سند میں بھی الحسن بن قتیبۃ الخزاعی" ہو آپ کا یہ خیال صحیح ہے، بزار کی سند میں بھی وہ واقع ہے، مسند بزار میں سند کا ابتدائی حصہ یوں ہے۔ حدثنا محمد بن عبد الرحمن بن المفضل الحرانی ثنا الحسن بن قتیبۃ المدائنی الخ میں نے یہ حدیث کشف الاستار فی زوائد مسند البزار للھیثمی میں دیکھی ہے۔ جس کا قلمی نسخہ کتب خانہ مفتاح العلوم مئو ضلع اعظم گڑھ میں موجود ہے۔ خیر و عافیت سے مطلع فرمائیں۔ والسلام،

حبیب الرحمن الاعظمی

رئیس المناظرین۔ استاذ العلماء عالم بے بدل پیر طریقت ماہر علوم عقلیہ و نقلیہ حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم و علی آلہ و صحبہ اجمعین

کتاب تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتٰی فی البرزخ و القبور مؤلفہ حضرت مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز خاں صفدر صاحب اطال اللہ بقاءہ وعم فیضہ کو میں نے اوّل سے آخر تک حرفاً حرفاً سنا اتباع سلف صالحین میں ہر مسئلہ میں مذہب جمہور کو قرآن مجید و حدیث شریف صحیح و حسن و فقہ حنفی کے ذخیرہ کی روشنی میں مسائل کو ادلّہ کثیرہ سے ایسا مبرھن کیا ہے کہ اس سے زائد کی گنجائش نہیں۔ ہر مسئلہ میں دلائل صحیحہ کا اسقدر انبار لگا دیا ہے کہ ہر منصف اس پر اعتبار و اعتماد کرتے ہوئے اس کہنے پر مجبور ہے۔

ع یں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند :

احقر خیر محمد عفا اللہ عنہ از ملتان

سابق وزیر معارف شرعیہ ریاستہائے متحدہ بلوچستان وشیخ التفسیر دار العلوم دیوبند وشیخ الحدیث جامعہ اسلامیہ ڈابھیل وحال صدر شعبۂ تفسیر اسلامی یونیورسٹی بہاولپور۔ جامع العلوم العقلیۃ والنقلیۃ حضرت العلام مولانا محمد شمس الحق صاحب افغانی دامت برکاتہم السامیۃ

محترم المقام جناب مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صفدر دامت فیوضاتہم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ آپ کی کتاب تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور پہونچی اس کے مندرجات مطالعہ سے گذرے الم[1] وراحت قبر اور انبیاء علیہم السلام کی حیات[2] فی القبور اور انکے سماع[3] عند القبور اور عام سماع موتیٰ[4] اور توسل۔ بمقبولین کے ابحاث کی تفسیری کلامی اور فقہی وحدیثی دلائل اور نقد الرواۃ کے مباحث بھی نظر سے گذرے ان ابحاث پر آپ کی کتاب کا لُبّ لباب اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے مطابق ہے اور منہج سلف صالحین کا آئینہ دار ہے۔ احقر ان سے متفق ہے اور دعاء کرتا ہے کہ اللہ جل مجدہ اس کتاب کو اہل زیغ کے لیے موجب ہدایت بنائے۔ مجھے امید ہے کہ اس کتاب کی برکت سے متنازعین کا اختلاف ختم ہو جائے گا۔ بشرطیکہ توفیق الٰہی اور خشیۃ اللہ دستگیری فرمائے اور اتباع ہوی کی آلایش سے قلب وضمیر کو پاکی نصیب ہو۔

احقر شمس الحق افغانی عفا اللہ عنہ بہاولپور۔ ۸ رجمادی الاخری ۱۳۸۶ھ۔

بحر العلوم۔ المحدث الکامل۔ الفقیہ الجلیل۔ المحقق النبیل حضرت العلامہ مولانا السید محمد یوسف صاحب بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ خصوصا علی سیدنا محمدن المصطفیٰ وآلہ وصحبہٖ ماکفیٰ وشفیٰ

امّا بعد۔ حضرت انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام کی حیات بعد الممات کا مسئلہ صاف ومتفقہ مسئلہ تھا۔

شہداء کی حیات بنص قرآن ثابت تھی اور دلالۃ النص سے انبیاء کرام کی حیات قرآن سے ثابت تھی اور احادیث نبویہ سے عبارت النص کے ذریعہ ثابت تھی۔ لیکن برا ہو اختلافات اور فتنوں کا کہ ایک مسلمہ حقیقت زیر بحث آکر مشتبہ ہوگئی کتنے تاریخی بدیہات کو کج بحثیوں نے نظری بنا دیا اور کتنے حقائق شرعیہ کو کج فہمی نے مسخ کر کے رکھ دیا یہ دنیا ہے اور دنیا کے مزاج میں داخل ہے کہ ہر دور میں کج فہم اور کج رو اور کج بحث موجود ہوتے ہیں۔ زبان بند کرنا تو اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت میں ہے۔ ملاحدہ وزنادقہ کی زبان کب بند ہو سکی۔ کیا اس دور میں امام حسینؓ کی شہادت کو افسانہ نہیں بنایا گیا اور کہا گیا کہ واقعہ ہے ہی نہیں۔ اور کیا امام حسینؓ کو باغی واجب القتل اور یزید بن معاویہ کو امیر المؤمنین خلیفہ برحق ثابت نہیں کیا گیا۔ کسی صحیح حدیث کو ضعیف بنانے کے لیے کسی راوی کے بارے میں کتب رجال میں جرح کا کوئی کلمہ دیکھا بس کافی تھا کہ اس پر بنیاد قائم کی جائے اگر عقل سلیم سے کام نہ لیا جائے اور صرف کتاب میں جرح کو دیکھا جائے تو امام ابو حنیفہ امام مالک امام شافعی امام احمد تمام کے تمام آئمہ مجروح ہو کر دین کا سرمایہ ہی ختم ہو جائے گا۔ الغرض حیات انبیاء کرام علیہم السلام کا مسئلہ بھی تقریباً اسی قسم کے کج بحثوں میں الجھ کر اچھا خاصا فتنہ بن گیا عصمت تو انبیاء کرام کا خاصہ ہے۔ علماء معصوم تو ہیں نہیں کچھ حضرات نے دانستہ یا نادانستہ حدیثی و کلامی بحثیں پیدا کر دیں اور سمجھا یہ گیا یا سمجھایا گیا کہ اس طرح توسل بالاموات اور استعانت بغیر اللہ وغیرہ وغیرہ بہت سے بدعات کا خاتمہ ہو جائے گا گویا علاج یہ تجویز کیا گیا کہ حیات انبیاء کرام سے انکار کرنے ہی سے یہ مفاسد ختم ہو سکتے ہیں اس کی مثال تو ایسی ہوئی کہ بارش سے بچنے کے لیے پرنالے کے نیچے جا کر بیٹھ گئے۔ بہر حال ان تفصیلات میں جانے کی حاجت نہیں اس خلفشار کو ختم کرنے کے لیے ارباب فکر و اخلاص نے چند حضرات کے نام تجویز کئے کہ اس اختلاف کو جس نے فتنہ کی شکل اختیار کر لی ہے ختم کرنے کی کوشش کریں راقم الحروف کا نام بھی ان میں شامل تھا تجویز یہ ہوئی کہ اس موضوع پر ایک محققانہ کتاب موثر انداز میں لکھی جائے اور تشکیک پیدا کرنے والے حضرات کے شبہات کے جواب بھی دیئے جائیں اور مسئلہ کے تمام گوشوں پر سیر حاصل تبصرہ کیا جائے باتفاق رائے اس کام کے انجام دہی کے لیے جناب برادر گرامی مآثر مولانا ابو الزاہد محمد سرفراز صاحب منتخب ہو گئے جن کے دماغ میں بحث و تمحیص کی صلاحیت بھی ہے قلم میں پختگی بھی علوم دینیہ اور حدیث و رجال سے اچھی قابل قدر مناسبت بلکہ عمدہ بصیرت بھی ہے مختلف مکان سے غرر نقول جمع کرنے کی پوری قدرت بھی ہے

اور حسن ترتیب کی پوری اہلیت بھی۔ الحمد للہ کہ برادر موصوف نے توقع سے زیادہ مواد جمع کر کے تمام گوشوں کو خوب واضح کر دیا ہے اور تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے میرے ناقص خیال میں اب یہ تالیف اس مسئلہ میں جامع ترین تصنیف ہے اور اس دور میں جتنی تصانیف اس مسئلہ پر لکھی گئی ہیں ان سب میں جامع و واضح و عالمانہ بلکہ محققانہ ہے اللہ تعالیٰ موصوف کی اس خدمت کو خلعت قبول سے نوازے اور مزید اس قسم کی خدمات کی توفیق عطا فرمائے۔ بڑی مسرت ہوا کہ میرے رفیق محترم جناب مولانا سید احمد رضا صاحب بجنوری جن کو حضرت امام العصر مولانا محمد انور شاہ صاحب رحمہ اللہ کا نہ صرف شرف تلمذ حاصل ہے بلکہ فرزند نسبتی کا شرف بھی حاصل ہے جن کے قلم سے صحیح بخاری کی محققانہ اردو شرح انوار الباری وجود میں آ رہی ہے۔ اور اب سے اکتیس بتیس سال قبل مصر و استنبول کے علمی سفر میں رفیق طریق رہے ان کے جواب میں ۱۳۷۹ھ قلم برداشتہ نہایت عجلت میں جو کچھ لکھا تھا نامناسب نہ ہوگا کہ اس خط کا کچھ اقتباس نقل کیا جائے۔ تاکہ میری ذاتی پرانی رائے بھی اس مسئلہ کے بارے میں معلوم ہو جائے اگرچہ وہ اشارات ہیں اور مخاطب ایک عالم تھے تفصیل کی حاجت نہیں تھی لیکن اس موضوع پر ایک جامع فیصلہ کی حیثیت سے ایک متن ہے۔ تشریح جتنی چاہئیے کر لیجئے واللہ المستعان

محولہ بالا طویل مکتوب کے چند اقتباسات

① شہداء کے لیے بنص قرآن "حیات" حاصل ہے اور مزید دفع تجوز کے لیے "یرزقون" کا ذکر بھی کیا گیا ہے، جیسے آجکل کا محاورہ بھی ہے "فلاں حی یرزق" عام اہل برزخ سے ان کی حیات ممتاز ہے۔

② جب انبیاء کا درجہ عام شہداء سے اعلیٰ وارفع ہے تو بدلالۃ النص یا بالاولیٰ خود قرآن کریم سے ان کی حیات ثابت ہوئی (علیہم الصلوات والتسلیمات) اور جب مرتبہ اعلیٰ وارفع ہے تو حیات بھی اقویٰ و اکمل ہوگی۔

③ اسی حیات کی اکملیت کے بارے میں دو حدیثیں آئی ہیں، اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَأْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ۔ اور حدیث اَلْاَنْبِیَاءُ اَحْیَاءٌ فِیْ قُبُوْرِهِمْ یُصَلُّوْنَ۔ اور ان ہی احادیث کے شواہد کے طور پر دیگر احادیث صحیحہ موجود ہیں مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا تلبیہ حج۔ اور اس کے علاوہ روایات۔

④ روح کے تعلق اجساد سے پانچ قسم کے ہیں۔ [۱] فی حالۃ الجنین۔ [۲] بعد الولادۃ فی الدنیا۔ اور اس کی دو صورتیں ہیں، [۳] حالت نوم میں، اور حالت یقظہ میں۔ [۴] بعد الموت فی البرزخ۔ [۵] بعد البعث فی المحشر۔ ضعیف ترین

Www.Aiteraaq.Com

اول ورابع ہے، قوی ترین خامس اور متوسط دنیوی ہے، کما حققہ المتکلمون وابن القیم فی کتاب الروح والقاری فی شرح الفقہ الاکبر۔

⑤ انبیاء کرام علیہم السلام کی نوم جیسے ممتاز ہے عام نوم سے۔ ان عینای تنامان ولا ینام قلبی۔ اسی طرح ان کی موت کی حالت بھی عام اموات جیسی نہیں، النوم اخو الموت، اور عام موتٰی میں تحقیق موت کے لیے انقطاع الروح عن الجسد بالکلیہ ہوتا ہے۔ اور یہاں بالکلیہ نہیں ہوتا، اور پھر علو مرتبہ جتنا ہوتا ہے۔ اتنا ہی تعلق قوی ہوگا۔

⑥ مفارقت روح عن الجسد سے مفارقت تعلق الروح عن الجسد لازم نہیں آتا

⑦ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے جسد مبارک کو تروح کی کیفیت حاصل ہو جیسے معراج میں جسد پر روح کی کیفیت طاری ہوئی۔ تجسد ارواح اور تروح اجساد دونوں کی نظریں عالم شہادت میں ہیں۔ تو عالم ارواح میں کیوں استبعاد کیا جائے جب کہ اس کا تعلق عالم غیب سے ہے،

⑧ دنیا میں۔ صوفیہ کرام کے یہاں۔ ابدانِ مثالیہ سے تعدد وقت واحد میں متعدد امکنہ میں ظہور اور آثار کے ثبوت پر مشہور واقعات ہیں، انبیاء کرام کی نقل وحرکت بالاجساد المتروحہ اس کی نظیر ہوگی۔

⑨ الغرض انبیاء کرام کے لیے حیات، بقاء اجساد، نقل وحرکت، ادراک وعلم سب چیزیں حاصل ہیں۔

⑩ یہ حیات دنیوی حیات کے مماثل بلکہ اس سے اقویٰ ہے، دنیا میں ہمیشہ جسد کو روح کی خاصیت حاصل نہیں ہوتی، اور برزخ میں ہوتی ہے، اب اگر اس کو "حیات دنیوی" سے بعض حضرات نے تعبیر کیا ہے۔ تو اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے کیا ہے، بہر حال وہ حیات دنیوی بھی ہے اور حیات برزخی بھی۔ صرف حیات برزخی نہیں جس میں عام شہداء یا اموات بھی شریک ہوں، بلکہ اقویٰ واکمل ہے، اس لیے حیات دنیوی کے مماثل، بلکہ اس سے بھی اقوی ہے۔ اختلاف تعبیرات میں نزاع لفظی ہے، اس دنیا سے رسمی تعلق منقطع ہونے کے بعد برزخی دور شروع ہوتا ہے۔ اب جو چاہے اطلاق کیا جائے۔

⑪ اگر احادیث ونصوص میں حیات کا ثبوت ہے، اور پھر عدم نکاح بالازواج المطہرات اور عدم توریث وغیرہ کی علت اصل حیات کو کہا جائے تو درست ہے۔ بہر حال حکم شرعی کی کوئی علت ہی ہوتی ہے اور یہاں تو علت از قبیل العلل المعتبرۃ کے ہوگی نہ کہ علل مرسلہ کی قسم سے۔ اور اس علت کی تنقیح اصولی تنقیح المناط اور تحقیق المناط سے زیادہ قطعی ہوگی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

صاحب الفہم الباہر والرشد الزاہر۔ فقیہ النفس والبصیرۃ التامۃ۔ والملکۃ الراسخۃ
حضرت العلام المفتی جمیل احمد صاحب تھانوی دامت فیوضہم۔

مُبسلاً ومحمدلاً ومصلیاً ومسلماً

حضرت مولانا علامہ فاضل فخر اماثل محمد سرفراز خان صفدرؔ صاحب کی تازہ تالیف تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور اول سے آخر تک حرفاً حرفاً پڑھی، یوں تو علامہ موصوف کی ہر تالیف عمدہ سلیقہ کے ساتھ نہایت تحقیقات پر مشتمل ہر ایک بہت بہت معلومات افزا روح پرور اور دلنشین ہوتی ہے خصوصیت اور بے انتہا قابل قدر خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ بزرگانِ سلف سے ہی ہر بات ماخوذ ہوتی ہے خود رائی کو دین نہیں بنایا جاتا ہے۔ جو آجکل عام ہو رہا ہے۔ مجھے اس کتاب سے کچھ خاص دلچسپی ہوئی اور اس قدر کہ ہاٹ اٹیک اور بلڈ پریشر کی تشخیص پر ڈاکٹروں کی ممانعت کے باوجود شروع سے آخر تک دیکھ گیا۔

وجہ یہ تھی کہ تیس ۳ سال سے مجھے خود بھی ذاتی تجربہ یہ ہو رہا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے جس مسئلہ میں جو نظریہ قائم کیا ہے واقع میں وہی راجح و حق ثابت ہوتا ہے جب خوب مکمل اور گہری تحقیقات کی جاتی ہے تو وہ اس سے سر مو تجاوز نہیں کرپاتی پوری تحقیقات کا نچوڑ آخر میں وہی دو لفظی مسئلہ نکلتا آنکھوں سے نظر آجاتا ہے اس وقت ان حضرت کے علم کا لدنّی علم ہونا منکشف ہوتا ہے۔ اپنے اس ذاتی تجربہ اور ایسے ہی اور علماءؒ کے اس تجربہ کا یہ نتیجہ دل و دماغ کی تہ میں جم جانا ضروری ہے کہ جو شخص کسی مسئلہ میں بھی ذرہ برابر ان سے اختلاف رکھتا ہے وہ یقیناً کم نظری یا غلط فہمی یا کسی خارجی اثر میں مبتلا ہے۔

ہم چند لوگوں کا ہی نہیں تمام امت کا کم و بیش یہی تجربہ ہے چنانچہ دیوبندی عالم وہی نہیں کہلاتا جو دیوبند کا باشندہ یا تعلیم یافتہ ہو بلکہ ہر وہ عالم دین جو فقہ حنفی و عقائد کے راجح و قوی ترین مسائل پر عامل اور متفق ہو دیوبندی عالم کہلانے لگا۔ دہلی کے شاہ صاحبان لکھنؤ کے مولانا عبدالحی اور دوسرے اطراف کے اہل حق و تحقیق علماءؒ جنہوں نے دیوبند کی شکل نہ دیکھی ہوگی علمائے دیوبند کہلائیں گے۔ حق و تحقیق و تقویٰ ان کی ایسی خصوصیت بن گیا کہ خود اسی کا نام دیوبندیت بن گیا۔

۸-۱۰ سال سے حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا انکار بعض ایسے عالموں کی طرف سے شائع ہونے لگا جو ہمارے اپنے شمار ہوتے تھے، بہت جی چاہتا تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اس مسئلہ کی پوری

پوری تحقیق لکھدے تو یقیناً ہر مسئلہ کی طرح یہاں بھی حق بات وہی ثابت ہوگی جو ان حضرات کی تحقیق کا دو لفظوں میں ثمرہ شائع ہوچکا ہے پھر ممکن ہے اشتباہ والے بزرگوں کو بھی صحیح راہ نظر آسکے۔ خود تو کم صحت کم فرصت کم استعداد اس سے قاصر تھا بس دل میں یہ تمنا موجزن تھی۔

حضرت مولانا سرفراز خان صاحب نے بڑی محنت جانفشانی اور عرقریزی سے یہ تحقیق مکمل کر دی ہے اللہ تعالیٰ نے میری وہ دلی تمنا مولانا کے ہاتھوں پوری فرما دی اس لیے حرف حرف مزے لے کر پڑھتا چلا گیا ہر ہر بحث پر دل باغ باغ ہوتا گیا اور دعاؤں میں سرشار ہوتا رہا۔

للہ الحمد بر آں چیز کہ خاطر می خواست
آخر آمد ز پس پردۂ تقدیر پدید

الحمد للہ جیسا دل چاہتا تھا یہ کام انجام پا گیا احادیث کے اسناد کی صحت اور مفہومات کی تحقیقات شبہات کے جوابات ماشاء اللہ نور علیٰ نور ہیں۔ اللہ تعالیٰ حضرت مصنف کو بہترین جزاؤں سے دونوں جہاں میں سرفراز فرمائیں اور تشنہ آنکھوں کے لیے کتاب کو سرمۂ بصیرت بنائیں۔

جمیل احمد تھانوی

جامعہ اشرفیہ مسلم ٹاؤن لاہور ۱۹ر جمادی الاولیٰ ۱۳۸۸ھ

اسوۃ الاصفیاء۔ ذروۃ سنام الدین۔ مجاہد جلیل۔ حافظ الحدیث امیر جمعیتہ علماء اسلام پاکستان حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب درخواستی دامت برکاتہم

واجب الاحترام حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر دامت برکاتہم

سلام اللہ تعالیٰ علیکم ورحمۃ اللہ یکم۔ گرامی نامہ باعث سرفرازی ہوا۔ تسکین الصدور کے اکثر حصے دیکھے اپنے موضوع میں مسلک اہل السنت والجماعت کے بیان میں کافی وشافی ہے اور پچھلی تصانیف سے مُغنی ہے۔ دعا میں یاد فرمائیں

والسلام

محمد عبد اللہ مدرسہ عربیہ مخزن العلوم

عیدگاہ خانپور

۷ر نومبر ۱۹۶۷ء

قدوۃ العارفین۔ زبدۃ المحدثین۔ عمدۃ الفقہاء۔ واُسوۃ العلماء حضرت مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی رحمہ اللہ تعالےٰ

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ

ہدیہ سنیہ تسکین الصدور موجب سرور وسکون ہوا۔ جستہ جستہ مقامات سے دیکھا دل خوش ہوا۔ ماشاء اللہ آپ نے حیات النبی اور سماع موتیٰ پر خوب کلام کیا ہے اور درمیان درمیان میں اصولِ حدیث اور تنقید حدیث کا طریقہ بھی اچھا بیان کیا ہے۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔ فرصت ملی تو کتاب کا بالاستیعاب مطالعہ کروں گا جعلنی اللہ و ایاکم کما یحب ویرضیٰ وجعل آخرتنا خیراً من الاولیٰ والسلام۔

ظفر احمد عثمانی عفا اللہ عنہ

دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو آلہ یار (سندھ) ۲۵ ج ۱ ۱۳۸۹ھ

یادگارِ سلف۔ استاذ العلماء۔ العالم النحریر۔ امام الفضلاء شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد الحق صاحب دامت معالیہم

مخدومی المحترم المکرم حضرت مولانا صاحب۔ شکر اللہ مساعیکم ودمتم للاسلام

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

امید ہے مزاج گرامی بالخیر ہوں گے۔ کتاب "تسکین الصدور" سرور قلب، اور تبرید بصر کا موجب بنا۔ الحمد للہ کہ خداوند تعالیٰ نے اس عظیم اور اہم کام کی تکمیل اور اس کی اشاعت پذیر ہونے کا موقعہ میسر فرمایا۔ آنجناب جیسے فاضل بے بدل اور محقق یگانہ کی نگارشات کے بارے میں کچھ کہنا گستاخی ہے۔ جن کی تحقیق کا سکہ سب مان چکے ہیں۔

بہرحال تعمیلِ ارشاد میں اور استفادہ کی غرض سے کتاب کا مطالعہ کیا۔ بحمد اللہ کتاب میں جتنے مسائل کی تنقیح اور تشریح کی گئی ہے، سب کو اہل سنت والجماعۃ خصوصاً اکابر دیوبند کے مسلک کے موافق پایا۔ جس محنت اور عرق ریزی سے آپ نے ان مسائل کو تحقیقی دلائل اور اکابر ملت اور معتمد علماء کے اقوال سے مبرھن کیا ہے وہ آپ ہی کا حصہ ہے اللہ تعالیٰ اس کتاب کو مسلمانوں کے اتحاد واتفاق اور ان مسائل میں مسلک حق کی پیروی و تمسک بالکتاب والسنۃ کا ذریعہ بنائے۔ مسئلہ حیات انبیاء میں طرفین کے دلائل کو جس تفصیل سے مشرح

فرمایا ہے۔ خدا کرے اگلے ایڈیشن میں دیگر مسائل از قسم توسّل وغیرہ میں بھی فریق ثانی کے دلائل سے اس تفصیل سے تعرض فرمایا جائے ۔ والسلام

بندہ عبد الحق غفرلہ مہتمم دار العلوم حقّانیہ اکوڑہ خٹک

سید العلماء۔ صفوۃ الصلحاء۔ سند الابرار۔ جامع الکمال۔ صادق الاحوال
حضرت العلام مولانا محمد عبد الخالق صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

میں کمترین عبد الخالق مظفر گڑھی تلمیذ و خلیفہ مُجاز حضرت قبلہ مولانا حسین علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد سرفراز خانصاحب کی تصنیف لطیف تسکین الصدور فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور کو بالاجمال اول سے آخر تک دیکھا ہے اور بعض مواقع تفصیلاً بھی دیکھے ہیں۔ اس میں مندرجہ مسائل کو نہایت محققانہ طور پہ بیان کیا گیا ہے اور اس سلسلہ میں کئے گئے جملہ اعتراضات کے مسکت جواب دیئے گئے ہیں (۱) قبر کے ثواب و عقاب کے مسئلہ کو چند آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے اور اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی مسئلہ مانا گیا ہے (۲) اور اعادۃ الروح الیٰ الجسد کو صریح حدیثوں اور جمہور علماء اہل السنۃ والجماعۃ کے اقوال سے ثابت کیا گیا ہے (۳) اور جس طرح ہر ذی رُوح کی موت قطعی ہے اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی وفات کو قطعی مانا گیا ہے اور کتاب وسنۃ سے اس کا ثبوت پیش کیا گیا ہے اور اس کو اجماعی مسئلہ قرار دیا گیا ہے۔ (۴) حیوۃ الانبیاء فی القبور کو متواتر احادیث صحیحہ سے ثابت کیا گیا ہے اور اس کو بھی اجماعی مسئلہ قرار دیا گیا ہے (۵) سماع الانبیاء عند القبور بلا واسطہ کو بھی احادیث سے اور حضرات صحابہ کرام رضؓ کی تقریر سے اور جمہور علماء اہل السنۃ کے اقوال سے ثابت مانا گیا ہے۔ (۶) توسل فی الدعاء کے مسئلہ کو بھی نہایت احسن طریق سے بیان کیا گیا ہے اور توسل بصالح الاعمال کے جواز بلکہ استحباب کو متفق علیہ اور توسُّل بالذات کو مُتَنَازَع فیہ بنزاع لفظی مانا گیا ہے فَلِلّٰہِ در المؤلف بارک اللہ تعالیٰ فے حیاتہٖ و فی حَسَنَاتہٖ مجھے ان کی تحقیقات سے کلی اتفاق ہے۔

کَتَبَہٗ عبد الخالق مظفر گڑھی

شیخ الاتقیاء۔ بقیۃ السلف۔ قدوۃ الخلف۔ وحید العصر حضرت العلامہ مولانا خان محمد صاحب عمّت مکارمہم خانقاہ سراجیہ کندیاں ضلع میانوالی

بعد الحمد والصلوٰۃ وارسال التسلیمات و التحیات۔ فقیر ابو الخلیل خان محمد عفی عنہ

تسکین الصدور فی احوال الموتٰی فی البرزخ والقبور

حامداً و مصلیاً و مسلماً

امابعد فقیر نے تالیف منیف "تسکین الصدور" مؤلفہ حضرت مولانا العلام محمد سرفراز صاحب دامت برکاتہم کا مطالعہ بڑی دلچسپی کے ساتھ کیا اور بحمدہ تعالیٰ احوال موتٰی کے بارے اس کو اسم بامسمیٰ پایا۔

حقیقت حال یہ ہے کہ ۴۴۵-۴۴۶ھ ہجری میں فرقہ کرامیہ علیہا ما علیہا نے نیشاپور میں امام اہل السنۃ ابو الحسن اشعری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ پر افترادت کا ایک طوفان بے پناہ اٹھایا تھا جس کی وجہ جماعت حقہ اہل السنۃ و الجماعۃ کو سخت مصائب سے دوچار ہونا پڑا جن کی تفصیل "تبیین کذب المفتری" اور "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں مذکور ہے کہ کرامیہ کے افترادت کا اصل منشا یہ تھا کہ انہوں نے اپنی فساد طبع اور عناد اہل حق کی بنا پر اولاً اہل السنۃ پر یہ الزام تراشا کہ اہل السنۃ کا خیال وعقیدہ یہ ہے کہ موت کے بعد میت علم و ادراک سے بے نصیب ہو جاتا ہے پھر اسی پر یہ شاخ و برگ لگائے کہ اس سے یہ لازم کہ میت سے ایمان بھی مسلوب ہو جائے کیونکہ ایمان بھی علم و معرفت کا ہی نام ہے مزید براں یہ بھی لازم آئے گا کہ نبی بھی بعد الموت نبوت سے معزول ہو جائے کیونکہ نبوت کا ثمرہ بھی علم و معرفت ہی ہے۔

امام بیہقی اور امام قشیری رحمۃ اللہ علیہما نے اس دور پر فتن کے مصائب برداشت کرنے کے ساتھ ساتھ ان الزامات کی تردید میں رسائل تحریر فرمائے اور ثابت کیا اہل السنۃ کے نزدیک تو میت کا صاحب ادراک و احساس وجود کے ساتھ قبر میں زندہ ہونا امر مسلم ہے کیونکہ عذاب و ثواب قبر جو متواترات شرعیہ میں سے ہے اس کا ترتب بدون حیات متعذر ہے اور انبیاء علیہم السلام کی حیات فی القبر مع بقاء اجساد مطہرہ اہل السنۃ والجماعۃ کا عقیدہ مجمع علیہا ہے۔ جس پر بہت سے مسائل متفرع ہوتے مثلاً سفر بقصد الزیارۃ الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم، عرض صلوٰۃ وسلام دربارگاہ رسالت متوجہاً الی روضۃ الاطہر علی ساکنہا الصلوٰۃ والسلام ابد الدھر، عرض اعمال امۃ اور توسل بسید الانبیاء و

صلحاءِ امت علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام وغیرہ مسائل جن پر متعدد اور مستقل رسائل اہل حق علمائے تصنیف فرمائے ہیں خلاصہ یہ کہ حیوۃ الانبیاء فی القبور کا مسئلہ تو تقریباً ضروریات دین میں سے شمار ہو کر امت کا ایک اجماعی مسئلہ بن چکا ہے۔ حتیٰ کہ علامہ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ تعالےٰ علیہما جو مداخل شرک کی تحقیق و تفتیش میں کافی توسع سے کام لیتے ہیں جس کی وجہ سے سفر الی قبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتوسل بہ علیہ السلام وغیرہ مسائل کو معرکۃ الآراء بنا دیا گیا ہے مگر اصل مسئلہ کے بارے میں ان کی رائے بھی امت مرحومہ کے مسلمہ عقیدہ کے موافق رہی ہے۔ چنانچہ علامہ ابن قیّم رحمہ اللہ خود بعد ذکر دلائل تحریر فرماتے ہیں یحصل من جملتہ القطع بان موت الانبیاء انما ھو راجع الی ان غیّبوا عنا بحیث لا ندرکھم وان کانوا موجودین احیاء الخ ص۳۶ کتاب الروح

مقام افسوس ہے کہ دور حاضر میں بعض قاصرین فی العلم طبائع نے اپنی متوحدانہ نظریات توحید میں اس قدر غلو اور تجاوز عن حد الاعتدال اختیار کر رکھا ہے کہ بعض مسنونات و مستحبات کو بھی حدود شرک میں کھینچ لانے کے من مانی تصرفات کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتیں۔ انہی عناصر نے اپنی متوحدانہ رنگ کی توحید کے نشہ میں عقیدہ حیوۃ الانبیاء کو بھی منافی توحید خود ساختہ قرار دے کر ہنگامہ آرائی شروع کر دی اور صدیوں کے مردہ کرامیہ کی یاد تازہ کر دی ارٰھم اللہ تعالےٰ الحق حقا ورزقھم اتباعہ۔

اہل حق نے جب اس شرذمہ قلیلہ کی ان ہنگامہ آرائیوں کو دیکھا تو حفظ دین اور عقیدہ اجماعیہ کے تحفظ کی حتی الامکان سعی فرمائی۔ انفرادی مساعی کے علاوہ اجتماعی طور پر ان مسائل پر ایک مکمل دستور العمل مرتب کرنے کے لیے حضرت شیخ الحدیث مولانا العلام محمد سرفراز صاحب کو منتخب کیا۔ جنہوں نے رسالہ "تسکین الصدور" تالیف فرما کر اس مسئلہ میں پوری پوری داد تحقیق دی اور پوری جماعت پر عائد شدہ فریضہ کو دلائل قاطعہ اور براہین ساطعہ کے ساتھ انجام دے کر سب کو سبکدوش کر دیا جزاھم اللہ تعالےٰ عنا وعن سائر المسلمین احسن الجزاء وتقبّلہا اللہ تعالےٰ منھم قبولاً حسناً اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو صراط مستقیم پر استقامت کرامت فرمائے اور اس رسالہ متبرکہ نافعہ سے منتفع ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین

ویرحم اللہ عبدا قال آمینا۔

امام الفضلاء۔ سند الابرار۔ رئیس الحکماء۔ جامع الاصول والفروع۔ جامع المعقول والمنقول مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

۷۸۶

عزیز محترم مولانا سرفراز صاحب زادکم اللہ تعالیٰ علماً وعملاً وانجح مساعیکم للدین

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ گرامی نامہ میں آپ نے رشتہ تلمذ کا ذکر کیا۔ ماشاء اللہ آپ کے علمی کمالات کے سامنے اس کا تصور بھی مجھے نہیں ہو سکتا۔ اور ضعف سن اور غلبۂ نسیاں کا خدا بھلا کرے اس نے اس سب کو بھلا بھی دیا ہے۔ بہر حال آپ کی سابقہ تصانیف کو اجمالاً دیکھا تھا اور مرسلہ کتب تنقید متین اور تسکین الصدور کو کسی قدر تفصیلاً دیکھنے کی نوبت آئی۔ جوں جوں دیکھتا جاتا تھا دل سے دعائیں نکلتی تھیں کہ ماشاء اللہ تحقیق کا حق بھی پورا ادا کر دیا اور دوسروں پہ تنقید کا طرز بھی بہت اچھا اور متین ہے۔ آج کل کے انشا پردازوں یا واعظوں کی زبان اختیار نہیں کی۔ جس میں الزام تراشی اور فقرے کسنے کا جذبہ اصلاح کے جذبہ کو دبا دیتا اور بے اثر بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے علم اور حسن عمل اور اخلاص میں ترقیات لامتناہی عطا فرمائیں ؎

ہمچنیں می رو کہ زیبا می روی

یہ ناکارہ تو پہلے بھی ناکارہ ہی تھا اور اب تو ضعف سن اور ہجوم افکار نے کسی کام کا نہیں چھوڑا۔ اپنے چند رسائل جدیدہ بھیج رہا ہوں۔ دعاؤں میں کبھی احقر کو بھی یاد فرمایا کریں تو عنایت ہو یہاں ایک ضروری بات یاد آئی کہ آجکل کے پیش آنے والے نئے مسائل جو مشینی دور نے پیدا کر دیے ہیں اس طرح کچھ اور مسائل جو عوامی اور عمومی ضرورت اختیار کر چکے ہیں، ان کے متعلق احقر کی پرانی تجویز دیوبند کے زمانے سے یہ تھی کہ ایسے مسائل میں انفرادی فتووں سے اجتناب کیا جائے۔ اجتماعی صورت سے کسی نتیجہ پر پہونچکر جواب لکھے جائیں اگر باوجود بحث وتمحیص کے آپسمیں اختلاف بھی رہے تو اس اختلاف کو بھی معتدل صورت سے اسی فتویٰ میں واضح کر دیا جائے۔ دیوبند میں تو اللہ کے فضل سے اپنے اساتذہ موجود تھے اور سب کے بزرگ حضرت تھانوی قدس سرہ موجود تھے احقر نے کسی ایسے مسئلے میں ان حضرات سے استصواب کے بغیر قلم نہیں اٹھایا۔ پاکستان میں یہ میدان بالکل خالی نظر آیا جس سے کمر ٹوٹ رہی ہے مگر تاہم ضروری کام چھوڑے نہیں جا سکتے اس لیے بڑے پیمانے پر علماء کی رائیں جمع کرنے کی تو ہمت فرصت نہ نکل سکی۔

کراچی شہر میں علماء اہل فتویٰ کی ایک مجلس ہم نے مقرر کرلی ہیں جس میں مولانا محمد یوسف بنوری نیوٹاؤن کراچی سے مولانا مفتی رشید احمد مدرسہ اشرف المدارس سے اور ان کے دوسرے رفقاء اور اپنے دار العلوم کے چند اہل علم ماہ بماہ جمع ہو کر ایسے مسائل پر بحث وتمحیص کر کے کچھ لکھتے ہیں۔

اس سلسلے میں اس وقت تک مسائل ذیل مستقل رسالوں کی صورت میں تیار ہو چکے ہیں۔ اب ان کی اشاعت اس مقصد کے لیے کرنے کا ارادہ ہے کہ اپنے ملک اور بیرون ملک کے علماء کے پاس پہلے بھیجے جائیں ان حضرات کی آراء حاصل ہو جائیں تو ان کو شامل کر کے مکرر اشاعت عام کی جائے۔ رسائل یہ ہیں

تداوی باجزاء الانسان ۔ بیمہ زندگی ۔ پراویڈنٹ فنڈ۔ بلا سود کی بنکاری ۔ مشینی ذبیحہ ۔ مواقیت حج اور عمرہ ۔

ماشاء اللہ آپ کی وسعت نظر اور ذوق تحقیق کے پیش نظر دل تو یہ چاہتا ہے کہ اس مجلس میں بھی آپکی شرکت ہوتی تو بہتر تھا مگر بُعد بعید کی وجہ سے یہ نہ ہو سکا۔ اب یہ رسائل طبع ہوتے ہی میں آپ کے پاس بھیجوں گا۔ غور وفکر کے ساتھ دیکھ کر اپنی رائے ثبت فرمادیں۔ طباعت میں ظاہر ہے کہ کافی مدت لگے گی اس لیے یہ بھی ارادہ ہے کہ اگر اس درمیان کبھی لاہور وغیرہ کا سفر ہوا تو مسودات ساتھ لاؤں اور آپ کو دیکھنے کے لیے دوں۔ واللہ الموفق والمعین والسلام محمد شفیع دار الافتاء دار العلوم کراچی ۱۴

مجاہد حق گو۔ فاضل عصر۔ کامل دھر۔ صادق الاحوال حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۱ شعبان ۱۳۸۹ھ

بخدمت صاحب المجد والسعادۃ جناب مولانا سرفراز خان صاحب دامت برکاتہم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترم جناب مولانا عبد العزیز صاحب زاد اللہ فضلہ نے آپ کی لکھی ہوئی کتاب "تسکین الصدور" فی تحقیق احوال الموتیٰ فی البرزخ والقبور ھدیۃ دی۔ میں خود بھی اس کتاب کے انتظار میں تھا کتاب میں جو مسائل حقہ آپ نے جمع کی ہیں اور اہل سنت والجماعت کے صحیح مسلک وعقیدہ کی جو آپ نے ترجمانی کی ہے۔ اس کے آپ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

جمعیۃ علماء اسلام کے مجلس شوریٰ نے آپ پر پورے اعتماد کے ساتھ مسائل مذکورہ کی ترتیب و جمع

جو خدمت آپ کو سپرد کی تھی۔ یقیناً آپ اس اعتماد کے پورے اہل ہیں پاکستان میں اہل سنت والجماعۃ حنفی مسلمانوں کا عظیم غلبہ اور اکثریت ہے پاکستان میں دشمنانِ اسلام اعتزال وخارجیت کے فتنے پیدا کر رہے ہیں تاکہ پاکستان میں اہل سنت والجماعت حنفی مسلمانوں کی جو عظیم وحدت ہے اس کو توڑ دیا جائے اور آسانی سے مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالدیا جائے۔

علماء حق مسلمانوں کے ایمان کے محافظ ہیں۔ آپنے اس حفاظت کا پورا فریضہ ادا کیا۔ ہمارا پختون علاقہ جو کل کے کل اہل سنت والجماعت حنفی مسلمان ہیں آپ کی اس کتاب سے ان کو پوری تسکین ہوگی اللہ آپ کو جزاء خیر دے اور خدمتِ دین کی مزید توفیق عطا فرمائے۔ والسلام

سید گل بادشاہ امیر جمیعۃ علماء اسلام پشاور ڈویژن

اقامت گاہ سواریان طوطو ضلع مردان

امام المناظرین۔ صاحب الرأی الصائب۔ ذوالفہم الثاقب حضرت مولانا الحاج دوست محمد صاحب قریشی رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت مولانا زید مجدہٗ

سلام مسنون۔ جناب کی تصنیف شدہ تسکین الصدور بوساطت مولانا عبد العزیز صاحب پہنچی اس عاجز نے اس سے پہلے اسکے اہم مقامات کا مطالعہ کر لیا تھا جناب نے اس کتاب میں ہمارے اسلاف کی صحیح ترجمانی اور تشریح فرمائی ہے خدا تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے اور مسلمانوں کے لیے اسے مشعل راہ بنائے۔ ؎

این کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

فقیر دوست محمد قریشی صدر تنظیم اہل سنت پاکستان۔

عالم نحریر۔ فاضل بے نظیر۔ جامع العلوم النقلیہ والفنون العقلیہ۔ ذوالمجد الفاخر والفہم الباہر حضرت العلام مولانا المفتی احمد سعید صاحب عم فیضہم العمیم

هو الحي القيوم

ذوالمجد والکرم جناب مولانا صاحب مدظلہ،
السلام علیکم وعلیٰ من لدیکم۔ مزاج شریف۔

کتاب تسکین الصدور کے متعدد اور اکثر مقامات کا مطالعہ کیا الحمد للہ کتاب دفع دسائس کے لیے کافی اور

طمینان قلب کے لیے وافی ہے۔ منصف کے ہاتھ ایک مشعل ہدایت ہے اور متردد کے لیے برہان ساطع۔ بلاریب یہ کتاب اسم بامسمیٰ ہے۔ میں سفر پہ تھا اس لیے جواب میں تاخیر ہو گئی۔

والسلام خیر الختام احمد سعید عفی عنہ

از جامعہ عربیہ سراج العلوم سرگودھا

۲۲ر جنوری ۶۹ء

المجاہد الجلیل۔ مخزن محاسن الاخلاق۔ ناشر عقیدۃ الاکابر۔ ربیع ریاض الاسلام مقتدائے انام۔ ابو الاعجاز حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب کثر اللہ تعالیٰ امثالہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وکفٰی وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰی اما بعد: حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز صفدر کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ان کا علم و تقویٰ۔ علماء و صلحاء کے نزدیک مسلم ہے۔ جلّہ علماء نے موصوف کو اس مہتم بالشان امر کے لیے منتخب کیا۔ بحمد اللہ تسکین الصدور اہل انابت کے لیے اسم بامسمّٰی ثابت ہوئی۔ معاندین کے لیے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی اور حجۃ اللہ فی الارض کتاب اللہ آخری کتاب بھی باعث ہدایت نہیں ہوتی جو شخص بھی خصوصاً اہل علم غائرانہ مطالعہ کرے گا تو تہ دل سے یہی فیصلہ کرے گا کہ اہل علم اور طلباء کے لیے نعمت غیر مترقبہ ہے۔ حوالجات کا ذخیرہ موجود ہے۔ اور مستحکم دلائل اور واضح حجج سے مسئلہ حیاۃ انبیاء علیہم السلام کو مبرھن اور واضح فرمایا۔ اصول حدیث میں مہارت رکھنے والے علماء حضرت موصوف کو ہمیشہ داد تحسین دیے بغیر نہیں رہ سکتے اور طالبین حق کی گردن پر بہت بڑا احسان ہے۔ منصف اور منیب کے لیے وسیلہ ہدایت اور معاند اور مخالف کے لیے فزادہم اللہ مرضاً۔ من یہد اللہ فہو المہتد ومن یضللہ فلا ھادی لہٗ۔ یضل بہ کثیرا ویہدی بہ کثیرا وما یضل بہ الا المعاندین۔ وما ہو الا شفاء لما فی الصدور وہی شمس الضحٰی او بدر الدجٰی فی حیاۃ الانبیاء کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ۔ متکلمین محدثین اور فقہاء کے اقوال و آراء سے مسائل کو مدلل فرمایا۔ خداوند کریم باقیات صالحات کو قبول فرما کر مایۂ ثواب آخرت فرمائے اور قیامت تک اس کتاب مستطاب سے علماء اور طلباء کو مستفیض ہونے کی توفیق عنایت فرمائے۔

وما التوفیق الا باللہ العزیز الحکیم۔ وما ذالک علی اللہ بعزیز

صلی اللہ علیٰ من قال الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

راقم الحروف حفیظ الرحمٰن الشہیر محمد نذیر اللہ خان الدیوبندی الحنفی خطیب جامع مسجد حیات النبی گجرات
مسقطہ پنچوڑیاں من مضافات کاریاں من ملحقات گجرات ۱۰ محرم الحرام ۱۳۸۹ھ

عمدۃ الاقران والاماثل۔ ذوالمجد الفاخر والعلم الذاخر منطقۃ بروج الفضائل مطرح انظار السادۃ والافاضل قائد جمعیۃ علماء اسلام حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نفعنا اللہ تعالیٰ بعلمھم

الحمد للہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللہ وعلیٰ آلہ وصحبہ ھداۃ خلق اللہ فی احوال الموتٰی فی البرزخ والقبور اما بعد زیر نظر کتاب تسکین الصدور مصنفہ مخدوم محترم حضرت مولانا محمد سرفراز خان صاحب مدظلہ العالی کا بغور مطالعہ کیا۔

مولانا موصوف نے جمعیت علماء اسلام مغربی پاکستان کے فیصلہ کے مطابق اس کتاب کی تالیف کی ابتدا فرمائی اور مسودہ کی تکمیل کے بعد ملتان کے مجلس علماء کے ایک اجتماع میں اس مسودہ کو پڑھ کر سنایا۔ میں خود اس مجلس میں شریک تھا۔ بعض مقامات میں انہیں ترامیم کے لیے مشورہ بھی دیا جو مولانا نے بخوشی قبول فرمایا آخر منظوری کے بعد حضرت مولانا نے اسے پھر سے مرتب کر کے کتابت وطباعت کی زینت سے آراستہ فرمایا فجزاھم اللہ احسن الجزاء حضرت مولانا نے بالکل مثبت علمی انداز میں اہل السنۃ والجماعت کے متفقہ عقائد کو بڑی متانت اور سنجیدگی کے ساتھ کتاب وسنت اور اقوال فقہاء ومتکلمین امت کے جامع استدلالات سے مسلمانوں کے سامنے پیش فرمایا کسی مخالف کی تشخیص وتعیین یا اس پر تنقید وتنقیص سے کامل احتراز کیا۔ عبارت سلیس۔ صاف اور عمدہ اختیار کی گئی ہے۔ جس کے پڑھنے سے مطالب خودبخود ذہن میں ڈھلتے چلے جاتے ہیں میں اس دینی عظیم خدمت پر مولانا موصوف کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کر کے دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت کی اس تالیف کو قبول فرما کر عامۃ المسلمین کے لیے مفید بنائے اور اسے زائغین کی ہدایت کا ذریعہ بنا کر حضرت مولانا موصوف کی فلاح دنیوی ونجات اخروی کا سبب بنا دے۔ وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

محمود عفا اللہ عنہ خادم قاسم العلوم "ملتان" و
ناظم عمومی کل پاکستان جمعیۃ علماء اسلام
۲۶ ربیع الثانی ۱۳۸۶ھ

مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے متعلق دورِ حاضر کے

اکابر دیوبند کا مسلک

اور ان کا متفقہ اعلان

حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے کے بارے میں اکابر دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ عالم برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے۔ اور حیات دنیوی کے مماثل ہے۔

صرف یہ ہے کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس میں جو درود پڑھا جاوے بلا واسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین۔ اور متکلمین اہل سنت والجماعۃ کا مسلک ہے۔ اکابر دیوبند کے مختلف رسائل میں یہ تصریحات موجود ہیں۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تو مستقل تصنیف حیات انبیاء پر "آبِ حیات" کے نام سے موجود ہے۔

حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں ان کا رسالہ "المہند علی المفند" بھی اہل انصاف اور اہل بصیرت کے لیے کافی ہے۔ اب جو اس مسلک کے خلاف دعوے کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں۔ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

(۱) مولانا محمد یوسف بنوری عفا اللہ عنہ
مدرسہ عربیہ اسلامیہ کراچی ۵

(۲) مولانا عبدالحق عفی عنہ مہتمم دار العلوم
حقانیہ اکوڑہ خٹک

(۳) مولانا محمد صادق عفا اللہ عنہ،
سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ بہاولپور

(۴) مولانا ظفر احمد عثمانی، عفا اللہ عنہ
شیخ الحدیث دار العلوم الاسلامیہ ٹنڈو الہ یار

(۵) مولانا شمس الحق عفا اللہ عنہ
صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان

(۶) مولانا محمد ادریس کان اللہ لہٗ
شیخ الحدیث جامعہ اشرفیہ لاہور

(۷) مولانا مفتی محمد حسن مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور (۸) مولانا رسول خاں عفا اللہ عنہ جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور (۹) مولانا مفتی محمد شفیع عفی اللہ عنہ مہتمم دار العلوم کراچی

(۱۰) مولانا احمد علی عفی عنہ امیر نظام العلماء و امیر خدام الدین لاہور (تلک عشرۃ کاملۃ)

(ماہنامہ پیام مشرق لاہور جلد ۳ شمارہ ۴ ربیع الاول ۱۳۸۰ھ / ستمبر ۱۹۶۰ء)

س کتاب کے موضوع کے مناسب چند اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کا ایک تازہ استفتاء اور اس کا جواب افادۂ عوام کے لیے شامل کیا جا رہا ہے جو درج ذیل ہے۔

بخدمت اکابرین دیوبند کے جانشینان کرام متعنا اللہ تعالیٰ بطول بقائکم بالخیر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ ——— عرض یہ ہے کہ آج کل بعض حضرات ① انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد حیات برزخی جسمانی کا انکار کرتے ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسدِ اطہر میں بھی کسی حس و حرکت کے قائل نہیں ہیں اور نہ ہی روضہ پاک پر سلام عرض کرنے والے کے سلام سننے کے قائل ہیں اور ساتھ ہی اس خیال کو اکابر دیوبند کا مسلک بتاتے ہیں ② عالم برزخ میں ثواب و عذاب کا تعلق صرف روح سے مانتے ہیں جسم عنصری پر عذاب و عتاب کے قائل نہیں ہیں اور اسے دیوبندی مسلک قرار دیتے ہیں۔ ③ ذوات انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ وسیلہ پکڑنے کو صحیح نہیں سمجھتے اور اسے بزرگان دیوبند کا مسلک سمجھتے ہیں ④ سماع موتیٰ کے قائل ہونے کو شرک کی بنیاد قرار دیتے ہیں اور اپنے آپ کو دیوبندی کہلواتے ہیں سوال یہ ہے کہ آپ حضرات جو مسلک دیوبند کے ترجمان ہیں اور بزرگان دیوبند کے سابقین اولین سے براہ راست مستفیض اور مستفید ہونے والے ہیں بہ وضاحت فرماویں کہ مندرجہ بالا خیالات رکھنے والے صاحبان مسلک دیوبند سے منسوب و منسلک ہو سکتے ہیں یا نہیں، اور کیا اکابرین دیوبند کا یہی مسلک تھا یا یہ ان کی ذاتی آراء ہیں اور بزرگان دیوبند کے مسلک سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

بیّنوا توجروا، السّآئلون

حضرت مولانا (خان محمد) صاحب خانقاہ سراجیہ، نزد کندیاں ضلع میانوالی ——— مولانا محمد رمضان) صاحب مہتمم مدرسہ تبلیغ الاسلام میانوالی ——— حافظ (سراج الدین) صاحب کلورکوٹ

الجواب وباللہ التوفیق

مسائل مستفسرہ میں بزرگان دیوبند کا مسلک صاف اور واضح ہے اور اس سے قبل بھی بار بار اس کی اشاعت ہو چکی ہے۔ نیز علماء دیوبند کے مختلف اور متعدد تصانیف میں مکرر سہ کرر اسے بیان فرمایا گیا ہے اور وہ کتابیں عام و خاص میں معروف و مشہور ہیں مثلاً (۱) آب حیات (۲) جمالِ قاسمی (۳) نشر الطیب (۴) الشہاب الثاقب، (۵) المصالح العقلیہ (۶) فیض الباری (۷) المہند علی المفند (۸) اور متفقہ اعلان وغیر ذلک (۹) حیوٰۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ الخ ——— چنانچہ المہند علی المفند میں بجواب سوال خامس صاف طور پر بیان کیا گیا ہے کہ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کی یہ حیوٰۃ عام مومنین یا عام لوگوں کی طرح برزخی ہی نہیں ہے بلکہ عالم برزخ میں دنیوی (جسمانی) ہے مگر مکلف بالاعمال نہیں ہیں اور یہ

www.Ahnaf.com

حیات حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور جمیع انبیاء علیہم السلام کے خصوصیات میں سے ہے۔

واضح رہے کہ اس مضمون پر علماء دیوبند کے طبقہ اولیٰ وعلیا کے تقریباً تمام اکابرین کے دستخط موجود ہیں مثلاً شیخ الہند حضرت تھانویؒ، مفتی عزیز الرحمٰنؒ، حضرت شاہ عبدالرحیمؒ اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ نے تو یہ مضمون خود ہی تحریر فرمایا ہے ——— ب ——— اسی طرح تقسیم ہند کے تھوڑے ہی عرصہ بعد جب اس مسئلہ حیوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق بعض صاحبان کی تقریروں اور تحریروں سے بزرگان دیوبند کا مسلک مشتبہ ہونے لگا تو اس وقت کے اکابر علماء نے بھی متفقہ اعلان کے نام سے اپنی دستخطوں سے ایک تحریر شائع کر کے مسلک دیوبند کی وضاحت فرمائی چنانچہ اس وقت بھی وہ مقام حیات از مولانا خالد محمود اور دوسرے رسائل میں مطبوع ہے۔ اس میں بہ صفائی سے لکھا گیا ہے کہ ——— حضرت اقدس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب انبیا کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں علماء دیوبند کا مسلک یہ ہے کہ وفات کے بعد وہ اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور ان کے ابدان مقدسہ بعینہا محفوظ ہیں اور جسد عنصری کے ساتھ برزخ میں ان کو حیات حاصل ہے اور حیات دنیوی کے مماثل ہے صرف یہ کہ احکام شرعیہ کے وہ مکلف نہیں ہیں۔ لیکن وہ نماز بھی پڑھتے ہیں اور روضۂ اقدس پر جو درود شریف پڑھے وہ بلاواسطہ سنتے ہیں۔ اور یہی جمہور محدثین اور متکلمین اہل السنۃ والجماعۃ کا مسلک ہے ——— اب جو اس مسلک کے خلاف کرے اتنی بات یقینی ہے کہ ان کا اکابر دیوبند کے مسلک سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ ——— اس متفقہ اعلان پر مرحومین حضرات میں سے حضرت مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ خلیفہ اجل حضرت تھانویؒ، حضرت مولانا رسول خانصاحب سابق اعلیٰ مدرس دارالعلوم دیوبند اور حضرت مولانا ظفر احمد عثمانیؒ مؤلف اعلاء السنن ورحمۃ القدوس وغیرہ کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

عذاب قبر:۔ ہمارے اور ہمارے مشائخ کے نزدیک قبر میں ثواب وعتاب کا تعلق روح اور جسم دونوں کے ساتھ رہتا ہے اور جسم سے جسم عنصری مراد ہے نہ کہ جسم مثالی جو کہ حقیقی جسم نہیں ہے۔ بلکہ عالم مثال کے آئینہ میں جسم کا ایک عکس ہے کما صرح بہ المجددؒ الالف الثانیؒ اور جیسا کہ کتب فقہ وعقائد میں مذکور ہے کہ ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذالک یحصل لروحہ وبدنہٖ (کتاب الروحؒ) یہی اکابرین دیوبند کا مسلک ہے۔

توسل بالانبیاء والصلحاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ——— توسل بالانبیاء علیہم السلام بھی بزرگان دیوبند کے نزدیک جائز ہے المہند علی المفند ص۲۸ مطبوعہ جہلم۔ نشر الطیب للعلامۃ التھانویؒ اور الشہاب الثاقب للشیخ المدنیؒ میں اس کی تصریح موجود ہے علامہ آلوسی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کریمہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ کے تحت توسل بالمقبولین کو جائز قرار دیا ہے اور تصریح کی ہے کہ اس کا مآل بھی توسل بالصفات ہی

ہے۔ کانہ یقول برحمتك وفضلك علی فلان ادعوا منك هذا اھ۔

سماع موتی:۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے کتاب الروح میں فرمایا ہے وهذا السلام (ای السلام عند زیارۃ القبور) والخطاب والنداء لموجود یسمع ویعقل ویرد السلام وان لم یسمع المسلم الرد والسلف مجمعون علی هذا وقد تواترت الآثار عنهم بأن المیت یعرف الحی ویستبشر به ـــــ ہمارے مشائخ بھی فی الجملہ سماع موتی کے قائل ہیں جیسا کہ فیض الباری للعلامۃ الکشمیریؒ وغیرہ میں ہے اور اسے ہرگز شرک کی بنیاد قرار نہیں دیتے۔ جو لوگ ان مسائل میں کچھ اور رائے رکھتے ہوں وہ کچھ بھی ہوں بہرحال مسلک دیوبند سے ان کا تعلق نہیں ہے انہیں بزرگانِ دیوبند کی طرف غلط نسبت نہیں کرنی چاہیئے ـــ واضح رہے کہ بزرگانِ دیوبند کے یہ نظریات بحمداللہ قرآن وسنت اور سلف صالحین کی تصریحات کے عین مطابق ہیں ـــ سائلین کو چونکہ صرف مسلک دیوبند کا تعین اور تشخص مقصود تھا اس لیے صرف مسائل کے بیان پر اکتفاء کیا گیا دلائل سے تعرض نہیں کیا گیا۔ واللہ یقول الحق وهو یهدی السبیل

کاتب الحروف عبدالکریم عفی عنہ
بحکم سیدی حضرت افغانی مدظلہ

دستخط ومہر
مولانا شمس الحق افغانی عفا اللہ

دستخط ومہر
مولانا محمد یوسف بنوریؒ

احمد الرحمٰن عفی عنہ

ولی حسن عفی عنہ

از احقر جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ لاہور

مولانا افغانی زید معالیہم کا املائی جواب حق وصواب ہے۔ چاروں مسئلوں میں علمائے دیوبند کا یہی مسلک ہے بلکہ ④ کل اہل السنت والجماعت کا اجماعی یہ مسئلہ ہے۔ عدم حیات کا قول تو صرف بعض معتزلہ اور رافضیہ کا ہے۔ اہل حق میں سے کسی کا نہیں البتہ اہل السنت والجماعۃ میں تین قول ہیں (۱) حیات من وجہ کا مسلسل رہنا (۲) منقطع ہو کر عود کرنا پھر منقطع ہو کر عود کرنا (۳) منقطع ہو کر عود کرنا اور تاقیامت رہنا مگر یہ اختلاف ترجیح [illegible] باطل کا نہیں ہے اور معتزلہ سے حق و باطل کا اختلاف ہے چونکہ عذابِ قبر تواتر سے ثابت ہے اور بغیر حیات ثواب و عقاب نہیں ہو سکتا اس لیے حیاتِ قبری ہر انسان کے لیے اس قدر یقینی و متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جس سے عذاب و ثواب کا ادراک ہو جاتا ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست" فتاوی عزیزی ج۱ ص ۹۳، بحذف دلائل تفصیلی دلائل وہاں ہیں ② جمہور امت کے نزدیک قول اصح جسم اور روح دونوں کو عذاب ہوتا ہے اور عذابِ قبر اس کے متواتر ثبوت کی دلیل ہے کیونکہ عذابِ قبر اسی کو ہوتا ہے جو قبر میں ہو۔ اگر قبر میں فقط جسم ہو تو نہ عذاب ہے اور نہ ثواب کہ وہ ادراکات سے خالی ہے اور صرف

روح قبر میں ہو جسم نہ ہو یہ ظاہر ہے کہ باطل ہے لہذا دونوں پر عذاب ہوگا، عذاب قبر سے صرف عذاب برزخ مراد لینا عذاب قبر کا انکار بنے گا قبر خاص ہے برزخ (جو موت سے قیامت تک کا زمانہ ہے) عام ہر قبر تو برزخ ہے مگر برزخ ہر ایک قبر نہیں جو عام خاص کا خاصہ ہے اگر عذاب قبر ہو تو عذاب برزخ ہے۔ عذاب برزخ عذاب قبر نہیں اگر صرف، روح کو عذاب مانا گیا تو وہ قبر میں نہیں ہوگا تو عذاب قبر نہ ہوا گو عذاب برزخ ہوگا یہ انکار متواتر کا ہے۔ ③ وسیلہ اس کی ذات سے ہو تو بے اصل ہوگا لیکن حق تعالیٰ کی ایسی صفت سے ہو جس کا تعلق اس سے ہے مثلاً محبت و نسبت وغیرہ پھر تو وسیلہ صورۃً گو ان سے کیا جا سکے حقیقۃً اللہ تعالیٰ کی صفت سے ہے اس کو ناجائز کون کہہ سکتا ہے فقط حدیث شریف میں انبیاء سے توسل آیا ہوا ہے بعیسٰی روحك و موسٰی نجیّك او کما قال النبی حدیث ہے ④ میں ہمارے بزرگوں نے احتیاط کی ہے کہ صحابہ میں اختلاف رہا ہے ایسا نہ ہو دوسروں کی بے تعظیمی ہو جائے مگر مدار اس کا حیات پر ہے اگر حیات بقدر ادراک عذاب و ثواب ثابت ہو، تو سماع بھی ثابت ہے اور تمام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حیات بقدر ادراک نعم و نقم ثابت ہے حیات کے لیے سماع لازم ہے یہی بات علامہ سیوطیؒ نے اس کو سوال و جواب کر کے نظم بھی کیا ہے جس میں یہ شعر بھی ہے (الحاوی ج۲ ص۱۷۴)۔

سماع موتیٰ کلام الخلق معتقد
جاءت بہ عندنا الآثار فی الکتب

یعنی جمہور امّت کا عقیدہ ہے احادیث قریب بمتواتر دلالت کرتی ہیں مثلاً احادیث سلام احادیث معرفت قاتل وغیرہ احادیث تلقین جو بکثرت وارد ہیں اور مجموعہ متواتر بن جاتا ہے اس لیے حضرت شاہ صاحب سرخیل علماء ہند کا ہی فتویٰ راجح و قوی صحیح ترین معلوم ہوتا ہے۔ اور علماء دیوبند وہی اعتقاد رکھتے ہیں جو ان اسلاف کا تھا اور چودہ سو سالہ اسلاف کا ہے۔

مہر و دستخط
جمیل احمد تھانوی مفتی جامعہ اشرفیہ فیروزپور روڈ لاہور ۱۳ رمضان ۱۴۰۶ھ

شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحبؒ کا مسلک

ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ستمبر ۱۹۵۹ء صفحہ ۱۰۵ میں ایک مفصل استفتاء ہے۔ جس کی پانچ شقیں ہیں۔ جن میں دو یہ ہیں۔ نمبر ۴ آیا روح مبارک کا تعلق بدن پاک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہے، یا نہیں؟ نمبر ۵ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع عند القبر احناف اور علماء دیوبند کے نزدیک ثابت ہے یا نہیں؟ جو جواب تحریر فرمایا جائے اس پر حضرت مولانا غلام اللہ خاں صاحب کے دستخط ضروری ہیں: تاکہ معلوم ہو جائے کہ اُن کی اور اُن کی جماعت کی اس مسئلہ میں کیا تحقیق ہے؟

(السائل عمر حیات شاہ ۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ)

الجواب واللہ الموفق للصواب (پہلی تین شقوں کا جواب سُننے کے بعد) ۴ تعلق باقی ہے چنانچہ فتح العزیز کی عبارت مذکورہ میں مصرح ہے و تعلقے بہ قبر نیز ارواح رامی باشد۔ قبر کے ساتھ تعلق باقی ہے تو اجساد کے ساتھ خود باقی ہے اور فقہاء کرامؒ نے بھی تصریح کی ہے کہ تنعم وغیرہ میں اجساد کو بھی شمولیت ہے اور وہ اسی بقاءِ تعلق پر مبنی ہے۔ البتہ اس تعلق کی کیفیت ہمیں معلوم نہیں ہے اور نہ یہ ثابت ہے کہ یہ تعلق مثل تعلق دنیا کے ہے۔

۵ کئی اکابر علماء نے اپنی تحریروں میں تصریح کی ہے کہ عند القبر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا سماع بلا شبہ ثابت ہے، خصوصاً سید الانبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام بہت بلند ہے اور آپ کے سماع میں تو کوئی شبہ ہی نہیں۔ بلفظہ

عبدالرشید مفتی دارالعلوم تعلیم القرآن راولپنڈی ۲۷ صفر ۱۳۷۹ھ
الجواب صحیح لاشئے غلام اللہ خان

مہر دارالافتاء

جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری گجراتی کا اپنا فتویٰ

تسکین الصدور ص ۲۸۳ و ص ۲۸۴ میں ہم نے ماہنامہ تعلیم القرآن ماہ جولائی اگست ۱۹۶۰ء ص ۳۲ کے حوالہ سے جناب شاہ صاحب کا فتویٰ نقل کیا ہے۔ جس پر پچاس علماء کرام کی تصدیقات موجود ہیں۔ اس فتوے کے آخر میں ہے۔ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

اور خصوصاً سید الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو بعد الموت سب سے اعلیٰ وارفع اجمل وافضل حیات برزخیہ عطا فرمائی گئی یہ جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے اس پہ کتاب اللہ احادیث صحیحہ اور ارشادات صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم شاہد ہیں بلفظہ

عنایت اللہ شاہ بخاری عفی عنہ مسجد جامع گجرات

حضرات علماء دیوبند کے نزدیک یہ حیات دنیویہ برزخیہ ہے دنیویہ تو اس لیے کہ روح مبارک کا تعلق اس جسد اطہر سے ہے جو آپ کو دنیا میں حاصل تھا گو وہ حیاتِ اہل دنیا کے ادراک و شعور سے بالاتر ہے اور وَلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ کا مصداق ہے اور برزخیہ اس لیے ہے کہ برزخ میں ہے ظاہر امر ہے کہ یہ حیات روح کی تو ہرگز ہو نہیں سکتی کیونکہ روح پہ تو موت نہیں آتی موت تو جسم پہ وارد ہوتی ہے اور یہ حیات برزخیہ بقول جناب شاہ صاحب کتاب اللہ (یعنی بَلْ اَحْیَاءٌ الآیۃ) اور احادیث صحیحہ (مثلاً فتعاد روحہ فی جسدہ وغیرہ) اور ارشادات حضرات صحابہ کرامؓ سے ثابت ہے اور یہی جمہور اہل السنت والجماعت کا مسلک ہے جب حیات ثابت ہے تو اسی حیات کی وجہ سے اہل اسلام عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کے قائل ہیں اور اسی بات کو حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ یوں بیان فرماتے ہیں۔ "مگر انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے سماع میں کسی کو اختلاف نہیں اھ (فتاویٰ رشیدیہ ص۱۰۱ ج۱ طبع دہلی)۔ اور یہ بات حکیم الامت حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ کے ہاں بھی مسلّم ہے۔ کیونکہ روضہ مبارک پہ جو درود شریف پڑھا جاتا ہے وہ بالاتفاق بلا واسطہ حضورؐ پہ پیش ہوتا ہے اور آپ اس کو سنتے اور جواب دیتے ہیں اھ ملاحظہ ہو امداد الفتاویٰ ص۱۱۲ ج۵ اور اسی کے بارے ماہنامہ تعلیم القرآن بابت ماہ اگست ۱۹۶۲ء ص۱۸ میں ہے

باقی رہا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس صلوٰۃ وسلام کے سماع کا مسئلہ تو اس میں فریقین کے درمیان قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا الخ تو ہماری گذارش ہے کہ اس اتفاقی مسئلہ میں اختلاف پیدا کرنا چھوڑ دیں اور جرأت کا مظاہرہ کریں۔ راقم اثیم بھی پہلے جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کی مجلس عاملہ کا رکن تھا جناب۔ شاہ صاحب بخاری گجراتی کے غلو کی وجہ سے الگ ہوا ہے اس دیرینہ تعلق کی بناء پر جمعیۃ اشاعۃ التوحید والسنۃ کے بزرگوں سے پُر زور اپیل ہے کہ جمہور اہل اسلام اور اہل السنت والجماعت کے مدلل بالکتاب والسنۃ اور منصور بالبراہین

مسلک کو ترک نہ کریں اور تمام مصلحتوں سے بالاتر ہو کر حق بات کہنے کا واشگاف اعلان کریں ہماری قلبی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست کی توفیق مرحمت فرمائے مگر ؎

تغافل ان کی عادت ہے مناجاتیں مرا شیوہ　　نہ وہ طرزِ ادا بدلے نہ میں رنگِ دعا بدلا
زمانہ معترف ہے اب ہماری استقامت کا　　نہ ہم سے قافلہ چھوٹا نہ ہم نے رہنما بدلا

دیباچہ

(طبع دوم)

مبسملاً و محمدلاً و مصلیاً

تسکین الصدور لکھنے کی وجہ؟

اس کتاب کے معرض وجود میں آنے کی وجہ اجمالی طور پر طبع اول میں مذکور ہے مگر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قدرے تفصیل سے اس کی وجہ عوام کے سامنے عرض کر دی جائے تاکہ آنے والی نسلوں کو بھی اس کا علم ہو سکے اور بات کی تہ تک پہنچنا ان کے لیے آسان ہو۔

(۱) چند سال ہوتے ہیں کہ پاکستان کی زرخیز زمین میں بعض حضرات نے بزعم خود توحید کے نشہ سے سرشار ہو کر کچھ ایسے نظریات اپنا رکھے ہیں جو اہل السنۃ والجماعۃ کے مسلک کے خلاف ہونے کے ساتھ ساتھ اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کی تصریحات کے بھی سراسر خلاف ہیں لیکن وہ حضرات محض سینہ زوری کے ساتھ اپنے ان نظریات کو علماء دیوبند کے نظریات بتانے اور باور کرانے کے درپے ہیں اور برملا وہ جلسوں میں ان کی خوب تشہیر کرتے ہیں اور اس طریق کو وہ بزعم خویش توحید کا ایک حصہ یا شرک کے رد کا بہترین ذریعہ قرار دیتے ہیں اور بقول ان کے ان نظریات کی نشر و اشاعت نہ کرنے سے قوم کے شرک میں مبتلا ہو جانے کا شدید خطرہ ہے لہذا اس میں مداہنت کسی طرح بھی روا نہیں ہے اور بالعموم وہ انہی نظریات کی تبلیغ و تشہیر کو اپنی مستعار اور فانی زندگی کا عظیم مقصد سمجھتے ہیں اور اسی کے لیے ہمہ تن وہ کوشاں رہتے ہیں ان کے بعض نظریات یہ ہیں۔

(۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر کے ساتھ قبر شریف میں کوئی تعلق نہیں (معاذ اللہ تعالیٰ) ہاں دیگر حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی طرح آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وآلہ وسلم کا جسد اطہر قبر مبارک میں بالکل محفوظ ہے۔

(۲) آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام وغیرہ کا سماع نہیں فرماتے ہاں خرقِ عادت کے طور پر جیسے اللہ تعالےٰ پتھروں کو سنا سکتا ہے ویسے ہی آپ کو بھی سنا دے تو جدا بات ہے (معاذ اللہ تعالیٰ)

(۳) عند القبر صلوٰۃ وسلام کے سماع کی جتنی حدیثیں ہیں وہ ان کے خیال میں موضوع اور جعلی اور کم از کم ضعیف ہیں جن کا کوئی اعتبار نہیں ہے (العیاذ باللہ تعالیٰ)

(۴) الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون۔ کی حدیث ان کے نزدیک باطل۔ نہایت ضعیف اور بے اصل ہے ان کے نزدیک تو حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں اور نہ نمازیں پڑھتے ہیں۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ان کے نزدیک یہ ساری کاروائی ارواح کرتی ہیں۔ اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اجساد عنصریہ کا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

(۵) قبر میں ثواب وعذاب کا تعلق صرف روح سے وابستہ ہے بدن عنصری کا اس سے کوئی واسطہ نہیں اور اگر بدن تسلیم بھی کیا جائے تو بدن مثالی ہے (جسے ان کے وکیل نفس ناطقہ اور نسمہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ندائے حق ص۲۱۲) بدنِ خاکی وعنصری ہرگز نہیں۔

(۶) عند القبور عام مُردوں کے سماع کا نظریہ ان کے نزدیک مشرکانہ نظریہ اور خیال ہے اور سماع الموتٰی کا قائل ان کے خیال میں مشرک ہے اور اقل درجہ یہ ہے کہ بذریعہ شرک ہے۔

(۷) آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم یا امت میں سے کسی بزرگ شخصیت کے طفیل وسیلہ برکت اور حرمت وغیرہ سے دعا کرنا ھٰؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِندَ اللّٰہ کا مصداق ہے جو حرام اور خالص شرک ہے اور انہی نظریات کی الاقوال المرضیہ۔ شفاء الصدور۔ ندائے حق اور اقامت البرہان وغیرہ میں تائید کی گئی ہے اور بخیال خویش ان کو مبرہن کیا گیا ہے مگر یہ نظریات اہل السنت والجماعت کے نظریات کے سراسر خلاف ہیں اب اگر انہوں نے کُلًّا یا بعضًا ان نظریات سے رجوع کر لیا ہو تو ہمیں علم نہیں اور اللہ تعالیٰ کے ہاں توبہ کا دروازہ ہر وقت کھلا ہے لیکن پہلے ان کے یہی نظریات تھے

پاکستان کی مشہور دینی مدرسہ خیر المدارس کے سالانہ جلسہ پر ان میں سے بعض حضرات نے اپنے

نظریات کی تبلیغ شروع کر دی جس کا اسی موقع پر شدید ردِ عمل ہوا اور حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اکابر کی تائید کرتے ہوئے علمی طور پر باحوالہ جلسۂ عام میں ایسے غلط نظریات کی تردید کر دی جس سے ان نظریات کے بعض حاملین حضرات کو بہت ہی صدمہ ہوا اور یہ تردید انہیں سخت ناگوار گذری اور اس کارروائی کو انہوں نے اپنی ذاتی توہین سمجھ کر پھر اپنے نظریات کی برملا ہر جگہ تشہیر شروع کر دی۔

③ اس راقم اثیم سے لے کر مرکزی اکابر تک بعض بزرگوں نے اس معاملہ کو سلجھانے اور عوام کو افتراق سے بچانے کے لیے حتی الوسع کوشش کی مگر صد افسوس ان حضرات پر اس کا کچھ اثر نہ ہوا اور معاملہ بجائے سلجھنے کے مزید الجھ کر رہ گیا حتیٰ کہ فخر الاماثل رئیس المتکلمین الحاج الحافظ القاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم مہتمم دار العلوم دیوبند کی علمی اور مرکزی طور پر بین الاقوامی شخصیت کو درمیان لایا گیا اور حضرت نے راولپنڈی میں طرفین کے ذمہ دار حضرات سے ذیل کی تحریر پر دستخط لے کر صلح کرا دی اور تشتت و افتراق سے بچنے کی یوں تلقین فرمائی کہ

> عامۂ مسلمین کو فتنہ نزاع و جدال سے بچانے کے لیے مناسب ہوگا کہ مسئلۂ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سلسلہ کے ہر دو فریق کے ذمہ دار حضرات عبارت ذیل پر دستخط فرمائیں یہ مسئلہ قدر مشترک ہوگا ضرورت پڑنے پر اسے ہی عوام کے سامنے پیش کر دیا جائے تفصیلات پر زور نہ دیا جائے۔ عبارت مجوزہ حسب ذیل ہے۔

وفات کے بعد نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسد اطہر کو برزخ (قبر شریف) میں بہ تعلق روح حیات حاصل ہے اور اس حیات کی وجہ سے روضۂ اقدس پر حاضر ہونے والوں کا آپ صلوٰۃ و سلام سنتے ہیں۔

احقر محمد طیب (راولپنڈی)
نور محمد قلعہ دیدار سنگھ

محمد علی جالندھری عفا اللہ عنہ ۔ لاشئ غلام اللہ خان

۱۸ محرم ۱۳۸۲ھ ۔ ۲۲ جون ۱۹۶۲ء

الغرض مصالحت کی یہ دستاویز پایۂ تکمیل کو پہنچ گئی اور معاملہ فریقین میں طے ہو گیا تو اس مسئلہ کو اٹھانے والے بزرگ کو جب اس کا علم ہوا تو وہ آپے سے باہر ہو گئے اور اس معاہدہ کو منسوخ کرانے کے لیے اپنے بعض

دوستوں کے ساتھ لاہور پہنچے جہاں حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم ہندوستان جانے کے لیے تیار تھے چونکہ حضرت کو اپنے پروگرام کے مطابق دیوبند پہنچنا تھا اور مزید ٹھہرنے کی گنجائش نہ تھی اور ان میں سے بعض حضرات کو اس تحریر کو منسوخ کرانے پر شدید اصرار تھا اس لیے بات طے نہ ہو سکی البتہ حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب دامت برکاتہم نے یہ فرمایا کہ میری سمجھ میں جو بات آسکتی تھی وہ میں کر چکا ہوں اگر مزید آپ کچھ کرنا اور کہنا چاہتے ہیں تو حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کی طرف مراجعت کریں جو یہاں پاکستان ہی میں رہتے ہیں یہ فرما کر حضرت مہتمم صاحب دامت برکاتہم دیوبند تشریف لے گئے۔

(۴) اس کے بعد پھر اس سلسلہ کا اجتماع ملتان میں ہوا اور وہاں کچھ ایسی ناگفتنی باتیں اور نامناسب کاروائیاں ہوئیں کہ شرم وحیا بھی سر پیٹ کر رہ جائے چونکہ معاملہ کو کھٹائی میں ڈالنا مقصود تھا اس لیے کامیابی نہ ہوئی اور معاملہ جوں کا توں الجھاؤ میں رہا اور تحزّب وافتراق کا یہ دروازہ بند نہ ہو سکا۔ فالی اللہ المشتکیٰ

(۵) ارباب علم وبصیرت تو ان تمام مسائل کی شرعی اور فقہی حقیقت کو جانتے ہی تھے لیکن طلبہ کرام اور عوام شش وپنج میں مبتلا تھے کہ دونوں طرف مولوی ہیں اور اپنے کو دیوبندی کہلاتے اور دیوبندی مسلک سے وابستہ بتاتے ہیں اور ان مسائل میں ان کے بیانات بالکل متضاد ہیں اب ہم کہاں جائیں؟ اور کس کو حق پر سمجھیں؟ اور کس نظریہ اور عقیدہ کو اپنائیں؟ اور کس نظریہ کو اکابر کے مسلک کے عین مطابق اور کس کو مخالف سمجھیں؟ اس مجبوری کے پیش نظر جمعیۃ علماء اسلام کا لاہور میں ایک عظیم اجتماع ہوا جس میں تمام صوبوں کے سینکڑوں حضرات علماء کرام موجود تھے۔ انہوں نے پانچ افراد کی ایک کمیٹی بنائی اور اس کا ناظم راقم اثیم کو بنایا (جس کی بقدر ضرورت تفصیل سخنہائے گفتنی طبع اول میں موجود ہے) اور ان مذکورہ بالا مسائل پر باحوالہ دلائل کے ساتھ کتاب مرتب کرنے کا فریضہ اس کوتاہ علم وفہم کے سپرد کیا گیا راقم اثیم نے انتہائی مصروفیت اور بے بضاعتی کے پیش نظر مسودہ تیار کیا اور پھر ملتان میں علماء کرام کی نمائندہ مجلس میں پیش ہوا جس کا نام تسکین الصدور تجویز ہوا اور بحث ومباحثہ کے بعد وہ اس مجلس میں متفقہ طور پر منظور ہوا اور پھر کتابی شکل میں معرض وجود میں آیا۔ جس کا طبع اول قارئین کرام اس سے قبل پڑھ چکے ہیں اور طبع دوم آپ کے ہاتھوں میں ہے

(۶) تسکین الصدور کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد دوسرے فریق کی طرف سے اس پر خاصی برہمی ہوئی اور اس کا اُبال تسکین القلوب، ندائے حق اور اقامۃ البرہان وغیرہ کی شکل میں جوش مار کر نکلا مگر حق آخر حق ہوتا ہے اس کو تسلیم کیے بغیر بھی کسی باضمیر کے لیے چارہ نہیں بشرطیکہ کوئی ماننا چاہے چنانچہ صاحب تسکین القلوب نے حق تسلیم

کیا ہے جس کا بیان آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ مگر بقیہ حضرات کو حق ماننے کی ابھی توفیق نہیں ہوئی ہماری قلبی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو بھی حق قبول کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے آمین۔

(۷) علم غیب تو صرف پروردگار کو ہے لیکن قرائن و شواہد کی روشنی میں یہ کہنا بے جا نہیں کہ تسکین الصدور کے جواب کے لیے دوسری جانب کے بزرگوں میں بحث و تمحیص کے بعد حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب دام مجدہم کو آمادہ کیا گیا کہ وہ پرانے مدرس اور محقق عالم ہیں وہ علمی رنگ میں اس کا خوب رد کریں گے لیکن جب قاضی صاحب کی کتاب سامنے آئی تو نیلوی صاحب وغیرہ دوستوں کی پریشانی کی کوئی حد نہ رہی اور بالکل ان کی یہ حالت ہو گئی کہ نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن اور سب حیران ہو گئے کہ بن کیا گیا ہے نہ اگلتے بنے اور نہ نگلتے کیونکہ جناب قاضی صاحب نے اپنی کتاب تسکین القلوب میں اصولی اور بنیادی طور پر وہ سب مسائل تسلیم کر لیے ہیں جو تسکین الصدور میں درج تھے جیسا کہ آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ مؤلف ندائے حق اور ان کے مشیروں نے راقم کو سامنے رکھ کر اور بظاہر تسکین الصدور کو نشانہ بنا کر در حقیقت تردید محترم جناب قاضی صاحب کی تسکین القلوب کی کی ہے۔ جب انہوں نے محسوس کیا کہ غیر تو اپنے نہ بن سکے اور اپنے بھی ہاتھ سے نکل گئے تو اس کوفت کی وجہ سے ان کا پارہ چڑھ گیا اور یہی وجہ ہے کہ ندائے حق میں ان کا لہجہ خاصا ترش ہے اور ندائے حق ص۵۶ میں تسکین القلوب کا حوالہ دیا گیا ہے جو اس امر کا واضح قرینہ ہے کہ یہ ندائے حق سے پہلے کی تالیف ہے اور مصنف ندائے حق نے اس کو بخوبی دیکھا ہے۔

دیوبند کا فتویٰ

اسی زمانہ میں ایک صاحب نے اپنی تسلی کے لیے مرکز علوم اسلامیہ دار العلوم دیوبند ایک استفتاء بھیجا تھا جس کا باحوالہ جواب آیا اور اس وقت کے دینی رسائل میں وہ طبع بھی ہوا جس پر پاکستان کے بعض جلیل القدر علماء کرام کے دستخط بھی ثبت ہیں وہ استفتاء مع جواب یہ ہے:

استفتاء ۱۹۹۶ یہ عقیدہ رکھنا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک علیین میں ہے آپ کا اپنی قبر اور جسد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے لہذا آپ کی قبر پر درود.. وسلام پڑھا جائے تو پڑھنے والے کو ثواب ملتا ہے لیکن آپ سنتے نہیں کیا ایسا عقیدہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور غلط ہونے کی صورت میں بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟ اور ایسے عقیدہ والے کی امامت کا کیا حکم ہے؟ بینوا توجروا

الجواب :- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود اور حیات ہیں آپ کے مزار کے پاس کھڑے ہو کر جو سلام کرتا ہے اور درود پڑھتا ہے آپ خود سنتے ہیں اور جواب دیتے ہیں ہمارے کان نہیں کہ ہم

ہیں آپ اپنے مزار میں حیات ہیں مزار مبارک کے ساتھ آپ کا خصوصی تعلق بجسدہٖ وروحہٖ ہے جو اس کے خلاف کہتا ہے۔ وہ غلط کہتا ہے وہ بدعتی ہے خراب عقیدے والا ہے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے حدیث میں آتا ہے اِنَّ اللّٰہَ حَرَّمَ عَلَی الْاَرْضِ اَنْ تَاْکُلَ اَجْسَادَ الْاَنْبِیَاءِ الحدیث وعن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم من صلّی عَلَیَّ عند قبری سمعتہٗ ومن صلی عَلَیَّ من بعید اعلمتہٗ رواہ ابو الشیخ وسندہٗ جیّد القول البدیع ص۱۱۶ عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم الانبیاء (صلوات اللہ تعالیٰ علیہم) احیاء فی قبورھم یصلون رواہ ابن عدیؒ والبیہقیؒ وغیرھما (شفاء السقام ص۱۳۴) دو تین حدیثیں نقل کر دی ہیں اس باب میں بکثرت احادیث وارد ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا اور جو انکار کرتا ہے بدعتی اور خارج اہل السنۃ والجماعۃ ہے۔ غرض پڑھنے والے کو ثواب بھی پہنچتا ہے اور مزار مبارک کے قریب پڑھنے سے آپ سنتے بھی ہیں اور اپنے مزار مبارک میں بجسدہٖ موجود ہیں اور حیات ہیں واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب کتبہ السید مہدی حسن مفتی دار العلوم دیوبند

مہر دار العلوم دیوبند

۱۳۷۵ھ

الجواب صحیح جمیل احمد تھانوی جامعہ اشرفیہ نیلا گنبد لاہور ۲۱ ر شوال ۱۳۷۶ھ

اجاب المجیب واجاد محمد ضیاء الحق کان اللہ لہٗ، مدرسہ جامعہ اشرفیہ لاہور

الجواب صواب محمد رسول خان عفا اللہ عنہٗ

راقم اثیم سے بھی اس فتویٰ پر جواب طلب کیا گیا تو راقم نے بھی اس پر الجواب صحیح لکھا غور فرمائیں کہ دار العلوم دیوبند کے جناب صدر مفتی صاحب مرحوم و مغفور اور حضرت مولانا مفتی جمیل احمد صاحب تھانوی اور استاد الکل حضرت مولانا محمد رسول خان صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایسا عقیدہ رکھنے والے کو اہل السنۃ والجماعۃ سے خارج اور بدعتی قرار دیا ہے اور تصریح فرمائی ہے کہ ایسے شخص کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔

قطب الارشاد حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے فتاویٰ سے چند حوالے بھی ملاحظہ فرمائیں۔

۱ سوال بدعتی کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟ الجواب ۔ بدعتی کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ تحریمہ ہے فقط (کذا فی الدر المختار باب الامامۃ) فتاویٰ رشیدیہ ج ۳ ص۱۱۲ طبع جید برقی پریس دہلی۔

۲ سوال بدعتی کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ الجواب مکروہ تحریمہ ہوتی ہے (ج ۳ ص۱۱۳)

ے اور بدعتی امام کے پیچھے نماز پڑھنا گناہ ہے جبکہ دوسری جگہ متبع سنت امام موجود ہے (ج ۳ ص ۹۷)

الغرض جو نظریات اکابر سے ہٹ کر ان حضرات اور مؤلف ندائے حق وغیرہ نے اپنے کیے ہیں وہ اہل بدعت کے عقائد ہیں اہل السنت والجماعت کے ہرگز ہرگز نہیں ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے بدعت کے عقائد و نظریات سے بچائے اور محفوظ رکھے آمین ثم آمین ۔

مقام فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے !

تسکین الصدور سے متعلق آراء و نظریات

تسکین الصدور کے طبع ہونے کے بعد ملک کے کونے کونے میں اس کے بارے میں مختلف خیالات اور آراء کا اظہار کیا گیا اور قدرتی و طبعی طور پہ ایسا ہونا ناگزیر امر تھا جو حضرات صحیح طور پر مسلک دیوبند سے وابستہ ہیں ان تمام حضرات نے نہ صرف یہ کہ اس کی تائید ہی کی بلکہ اس کو بہت حد تک سراہا اور اس کو علمی و تحقیقی شاہکار کا درجہ دیا اور بیشمار خطوط اس تالیف کی داد و تحسین اور مبارکباد کے موصول ہوئے جہاں اس کتاب سے ان حضرات کو قلبی تسکین اور علمی اطمینان حاصل ہوا وہاں اس نظریہ کے مخالف حضرات کو اس کتاب کے معرض وجود میں آنے سے بے حد قلق اور صدمہ پہنچا اور بعض کے بارونق چہرے دفعۃً مرجھا گئے اور کچھ احباب تو سیخ پا بھی ہو گئے اور ایسا ہونا ایک نفسیاتی امر تھا کیونکہ یہ کتاب ان کے غلط نظریات پر ضرب کاری ہے اور اس کتاب نے بعض حضرات کے اوسان بھی خطا کر دیے ہیں جیسا کہ ان کی کتابوں سے یہ بالکل ظاہر ہے مگر یہ ایک فطری بات ہے کہ نظر اپنی اپنی پسند اپنی اپنی ۔ اس وقت تک تحریری طور پر جو آراء و نظریات تسکین الصدور کے بارے میں ہمیں موصول ہوئے وہ تین قسم کے ہیں ۔

پہلا نظریہ

اس کتاب میں درج شدہ تمام مسائل و دلائل اسلام مذہب اہل السنت والجماعت فقہ حنفی اور مسلک علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کے عین مطابق ہیں اور اس میں کوئی ایک مسئلہ بھی ایسا نہیں جو مذہب حق کے خلاف ہو اور اس کتاب میں درج شدہ تمام حوالے ٹھوس، صحیح اور مطابق ہیں اور یہ کتاب ایمان و ایقان کی عظیم دولت مہیا کرنے کا ذریعہ ہے (اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ہی بنائے آمین ثم آمین)

یہ نظریہ اور رائے پاک و ہند کے اکابر علماء دیوبند کی اُن واضح تحریرات اور زرّیں تقریظات میں چمکدار موتیوں کی طرح عیاں ہے جو اسی کتاب میں باقاعدہ درج ہیں قارئین کرام خود ان کو پڑھ کر اندازہ لگا سکتے ہیں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ عیاں را چہ بیاں علماء کرام تو اپنے مقام پر ہیں عام مسلمان بھی اس بات کو بخوبی

جانتے ہیں کہ اس دور کے اندر پاک و ہند میں اسلام مذہب اہل السنت والجماعت۔ فقہ حنفی اور مسلک علماء دیوبند کے صحیح ترجمان اور حقیقی جانشین یہی حضرات ہیں کیونکہ قرآن و سنت کے علاوہ علوم دینیہ میں جو بصیرت پختگی اور عمق ان کو حاصل ہے وہ اس وقت ان علاقوں میں اور کسی کو حاصل نہیں ہے لہذا ان ہی حضرات کی رائے قابل اعتبار لائق اخذ اور صحیح ہے اور انہی حضرات کے دامن سے وابستہ رہنا ہی ذریعہ نجات اور باعث فلاح و کامرانی ہے ؂

قوموں کے لیے موت ہے مرکز سے جدائی
ہو صاحب مرکز تو خودی کیا ہے خدائی

یہ الگ بات ہے کہ مؤلف ندائے حق ان کو اور ان کے پیروکاروں کو دیوبندی سمجھنے اور کہنے پر آمادہ نہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ اگر زمانہ حال کے بناسپتی دیوبندی علماء کہیں الخ (ص۱۵۶) نیز اسی صفحہ میں لکھتے ہیں۔ یہ نام نہاد بناسپتی دیوبندی دراصل تقیہ کرنے والے بریلوی ہیں الخ اور نیز لکھتے ہیں۔ اور یہ بناسپتی دیوبندی فرماتے ہیں الخ (ص۹۶) ہر صاحب فہم و بصیرت مسلمان اس کو بخوبی سمجھتا ہے کہ اگر اس دور میں یہ حضرات (جن کی تصدیقات اس کتاب میں شامل ہیں) صحیح مسلک علماء دیوبند پر گامزن نہیں تو اور کون ہو سکتا ہے؟ اور اگر یہ بناسپتی دیوبندی ہیں تو اصلی دیوبندی کہاں ہیں اور کون ہیں؟ اور اگر یہ "تقیہ" باز بریلوی ہیں تو جری اور حق گو دیوبندی کس دنیا میں رہتے ہیں اور کیا ان میں ؂

خوش بیانی۔ خوش کلامی یا خوش اسلوبی نہیں
خوئے دلداری نہیں یا بوئے محبوبی نہیں

دوسرا نظریہ

استاذ العلماء سابق مدرس دار العلوم دیوبند جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ کے نائب امیر حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب دام مجدہم کا ہے جو تسکین القلوب میں درج ہے موصوف نے اس کتاب میں ہماری کتاب تسکین الصدور کے بعض حوالوں اور بعض استدلالات پر بزعم خود مناظرانہ تنقید بھی کی ہے اس کے علاوہ بزرگانہ زجر و توبیخ اور اپنی افتاد طبع کے موافق تعلّی۔ غصہ اور شکوہ بھی اس کتاب کے اوراق میں جابجا موجود ہے۔ سماع موتٰی کے مسئلہ کے علاوہ جو صدیوں سے اہل حق میں اختلافی چلا آرہا ہے (جس کی مبسوط اور باحوالہ بحث ہم نے بفضلہ تعالیٰ سماع الموتٰی میں کر دی ہے) اصولی طور پر تسکین الصدور میں درج شدہ باقی تمام مسائل حضرت قاضی صاحب دام مجدہم نے کچھ سیدھی زبان میں اور کچھ ہیر پھیر کی زبان میں تسلیم کر لیے ہیں ہمیں آں محترم کی تعظیم و توقیر کا بھی خیال ہے پھر اہم مسائل تسلیم کر لینے کے بعد ان سے الجھنا بھی مناسب نہیں کیونکہ پھر تو نزاع صرف برائے نزاع ہی

ہو سکتا ہے اور ہم اس میدان کے سوار نہیں ہیں اور نہ اس فضول اور غیر مقصود بحث میں اپنا قیمتی وقت صرف کرنا مناسب سمجھتے ہیں ان کی بعض مناظرانہ موشگافیوں کا ذکر عنقریب آرہا ہے قارئین کرام خود ان سے اندازہ لگا سکتے ہیں کاش کہ موصوف بجائے الاقوال المرضیہ۔ شفاء الصدور اور البصائر وغیرہ پر اعتماد کرنے کے (جن میں قطع و برید کر کے عبارتیں پیش کی گئی ہیں) اصل کتابوں کی طرف مراجعت فرماتے تو وہ ریت کے ذرات سے سونا الگ کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں ان پر اصل حقیقت بالکل منکشف ہو جاتی مگر موصوف کو عموماً درسی کتابوں کے علاوہ دیگر کتابوں کا مطالعہ کرنے کی نہ تو عادت ہے اور نہ فرصت و شوق اس لیے وہ ایک حد تک معذور بھی ہیں ۱۔ تسکین الصدور میں اصولی طور پر ایک مسئلہ یہ بیان کیا گیا تھا کہ مرنے کے بعد قبر میں میت کی طرف رد اور اعادۂ روح حق ہے (جس سے نکیرین کے سوال کا فہم و شعور اور راحت و تکلیف کا احساس ہو سکے) اور روح کا بدن عنصری سے ایسا تعلق ہے جس پر سوال و جواب اور ثواب و عقاب مرتب ہو اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی اپنی قبور میں زندہ ہیں اور حضرت قاضی صاحب محترم اس کے بارے تحریر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

ہم اپنی پہلی بعض کتابوں میں یہ واضح کر چکے ہیں کہ الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون لاشک فیہ اور یہ بھی عرض کر چکے ہیں کہ صوفیاء کرامؒ کے نزدیک یہ عذاب و ثواب قبر اور تالم تلذذ صرف روح سے تعلق رکھتا ہے (صوفیاء کرامؒ میں ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ قبر میں ثواب و عقاب کا تعلق روح کے ساتھ بمشارکت بدن مثالی ہے اور یہ حضرات روح کا تعلق جسم عنصری اور جسم مثالی دونوں سے تسلیم کرتے ہیں جیسا کہ علامہ آلوسیؒ کے حوالے سے یہ بات اپنے مقام پر آرہی ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ صفدر) اس جسم عنصری سے اس کا تعلق نہیں اور فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کے نزدیک یہ جسم خواہ ریزہ ریزہ ہو چکا ہو پھر بھی قبر کے عذاب و ثواب اور تالم و تلذذ میں وہ روح کا شریک[1] ہے اور فتویٰ بھی فقہاء کرامؒ کے قول پر دینا چاہیئے۔ اگر آپ کو ہماری اس گذارش پر اعتماد نہ ہو اور بدگمانی بدستور رکھیں تو اس کا ہمارے پاس کوئی علاج نہیں الخ (بقدر الحاجۃ تسکین القلوب ص ۴۷) اور نیز وہ فرماتے ہیں کہ علماء کرام کی ان عبارات کے اس اضطراب بلکہ ہجوم اضطراب سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عذاب القبر حق اور فتویٰ قول فقہاء و متکلمین پر ہے کہ عذاب و ثواب تالم و تلذذ میں بدن بھی فی ای حال کان شریک روح ہے اور ان کے تعلق کی کیفیت اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتے ہیں واللہ اعلم بالصواب (تسکین القلوب ص ۶۷) موصوف کی خود نوشت سے معلوم ہوا کہ حدیث الانبیاء احیاء فی قبورھم یصلون

---

[1] قاضی صاحب التعلیق الصبیح علی المشکوٰۃ المصابیح ج ۲ ص ۲۹ میں بھی تصریح فرماتے ہیں وقال الفقہاء رحمہم اللہ ھو المرجح مع الجسد ویشارک الجسد فیہ الروح ۱۷۶ھ

صحیح ہے اور اپنے مفہوم اور مدلول کے لحاظ سے لاشک فیہ اور نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر میں ثواب و عذاب کے سلسلہ میں روح کا جسم عنصری سے بھی تعلق ہوتا ہے اگرچہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرات فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کا یہی مسلک ہے اور اسی پر محترم جناب قاضی صاحب فتویٰ دیتے ہیں جب موصوف نے صحیح بات تسلیم کر لی ہے تو ان سے الجھنا پسندیدہ بات نہیں ہے البتہ نہایت ادب سے یہ گذارش ہے کہ ہم آپ کی کسی قسم کی بدگمانی نہیں کرتے اور اس پر یقین رکھتے ہیں کہ اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ لیکن خود موصوف نے پہلے اس کے خلاف تصریح فرمائی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں۔ حق یہی ہے کہ صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ۔ خلفاء راشدینؓ۔ ائمہ اربعہؒ۔ محدثینؒ۔ بخاریؒ مسلمؒ ابوداؤدؒ تک حیات الشہداء والانبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسلام) فی القبور کا یہی مفہوم سمجھا جاتا تھا جس میں تعلق روح بالجسم العنصری کا نام تک نہیں ملتا بلکہ روایات میں صراحۃً اس تعلق کی نفی ملتی ہے الخ بلفظہٖ (مسالک العلماء ص۲۷) اور ص۳۲ میں تحریر فرماتے ہیں کہ تعلق بالجسد العنصری کا اشارہ تک بھی نہیں پایا جاتا الخ اور ص۳۱ میں لکھتے ہیں کہ تعلق روح بالجسد العنصری کا اشارہ تک بھی نہیں ملتا الخ اگر ان تصریحات کے بعد بھی بدگمانی کی نسبت ہماری طرف ہو تو یہ بالکل ناانصافی ہے بہرحال بہت ہی اچھا ہوا اور خوشی کی بات ہے کہ آپ نے حضرات فقہاء کرامؒ اور حضرات متکلمینؒ کے قول پر فتویٰ دیا اللہ تعالیٰ جمہور کے اس مفتیٰ بہ قول پر آپ کو قائم رکھے جس کی وجہ سے آپ کے سینکڑوں شاگرد اور شاگردوں کے شاگرد (بفضلہ تعالیٰ) جمہور کے حق مسلک کی طرف رجوع کر لیں گے اور ید اللہ علی الجماعۃ کی نورانی چادر کے نیچے آجائیں گے لیکن محترم قاضی صاحب کی تحریر کے پیش نظر چند باتیں ہماری سمجھ سے بالاتر ہیں اولاً صحابہ کرامؓ تابعینؒ تبع تابعینؒ خلفاء راشدینؓ۔ ائمہ اربعہؒ۔ محدثینؒ۔ بخاریؒ۔ مسلمؒ اور ابوداؤدؒ وغیرہ کی وہ کونسی صریح روایات اور عبارات ہیں جن میں عبارۃ النص کے طور پر یہ ثابت ہے کہ قبر میں ثواب و عذاب کا تعلق جسم عنصری سے نہیں؟ روح و جسم عنصری اور عدم تعلق کی تصریح ہونی چاہیئے۔ دوئم وہ کون سی روایات ہیں جو صراحت سے روح کے جسم عنصری کے عدم تعلق کی تصریح کرتی ہیں؟ سوئم۔ کیا حضرات صحابہ کرامؓ۔ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ۔ خلفاء راشدینؓ ائمہ اربعہؒ محدثینؒ۔ امام بخاریؒ۔ مسلمؒ اور ابوداؤدؒ فقہاء کرامؒ و متکلمینؒ کی مد میں شامل نہیں ہیں؟ چہارم:۔ یہ حضرات آپ کے سابق نظریہ کے مطابق کچھ فرماتے ہیں اور آپ کے مفتیٰ بہ اور مرجوع الیہ قول کے موافق ان کی رائے کچھ اور معلوم ہوتی ہے؟ پنجم حضرات فقہاء کرامؒ و متکلمینؒ نے ان حضرات کی بلا وجہ اور بلا دلیل کیوں مخالفت کی ہے جب کہ ان کے نزدیک روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق کا اشارہ بھی نہیں پایا جاتا اور حضرات فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ جسم عنصری کے ریزہ ریزہ سے تعلق تسلیم کرتے ہیں ششم محترم جناب قاضی صاحب نے تسکین القلوب

ص۴۸ میں اس پر خاصا زور صرف کیا ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا قبور میں نماز پڑھنا اور اسی طرح دیگر جملہ امور۔ ان کی ارواح متشکل بشکل اجسامہم یا داخلہ فی اجسام مثالیہ کرتی ہیں (ص۴۸) بے حد حیرت اور انتہائی حیرانگی کی بات ہے کہ عام اموات کے اجسام عنصریہ کے ریزہ ریزہ سے ان کے ارواح کا تعلق ہو اور ثواب و عذاب میں ان کے اجسام عنصریہ کا بھی تعلق ہو لیکن جب باری آئے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی اپنی اپنی قبور میں نماز پڑھنے یا دیگر امور کی تو ان کے اجسام عنصریہ کا ان کے ارواح سے تعلق نہ ہو حالانکہ ان کے اجسام مبارکہ بالکل صحیح و سالم اور محفوظ ہیں چنانچہ خود قاضی صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ ”اور ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ان قبور میں جیسے پہلے دن رکھے گئے تھے تروتازہ اور اپنی حالت پہ قائم ہیں اور زمین پر حرام ہیں ساتھ حرمت تکوینی کے نہ ان کو زمین چھیڑتی ہے اور نہ متغیر کرتی ہے الخ (مسالک العلماء ص۱۹۸) جب ان کے اجسام عنصریہ اصلی حالت میں موجود و محفوظ اور تروتازہ ہیں تو ان کے ارواح مبارکہ کا اجسام عنصریہ سے تعلق کیوں نہیں جبکہ عام اموات کے ارواح کا ان کے اجسام عنصریہ کے ریزہ ریزہ سے تعلق ہے اور مفتیٰ بہ قول بھی یہی ہے پھر ان کے لیے اجسام مثالیہ کی کیا ضرورت ہے؟۔

۲۔ تسکین الصدور میں صحیح حدیث و تعاد الروح فی جسدہ کی مفصل تفصیل اور تشریح ہم نے کی ہے اور اعادۂ روح کے بارے میں خاصے حوالے ہم نے دیئے ہیں۔ محترم جناب قاضی صاحب نے اسکو بھی اصولاً تسلیم کر لیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں ردّ روح اور اعادۂ روح سے جو مراد ہے وہ حق ہے اٰمنّا و صدّقنا آگے اس کی پوری کیفیت ہم نے بحکم خداوندی عدم شعور میں رکھ دی ہے اھ (تسکین القلوب ص۵) پوری کیفیت جاننے کا دعویٰ جمہور نے بھی نہیں کیا بلکہ وہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ردّ روح اور اعادۂ روح الی الجسد و فی الجسد سے یہی مراد ہے کہ روح کے جسم عنصری سے ایک گونہ تعلق کے ساتھ ادراک اور فہم و شعور پیدا ہو جاتا ہے جس سے سوال نکیرین کو سمجھنا اور جواب دینا اور ثواب و عذاب کا احساس متحقق ہو جائے۔

محترم جناب قاضی صاحب نے تسکین القلوب ص۹۶ میں اعادۂ روح الی الجسد کی روایات کے بارے تعارض و اضطراب کا دعویٰ بھی کیا ہے (اور مؤلف ندائے حق نے ص۲۴۷ میں اسی لاحاصل بحث کو اپنی کتاب کی زینت بنایا ہے) کہ کسی روایت میں الی جسدہ کسی میں فی جسدہ اور کسی میں متصل ببدنہ وغیرہ کے الفاظ آئے ہیں مگر علمی طور پہ اس شگوفہ کی بھی کوئی وقعت نہیں کیونکہ نحاۃ کوفہ مطلقاً اس کے جواز کے حق میں ہیں کہ حروف جارہ ایک دوسرے کی جگہ آ سکتے ہیں (حاشیہ بخاری ج ۱ ص۵۰۲ وغیرہ) لہٰذا اس نحوی قاعدہ کے مطابق الی الجسد

فی الجسد اور بدن میں کوئی اضطراب نہیں اسی طرح رد اعادہ اور اتصال ببدن سے روح کا بدن سے تعلق مراد ہے مگر ایسا تعلق جس سے مُردہ میں ادراک و شعور پیدا ہو جائے۔

۳ تسکین الصدور میں جمہور کے نظریہ کے مطابق باحوالہ یہ مسئلہ بھی عرض کیا گیا تھا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے اور جواب دیتے ہیں محترم جناب قاضی صاحب نے اصولی طور پر اس کو بھی تسلیم کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اور مولوی صاحب نے سماع عند القبر کے عنوان سے بلوغ صلوٰۃ وسلام کا آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کا مسئلہ بھی ذکر فرمایا مولوی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حبیب اللہ تعالےٰ نے فرمایا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا تو ہر مسلمان کا عقیدہ یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات گرامی کو امّت کی طرف سے فرستادہ صلوٰۃ وسلام پہنچتا ہے اگر نہ پہنچتا تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا امر کیوں فرماتے؟ اور ایمان کے لیے اتنا کافی ہے کہ یقین محکم ہو کہ پہنچتا ہے آگے اس کی کیفیّت کیا ہے؟ وہ اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اگر ہمارے فہم اس کیفیّت کے پانے سے قاصر ہیں تو اس پر اللہ تعالیٰ مواخذہ نہیں کرے گا اھ (تسکین القلوب ص۱۰۵)۔

اس عبارت سے واضح ہوا کہ عند القبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃ وسلام کا سماع فرماتے ہیں اور بلوغ صلوٰۃ وسلام صحیح ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ۔ اس بلوغ اور ردّ (سلام) کی کیفیّت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے الخ ص۱۰۵) اس سے خوب روشن ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم عند القبر سلام کہنے والوں کو سلام کا جواب لوٹاتے اور ردّ سلام فرماتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ اس کی کیفیّت اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور جمہور نے بھی پوری کیفیت جاننے کا کب دعوٰی کیا ہے۔

۴ تسکین الصدور میں مسئلہ توسّل پر بھی خاصی بحث ہے اور موصوف مسئلہ توسّل پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ اب ایک صورت رہ گئی بحرمت فلاں سے دعا کرنا تو نہ اس میں شک ہے کہ سلف صالحینؒ قرون ثلاثہ میں اس کا رواج نہ تھا اور نہ اس میں شک ہے کہ متاخرین کافۃً (الا ماشاء اللہ تعالیٰ) اس کے جواز کے قائل ہیں بلکہ یہ طریق ان کے ادعیہ میں بھی عام مذکور ہے اور نہ اس میں شک ہے کہ ہماری ساری جماعت بلا استثناء احد اور بلا استثناء سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری اس کے جواز کے قائل ہیں مگر اس تاویل سے جو بزرگوں نے کی ہے چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ اور حاصل توسّل فی الدعاء کا یہ ہے کہ اے اللہ تعالیٰ فلاں بندہ آپ کا مورد رحمت کا ہے اور مورد رحمت سے محبت اور اعتقاد رکھنا (جو ہمارا ایک نیک عمل ہے) بھی موجب جلب رحمت ہے اور ہم اس سے محبت اور اعتقاد

رکھتے ہیں پس (ہمارا یہ نیک عمل مقبول فرما اور اس نیک عمل کے وسیلہ سے) ہم پر بھی رحمت فرما تسکین الصدور صـ۲۳۴ اور یہ مطلب بالکل واضح ہے پس وپیش کی گنجائش نہیں اور یہی تاویل بعینہ حضرت مرشدنا قدس سرہ العزیز نے فرمائی الخ (تسکین القلوب صـ۱۰) پھر آگے حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب تحفہ ابراہیمیہ کا حوالہ دیا ہے جس میں اس تاویل کا ذکر ہے اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ۔ تو سواتی برادران (یعنی راقم ابوالزاہد محمد سرفراز اور عزیزم صوفی عبدالحمید) نے یہاں دو خیانتوں کا ارتکاب کیا ایک یہ کہ ناظرین کو یہ تاثر دیا کہ ہماری جماعت (یعنی جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ ۱۲ منہ) سرے سے بحرمت فلاں کے ساتھ دعا کی قائل ہی نہیں اور یہ سراسر افترا و بہتان ہے ہماری جماعت پر (آپ کی جماعت کے اس وقت وکیل اعظم مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں، آمدم برسر مطلب توسل بذات المیت یا بدعاء المیت یا بذات النبی ﷺ بعد الوفات کو یا حرام کہنا پڑے گا یا سکوت اختیار کرنا پڑے گا بلا کھٹک کھلے طور پر کسی شرعی قاعدہ کی رو سے جواز کا فتویٰ نہیں دیا جا سکتا الخ صـ۱۰۱) اور دوسرا یہ کہ اکابر کی عبارات تو نقل کر دیں مگر جس تاویل سے وہ حضرات بحرمت فلاں سے دعا کرنے کے قائل ہیں اس کو نظر انداز کر گئے پھر اگر یہ نادانستہ کیا تو غباوت اور عدم فطانت ہے اور اگر دانستہ کیا تو خیانت ہے اھ (تسکین القلوب صـ۱۰۱) اس عبارت سے بالکل آشکارا ہو گیا کہ محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب اور ان کی جماعت مسئلہ توسل کو تسلیم کرتی ہے مگر اسی تاویل سے جو بیان ہوئی اور لکھتے ہیں کہ سواتی برادران ہم پر افترا و بہتان باندھتے ہیں اور مجوزین حضرات کی تاویل کو نظر انداز کر کے غباوت یا خیانت کا ثبوت دے رہے ہیں۔

سو گذارش ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی جماعت کو مسئلہ توسل کے جواز پر قائم رکھے آمین مگر مؤدبانہ گذارش ہے کہ آپ اپنی جمعیۃ کے صدر جناب سید عنایت اللہ شاہ صاحب بخاری سے بھی اس مسئلہ پر ذرا گفتگو فرما لیں۔ راقم کی تقریباً آج سے تیس۳۰ برس پہلے گکھڑ میں نہ صرف گفتگو ہوئی تھی بلکہ جھڑپ بھی ہوئی تھی جب کہ انہوں نے اس مسئلہ کے لیے پیش کی گئی کتاب المہند علی المفند دکھانے والے محترم جناب ماسٹر محمد حسین صاحب۔ او۔ ٹی ٹیچر گورنمنٹ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ گکھڑ کی جھولی میں زور سے پھینک دی تھی الغرض مسئلہ توسل کے انکار کی نسبت آپ کی پوری جماعت کی طرف تو ہرگز نہیں کی گئی یہ نسبت ہم پر خالص بہتان اور نرا افترا ہے اور ہماری عبارات میں جو بزرگ مراد ہیں وہ اُس وقت اس کے منکر اور سخت مخالف تھے۔ اب کا علم نہیں ہے اللہ تعالیٰ کرے کہ وہ آپ کے ہمنوا ہو گئے ہوں۔ اور مؤلف ندائے حق کا حوالہ بھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ باقی دوسری بات بھی بڑی عجیب اور نری مضحکہ خیز ہے وہ اس طرح کہ ہم نے تسکین الصدور

میں حضرت تھانوی رح کے حوالہ سے باقاعدہ اس تاویل کا تذکرہ کیا ہے اور لطف کی بات یہ ہے کہ خود جناب قاضی صاحب بھی ہماری بیان کردہ تاویل کا ہماری کتاب کے حوالہ سے ذکر کرتے ہیں اور پھر فرماتے ہیں کہ ہم نے توسّل کے قائلین حضرات کی تاویل کو نظر انداز کر دیا ہے انتہائی تعجب خیز بات ہے۔ موصوف نے تسکین القلوب میں اپنے بعض سابق نظریات کا اور خود اس کتاب میں بیان کردہ بعض نظریات کا بے شعوری میں بہترین رد کر دیا ہے۔ مگر جوش اور جذبات میں سمجھے نہیں بہر حال تسکین الصدور میں بیان کردہ اصولی مسائل ہیں وہ ہم سے متفق ہیں۔ اس لیے ہم ان سے زیادہ الجھنا پسند بھی نہیں کرتے کیونکہ وہ ہمارے بزرگ ہیں بات صرف بعض مسائل کے حق پہلوؤں سے بحمد اللہ تعالےٰ وہ ان کو صاف طور پر تسلیم کر چکے ہیں۔

محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب دامت برکاتہم نے مناظرانہ انداز میں سواتی برادران (راقم اثیم اور عزیزم صوفی عبد الحمید) پر لفظی گرفت بھی کی ہے مثلاً "فیوضات حسینی اور ابدان عنصری میں صفت اور موصوف میں مطابقت نہ ہونے کا سوال کھڑا کیا ہے مگر اس کی چنداں وقعت نہیں ہے۔ اوّلاً اس لیے کہ بے شک عربی عبارت میں تو اس کا التزام ضروری ہے مگر اردو[1] وغیرہ میں اس کا التزام ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ اخبارات میں وہ روزانہ مشرق وسطیٰ کا جملہ تو پڑھتے ہی ہوں گے ہاں مطابقت کا مستحسن ہونا اچھی بات ہے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح نے جمال قاسمی ص۸ میں ضروریات دینی الخ کا اور حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق صاحب رح نے مائۃ مسائل ص۲۹ میں آیات قرآنی الخ کا جملہ استعمال کیا ہے اور اردو اور فارسی کی عبارات میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں اہل علم اور وسیع النظر علماء سے یہ بات مخفی نہیں وثانیاً حضرت مولانا نانوتوی رح کی متعدد کتابوں کا نام تو ضرور حضرت قاضی صاحب نے سنا ہی ہوگا مثلاً "اسرار قرآنی، لطائف قاسمی اور قصائد قاسمی وغیرہ اور حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رح نے حضرت نانوتوی رح کی زندگی کے مختصر حالات پر کتاب لکھی ہے جس کا نام سوانح عمری ہے کیا ان تمام حضرات کی بھی ویسی ہی پھبتی محترم قاضی صاحب اڑائیں گے جیسے سواتی برادران کی اڑائی ہے؟ وثالثاً ہمارے پیر و مرشد حضرت مولانا حسین علی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ مبارک سے جو کتاب لکھی اور آپ کی زندگی میں وہ طبع ہوئی اس کا نام فیوضات حسینی ہی ہے اس میں ناقل کا کیا قصور ہے؟ آپ کی اصل پھبتی کا مورد اور محل تو حضرت مولانا مرحوم ہیں جو خیر سے آپ کے بھی، محترم استاد اور پیر و مرشد ہیں ورابعاً محترم معاف رکھنا آپ کو صرف عربی کے زور سے یہ حق کہاں سے حاصل ہوا کہ آپ نے از خود ہی حضرت مرحوم کی کتاب کا نام بجائے فیوضات حسینی کے افادات حسینیہ کر دیا ہے؟

---

[1] یہ عجیب بات ہے کہ خود موصوف نے اپنے ایک مضمون میں بجائے حیات برزخیہ اور حیات دنیویہ کے حیات برزخی اور حیات دنیوی کے جملے استعمال کئے اور موصوف وصفت میں مطابقت ملحوظ نہیں رکھی (ملاحظہ ہو ماہنامہ تعلیم القرآن مئی ۱۹۵۷ء ص۱۶)

کیا یہ علمی خیانت نہیں ہے ؟ اسی طرح محترم جناب قاضی صاحب نے فیوضات حسینی کے آخر میں حضرات صوفیاء کرام رح کے مختلف سلاسل کے بزرگوں کے نام جو بحرمت فلاں الخ سے حضرت مرحوم کے زمانہ میں طبع ہوئے تھے بالکل حذف کر دیے ہیں اور جو کتاب اب جناب قاضی صاحب نے طبع کرائی ہے اس میں ان تمام سلاسل کا نام تک بھی نہیں آنے دیا اور شاید یہ اس لیے ہو کہ محترم جناب شاہ صاحب گجراتی کو جو توسل کے سختی سے منکر ہیں حرمت کے لفظ چبھتے ہیں ۔

اسی طرح محترم جناب قاضی صاحب نے مشہور راوی ابو جعفر خطمی کے بارے بھی بہت سی عقلی موشگافیاں کی ہیں کہ راوی مطلق ابو جعفر ہے یا ابو جعفر مدنی یا مدائنی حطمی ہے یا خطمی وغیرہ وغیرہ (تسکین القلوب ص ۱۱) مگر کتب اسماء الرجال پر گہری اور وسیع نظر رکھنے والے جانتے ہیں کہ ثقہ رواۃ کے ناموں انکی ولدیت کنیت اور نسبت وغیرہ کے بارے میں ایسے بے شمار اختلافات آتے ہیں مگر کوئی بھی اس وجہ سے ان کو ضعیف اور مجروح قرار نہیں دیتا نقل کے لحاظ سے جو صحیح وجہ سامنے آتی ہے اس کو لے لیا جاتا ہے اور باقی چیزوں سے صرف نظر کر لی جاتی ہے اگر محض اختلاف روایات اور کتابت کی ایسی غلطیوں کو پلّے باندھ لیا جائے تو پھر علم حدیث کا اثبات کوہ کندن اور کاہ برآوردن کا مصداق ہے اگر جرح کا یہی طریقہ رہا تو خدا ہی حافظ ہے ۔

تیری بزم میں اور بھی گل کھلیں گے
اگر رنگ یارانِ محفل یہی ہے

محترم جناب قاضی صاحب نے تسکین الصدور میں درج شدہ جو مسائل تسلیم کئے ہیں اگر ان کے پاس ان مسائل کے اثبات کے لیے وہی دلائل اور حوالے ہیں جو ہم نے تسکین الصدور میں نقل اور پیش کئے ہیں تو ہو المراد اور اگر وہ ان پر مطمئن نہیں ہیں تو ان مسائل کے اثبات کے لیے جو دلائل اور حوالے ان کے پاس ہیں ضرور ان کو صفحہ قرطاس پر لانے کی زحمت فرمائیں تاکہ ہمارے جیسے کم علم لوگ بھی ان سے مستفید ہو سکیں اس کا تو بظاہر تصور بھی قدرے مشکل ہے کہ حضرت قاضی صاحب جیسے مدرس اور محقق عالم بلا ثبوت اور بدون دلیل کے ان کو تسلیم کرتے ہوں دلیل تو ضرور ہوگی مگر ضرورت اس امر کی ہے کہ وہ اس کو علمی تھیلے سے باہر نکالیں تاکہ وہ صحیح اور غیر مجروح دلیل افادۂ عام کا ذریعہ بنے ۔

؎ دلوں میں دریچے کھلے آرزو کے
نئے ولولے شوق کے جستجو کے

تیسرا تحریری نظریہ

تسکین الصدور کے متعلق تیسرا تحریری نظریہ جناب مولانا سید محمد حسین صاحب نیلوی اور محترم مولانا محمد امیر صاحب بندیالوی (بامداد قوی از مشیران کرام) ندائے حق

اور مقدمہ ندائے حق کی صورت میں نمودار ہوا ہے۔ مقدمہ ندائے حق کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

ندائے حق کے مقدمہ کا خلاصہ اور اس پر اجمالی تبصرہ

اس مقدمہ کا اجمالی خاکہ یا بالفاظ دیگر اس کا مختصر تانا بانا یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔ (۱) اس میں تقریباً چودہ صفحات میں قرآن کریم کی متعدد آیات کریمات اور ساتھ ہی ان کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے اس سے ان کا مقصد بزعم خویش تسکین الصدور کے مسائل کو نصوص قرآنیہ کے خلاف بتانا ہے لیکن یقین جانیئے کہ ان میں سے ایک آیت کریمہ بھی تسکین الصدور میں پیش کردہ کسی مسئلہ کے خلاف نہیں ہے۔ کیونکہ اس میں جمہور کے مسائل درج ہیں اور اگر یہ قرآن کے خلاف ہوں تو پھر جمہور اہل السنت والجماعت اور خصوصیت سے حضرات متکلمین عظامؒ اور فقہاء کرامؒ۔ کا دینی اعتبار سے نہایت محتاط گروہ قرآن کریم کا مخالف ہوا؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) کون مسلمان اس کا تصور کر سکتا ہے؟ کہ واقعی یہ قرآن کریم کے مخالف تھے۔ اور پھر حضرات علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم بھی اس باطل نظریہ کے تحت قرآن کریم کے مخالف ہوئے؟ (العیاذ باللہ تعالیٰ) ان آیات کریمات سے جو کچھ ثابت ہے اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا ہمارا ان پر کلی ایمان ہے اور ان میں سے کسی ایک کی مخالفت ہم نے نہیں کی ہم نے ان میں سے بیشتر آیات کی تشریح اپنی متعدد کتابوں مثلاً تبرید النواظر۔ ازالۃ الریب۔ گلدستۂ توحید اور دل کا سرور اور سماع الموتیٰ وغیرہ میں کر دی ہے وہاں ہی ملاحظہ کریں۔ الغرض ان آیات کریمات کا مؤلف ندائے حق اور مقدمہ باز بزرگ اور ان کی جماعت کے کسی دعوے سے ہرگز قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے ان غیر متعلق آیات کریمات کے نقل کے بعد صاحب مقدمہ لکھتے ہیں مقدمۃ الکتاب کی مزعومہ آیات ہیں صاحب تسکین کے مخترعات عقائد اور روایات ضعیفہ۔ اقوال مردودہ۔ خیالات باطلہ۔ رطب ویابس جمیع مندرجات من اولہٖ الیٰ آخرہ کا راز مضمر ہے ان قطعیات و یقینیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں بن سکتا (بلفظہ ص۲۱) سبحان اللہ تعالیٰ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ صاحب تسکین کا بحمد اللہ تعالیٰ ایک بھی عقیدہ قرآن کریم احادیث صحیحہ اور جمہور سلف و خلف کے خلاف نہیں ہے صاحب تسکین تو اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے صراط مستقیم پر گامزن اور العروۃ الوثقیٰ سے متمسک اور حضرات اکابر کا مضبوط دامن تھامے ہوئے ہے اور اس کتاب میں جمہور کے عقائد حقہ، روایات صحیحہ و حسنہ، اقوال مرضیہ اور مسائل قویہ اور ٹھوس عقلی و نقلی مستدلات جمع کیے گئے ہیں جن میں صاحب تسکین کو جمہور حضرات سلف و خلف، اور مشاہیر اکابر کی پوری پوری تائید حاصل ہے یہ الگ بات ہے کہ مؤلف ندائے حق اور اس کے صاحب مقدمہ اپنی اور اپنے غلط کار منشیوں کی رائے کو صحیح قرار دیکر جمہور حضرات سلف و خلف اور مشاہیر اکابر کے پختہ و راسخ علم و نظریہ ہیں ان کا ساتھ نہ دیں بلکہ الٹا ان کی

بھی اڑائیں جیسا کہ ان کی عبارت سے ظاہر ہے لاشک فیہ۔

۲؎ ندائے حق کے مقدمہ باز بزرگ نے پھر آگے ص۱۸ تا ص۲۰ میں صاحب تسکین (یعنی راقم اثیم صفدر) کی انتیس ۲۹ غلطیاں بتائی ہیں اور یہ سب ندائے حق سے ماخوذ ہیں اور پھر ص۲۰ اور ص۲۱ میں سترہ ۱۷ عدد خیانتیں ذکر کی ہیں بعض ضروری امور کا ذکر تو انشاء اللہ العزیز تسکین الصدور میں آجائے گا اور بعض کا ذکر سماع الموتیٰ کے رسالہ میں ہم نے کر دیا ہے اور اس کے بعد مزید ردّ کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور بعض ایسی لچر پوچ باتیں ہیں جن کو ایک مبتدی طالب علم بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے اور ان کے جواب دینے کی سرے سے کوئی ضرورت ہی نہیں ہے لیکن مناسب معلوم ہوتا ہے کہ نمونہ کے طور پر ہم ان کی عبارت میں ایک غلطی اور ایک خیانت کا تذکرہ کر کے اس کا جواب عرض کر دیں۔

(۱) غلطی ۲۷ اصولِ حدیث کا مسلّمہ قاعدہ کہ جس راوی پر بعض علماء نے تنقید کی ہو اور بعض دوسروں نے اس کی توثیق کی ہو تو جرح کو توثیق پر ترجیح دی جائے گی لیکن صاحبِ تسکین نے اس کے خلاف لکھا۔ انتہیٰ بلفظہٖ (مقدمہ ندائے حق ص۲۰)

الجواب:- جرح کے توثیق پر مقدم ہونے میں بحث ہے حافظ ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں کہ:-

والجرح مقدم على التعديل واطلق ذلك جماعة ولكن محله ان صدر مبيناً من عارف باسبابه لانه ان كان غير مفسر لم يقدح في من ثبتت عدالته وان صدر من غير عارف بالاسباب لم يعتبر به ايضاً۔

(شرح نخبۃ الفکر ص۱۱۱ طبع مجیدی کانپور)

جرح تعدیل پر مقدم ہے اس کو ایک جماعت نے تو مطلق چھوڑا ہے لیکن اس کا مصداق یوں ہے کہ جب جرح کے اسباب جاننے والے کی طرف سے مفسر جرح ہو تو تعدیل پر مقدم ہوگی کیونکہ جب جرح مفسر نہ ہو تو جس کی عدالت ثابت ہو چکی ہو اس کے بارے میں جرح قادح نہیں ہو سکتی اور اسی طرح اگر جرح کے اسباب نہ جاننے والے کی طرف سے جرح ہو تو اس کا بھی کوئی اعتبار نہیں ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ جرح مفسر ہو اور عارف باسباب الجرح سے صادر ہو تب وہ توثیق پر مقدم ہوگی ورنہ نہیں اس تفصیل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے مطلقاً جرح کے توثیق پر مقدم ہونے کو اصول حدیث کا مسلمہ قاعدہ بنا کر طعن کرنا قلّتِ تدبر کا نتیجہ ہے اور تدریب الراوی میں اس مسئلہ کی تحقیق اور اختلاف بیان کرتے ہوئے لکھا۔

واختار شیخ الاسلام تفصیلاً حسناً فان کان من

اور شیخ الاسلامؒ نے اس میں ایک اچھی تفصیل کو اختیار کیا ہے

جرّح مجملاً قد وثقه احد من ائمة هذا الشان لم یقبل الجرح فیه من احد کائناً من کان الّا مفسرًا لانه قد ثبتت له رتبة الثقة فلا یخرج عنها الا بامر جلی فان ائمة هذا الشان لا یوثقون الا من اعتبروا حاله فی دینه ثم فی حدیثه ونقدوه کما ینبغی وهم ایقظ الناس فلا ینقض حکم احدهم الا بامر صریح ۔

(صـ۲۰۳ طبع مصر)

وہ یوں ہے کہ اگر جارح نے اجمالی طور پہ جرح کی ہو اور اس فن کے اماموں میں سے کسی ایک نے اس کی توثیق کی ہو تو اس کی جرح قبول نہ ہوگی خواہ جرح کرنے والا کوئی بھی ہو کیونکہ جس کو ثقاہت کا درجہ حاصل ہو اس سے بغیر کسی واضح بات کے عدول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اس فن کے امام صرف اسی شخص کی توثیق کرتے ہیں جس کے دین کا پھر حدیث میں اس کا حال بخوبی انکو معلوم ہوتا ہے اور جس طرح اس کو پرکھنا مناسب ہے وہ اس کو پرکھتے ہیں اور وہ اس فن میں سب لوگوں سے زیادہ بیدار واقع ہوئے ہیں تو ان میں سے کسی کا حکم کسی صریح بات کے بغیر نہیں توڑا جاسکتا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اصول حدیث کے جس قاعدہ کی مخالفت کا ہم پہ الزام لگایا گیا ہے موصوف خود اصول حدیث میں اس قاعدہ کے بارے میں تفصیل سے ناواقف ہیں ؎

جہاں میں بندۂ حُر کے مشاہدات ہیں کیا
تیری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کیجئے!

۲ خیانت ۱۷۔ حدیث حسن کو مطلقاً حجت بنانا اصولِ حدیث میں ایک مجرمانہ حرکت ہے جو اہل علم کے نزدیک معیوب ہے۔ انتہیٰ بلفظہ (صـ۲۱)

الجواب:۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ صاحب۔ اصول حدیث ہی سے بے خبر ہیں اور محض اپنے باطل اور معتزلی نظریہ کے تحت جذبات کے رَو میں بے بس ہوکر ایسی بے سروپا باتیں کرکے اپنے دل کی تشفی حاصل کرتے اور اپنے ضدی حواریوں کو خوش کرتے ہیں فن حدیث میں جب مطلق حسن کا لفظ بولا جاتا ہے تو اس سے حسن لذاتہ مراد ہوتی ہے کیونکہ فردِ کامل یہی ہے اور اس کے حجت ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔

چنانچہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وهذا القسم من الحسن مشارك للصحیح فی الاحتجاج به وان کان دونه ومشابهٌ له فی انقسامه الی مراتب بعضها فوق بعض وبکثرة طرقه یصحح اھ (شرح نخبة الفکر صـ۳۳)

حدیث حسن کی یہ قسم احتجاج میں صحیح کے ساتھ شریک ہے اگرچہ (تعارض کے وقت) اس سے کم ہو اور حدیث حسن منقسم ہونے میں صحیح کے مشابہ ہے کہ اس کی طرح اس کے مراتب کا بھی اعلیٰ وادنیٰ ہونے کا بھی فرق ہے اور کثرت اسانید کی وجہ سے حسن حدیث صحیح بن جاتی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح حدیث صحیح قابل استدلال ہے اسی طرح حدیث حسن بھی قابل احتجاج ہے۔ ہاں معارضہ میں فرق ہونا الگ بات ہے۔

امام نووی رح فرماتے ہیں کہ:۔

وعليه مدار اكثر الحديث ويقبله اكثر العلماء ويستعمله عامة الفقهاء اهـ (تقريب مع التدريب ص۸۶ طبع مصر)

اور اس پر اکثر احادیث کا مدار ہے اور حدیث حسن کو اکثر علماء قبول کرتے اور عام فقہاء اس کو معمول بہ بناتے ہیں۔

اور اسی کے قریب الفاظ ہیں علامہ جزائری رح کے (ملاحظہ ہو توجیہ النظر ص۱۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ صحیح کی بہ نسبت حسن قسم کی حدیثیں زیادہ ہیں اور اکثر علماء محدثین رح اور فقہاء رح نے حدیث حسن کو معمول بہ قرار دیا ہے۔

حدیث حسن سے استدلال کا انکار امام ابو حاتم رح نے (ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۸۶ و توجیہ النظر ص۱۴۶) کیا ہے اور اسی طرح امام بخاری رح اور ابن العربی رح نے انکار کیا ہے چنانچہ قاضی شوکانی رح لکھتے ہیں کہ:۔

وهكذا يجوز الاحتجاج بما صرح احد الائمة المعتبرين بحسنه لان الحسن يجوز العمل به عند الجمهور ولم يخالف في الجواز الا البخاري وابن العربي والحق ما قاله الجمهور لان ادلة وجوب العمل بالآحاد وقبولها شاملة له۔ (نيل الاوطار ج۱ ص۲۲ طبع مصر)

اسی طرح جب ائمہ معتبرین میں سے کسی ایک نے حدیث کے حسن ہونے کی تصریح کی ہو تو اس سے استدلال جائز ہے کیونکہ جمہور کے نزدیک حدیث حسن پر عمل جائز ہے اس جواز میں صرف امام بخاری رح اور ابن العربی رح نے اختلاف کیا ہے لیکن حق جمہور کے ساتھ ہے کیونکہ خبر احاد پر عمل کرنے اور اس کو قبول کرنے کے واجب ہونے کے دلائل اس کو بھی شامل ہیں۔

چونکہ صاحب مقدمہ ندائے حق اور ان کے حواریوں کو جمہور سے بیر اور چڑ ہے اس لیے وہ قدم قدم اور جزئی جزئی میں جمہور کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ ان کا کوئی بھی باطل نظریہ جمہور۔ کو ساتھ رکھ کر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتا اس لیے وہ جمہور کو بھی جلی کٹی سنانے سے باز نہیں آتے۔

ندائے حق کے بعض مضامین پر اجمالی تبصرہ

ان کی بعض مغالطہ آفرین باتوں کا ذکر موقع بموقع آگے کتاب میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ مگر مشتے نمونہ از خروارے یہاں بھی اجمالاً بعض ملاحظہ کر لیں۔

جمہوز نور

راقم پر تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ جب عود روح کا مسئلہ آیا تو جمہور کا نام لیا اور ضعاف حدیثوں کا سہارا لیا جب حیات انبیاء کا مسئلہ آیا جب بھی جمہور کا نام لیا اور ضعاف حدیثوں کا سہارا لیا جن کے ضعف کا اقرار خود حضرت نانوتوی رح نے کیا

جب قبر نبی پر سلام وصلوٰۃ کے سماع کا مسئلہ آیا جب بھی جمہور کا نام لیا اور من گھڑت حدیث کا سہارا لیا اب باری آئی توسّل بالذات والاموات کی اس میں بھی جمہور کا نام لے کر اس من گھڑت حدیث کو اپنا مستدل بنایا اگر جمہور کا یہ حال ہے تو ہم ایسے جمہور کی اتباع سے بری ہے ہم جمہور سے علیٰحدہ ہی اچھے ہیں ہم ایسے جمہور کے عاشق نہیں ہمیں تو قرآن وسنت واجماع مجتہدین کافی ہیں یہ جمہور زنبور کشف خوابیں جنگلیوں کا مذہب آپ ہی کو نصیب ہو الخ (ندائے حق ص۲۰۳) جمہور کے بارے میں مؤلف مذکور کے ناپاک دل اور قلم کا اُبال ملاحظہ فرمائیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ عربی میں زنبور بھڑ کو کہتے ہیں جو زہریلا ڈنگ مارتی ہے۔

الحمدللہ تعالیٰ کہ راقم کو جمہور کا مذہب نصیب ہوا اور ہر مسئلہ پر راقم کی پیش کی ہوئی حدیثیں محدثین کرامؒ کے بتائے ہوئے اصول کے مطابق بالکل صحیح ہیں اور جمہور محدثین کرامؒ نے ان کی تصحیح کی ہے ہاں البتہ چکڑالوی۔ پرویزی اور معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں کے اصول کے مطابق یہ حدیثیں صحیح نہ ہوں۔ اور مؤلف ندائے حق اور ان کے کچھ ہمنوا انکو صحیح تسلیم نہیں کرتے تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اور اگر اللہ تعالیٰ نے حق قبول کرنے والا دل اور حق گو زبان اور قلم آپ حضرات کو نہیں دیا تو ہم کیا کر سکتے ہیں؟ دینے والا تو صرف وہی ہے ؎

قسمت کیا ہر ایک کو قسّام ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

مؤلف مذکور کا پرویزی ذہن

حضرات شہداء کرامؒ کی برزخی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔ مگر انبیاء کرام کی حیات جو اہم ترین اور اعلیٰ ترین اور حیات شہداء سے الگ اور مختلف مراتب کثیرہ اس سے قرآن مجید کا ساکت ہونا یہ دلیل ہے اس امر کی کہ یہ انبیاء کا زندہ در قبر ہونا یہ کوئی مسئلہ قابلِ اعتبار نہیں السکوت فی معرض البیان بیان بیان کے موقع پر بیان نہ کرنا یہ بھی بیان ہے۔ اس کا یہ نہیں ہے اگر ہوتا تو اس کا بیان ہوتا اھ (ندائے حق ص۲۵۳) اس عبارت میں قطع نظر دیگر کوتاہیوں کے صرف یہ بات ہی ملاحظہ فرمائیں کہ بقول مؤلف مذکور کے چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات کا ذکر قرآن مجید میں نہیں اس لیے یہ کوئی مسئلہ قابل اعتبار نہیں اور یہی کچھ پرویز صاحب اور ان کے حواری کہتے ہیں کہ جو کچھ قرآنِ مجید سے باہر ہے وہ ظنی ہے اور قابل اعتبار نہیں اور موصوف نے اپنی ساری کتاب ندائے حق میں اہل حق اور اہل السنت والجماعت کے دلائل پر کلام کرتے ہوئے معتزلہ اور پرویزیوں کا یہی ذہن استعمال کیا ہے اور اپنی نارسا عقل کو نصوصِ اور اکابر کی صریح عبارات کے مقابلہ میں دخل دیا ہے جیسا کہ پڑھنے والے اس بات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور باتوں کا تو ذکر ہی چھوڑ دیجیے مولانا موصوف کو یہ امر تو بخوبی معلوم ہو گا۔

قرآن کریم میں نمازوں کی رکعات اور زکوٰۃ کا نصاب بیان نہیں کیا گیا ان کے قاعدے کے مطابق ان کا کوئی اعتبار نہیں اگر ان کا اعتبار ہوتا تو ضرور ان کا ذکر قرآن کریم میں ہوتا کیونکہ السکوت فی معرض البیان بیان ور ان کے اپنے باطل نظریہ کے مطابق جو روایات قرآن کریم سے متصادم ہوں وہ سب ضعاف ہوتی ہیں اور وہ قابل اعتبار نہیں اور بقول ان کے جمہور زنبور پر کیا اعتبار ہو سکتا ہے ؟

کیا حضرۃ ابوہریرہ رضؓ غیر فقیہ تھے ؟

سب اہل السنت والجماعت اس پر متفق ہیں کہ تمام حضرات صحابہ کرام رضؓ عادل ہیں اور ان کے نزدیک الصحابۃ کلہم عدول کا جملہ بہت مشہور ہے لیکن مؤلف ندائے حق حضرت امام بیہقی رحؒ پر جو جمہور کے وکیل ہیں گرفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ان کو۔ صرف ایک صحابی غیر معروف الفقہ والعدالۃ یعنی حضرت ابوہریرہ رضؓ ہی کی حدیث ملی الخ صـ۱۲۵

بعد والے ایڈیشن میں اس عبارت کو بدل دیا گیا ہے اور ایسی عبارت لائی گئی جس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ غیر معروف الفقہ والاجتہاد تھے مگر یہ بھی درست نہیں ہے اس لئے کہ حضرت ابو ہریرہؓ تو مدینہ کے قاضی تھے (بخاری ج ۱ ص ۳۲۳) اور غیر فقیہ کے قاضی بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور محققین فقہاء احناف حضرت ابو ہریرہؓ کو فقیہ مانتے ہیں' احناف میں سے عیسیٰ بن ابانؒ نے (جو کہ امام شافعیؒ کے ہم عصر ہیں) کہا ہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ غیر فقیہ تھے اور اسی سے اصول فقہ کی بعض کتابوں میں یہی لکھ دیا گیا ہے مگر یہ قول درست نہیں ہے۔

ندائے حق میں اگر کوئی علمی یا نیم علمی باتیں ہیں تو ہمارے خیال کے مطابق وہ ان کے ان پردہ نشین مشیروں کی ہیں جو چلمن سے لگے بیٹھے ہیں خیر ہماری بلا سے بہر حال ان میں شرعی طور پر کوئی جان اور عقلی لحاظ سے کوئی وزن نہیں اور نہ اکابر کی تصدیق و تائید ان کو حاصل ہے ان کے سابق بالکل غلط نظریات کے علاوہ چند بے بنیاد دعاوی کا اجمالی خاکہ یہ ہے (اور آگے کتاب میں جن کا ذکر ہوگا وہ ان کے علاوہ ہیں۔

جسد مثالی

سوال نکیرین اور راحت وعذاب قبر کے سلسلہ میں روح کے ساتھ جسم عنصری کی مشارکت کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ۔ اعادۂ روح فی الجسد کی بابت براء رضؓ بن عازب رضؓ کی حدیث اول تو صاحب تسکین کو مفید نہیں اور اہل حق کو مضر نہیں کیونکہ اس میں مطلق جسد ہے (لا بشرط شئی) صاحب تسکین اس کا مصداق جسد عنصری کہتے ہیں اور اہل حق (اہل السنت والجماعت) جسد یعطی لہ فی البرزخ (مثالی) مراد لیتے ہیں علماء اہل سنت میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوا جس نے عنصری کا قول کیا ہو کتب اہل سنت میں کہیں عنصری کا نشان نہیں ملتا یہ تقییدی لفظ جناب (سرفراز) کی خانہ زاد ہے یہ ان کی اور ان کے ہمنواؤں کی فہم کی ایجاد ہے الخ بلفظہ (ندائے حق صـ۲۱۳ ونحوہ فی صـ۹۴) سبحان اللہ تعالیٰ مؤلف ندائے حق

کی کیا ہی تحقیق انیق اور راست گوئی ہے کہ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی روایت صاحب تسکین کو مفید نہیں اور اہل حق کو مضر نہیں لاحول ولا قوۃ الا باللہ ۔ مؤلف مذکور کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ صحیح اور صریح روایت صاحب تسکین کے دعوے کے لیے نص صریح ہے اور سو فیصدی دعوے کے مطابق اور مفید ہے اور خوارج و روافض اور مؤلف ندائے حق وغیرہ کے لیے سمّ قاتل ہے ۔ بحمد اللہ تعالیٰ صاحب تسکین کو حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کی سو فیصدی تائید حاصل ہے اور حضرات جمہور کی معیّت نصیب ہے اور بقول حضرت قاضی شمس الدین صاحب فتویٰ بھی اسی پہ ہونا چاہیئے اور اہل حق اور اہل السنت والجماعت کی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ عذاب و نعیم قبر کے سلسلہ میں روح کا جسم کے ریزہ ریزہ سے تعلق ہوتا ہے اب مؤلف مذکور ہی ازروئے انصاف یہ بتائیں (اگر انصاف نام کی کوئی چیز ان کے نزدیک ہے) کہ نفس ناطقہ نسمہ اور جسد مثالی ریزہ ریزہ ہوتا ہے یا جسد عنصری ؟ اور کیا جب مطلق جسد کا لفظ بولا جاتا ہے تو انسانوں کے لیے جسد عنصری مراد نہیں ہوتی ؟ اور پھر اہل السنت کے منصور نظریہ سے کٹ اور ہٹ کر خوارج و روافض وغیرہم باطل فرقوں کے ہمنوا ہو کر اپنے آپ کو اہل حق اور اہل السنت کس منہ سے کہتے ہیں ؟ اور کیا حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ آپ کے نزدیک اہل حق اور اہل السنت نہیں ہیں ؟ کیا آپ نے ان کی واضح اور صریح عبارات نہیں دیکھیں جن میں روح کا جسم کے ذرّہ ذرّہ سے تعلق وہ تسلیم کرتے ہیں ؟ اور کیا ان کی یہ کتابیں اہل السنت اور اہل حق کی کتابیں نہیں ہیں ؟ اور کیا جسد خاکی اور عنصری کے ریزہ ریزہ سے تعلق تسلیم کرنا سرفراز اور اس کے ہمنواؤں کی خانہ زاد ایجاد ہے یا بطرز ان تمام اکابر اور جمہور کی پیروی میں یہ کہنا ہے ؟ اور کیا آپ کے نزدیک محترم جناب قاضی شمس الدین صاحب علمائے حق اور اہل السنت میں سے نہیں ہیں ؟ آپ کو معلوم ہے وہ کیا فرما گئے ہیں ؟ اور کیا آپ حضرات محدثین عظامؒ ۔ فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کی عبارات میں مثالی کا لفظ بتا سکتے ہیں آپ کو قیامت تک کی مہلت ہے ہمت کر دیکھیں دیدہ باید ۔

بعض حضرات صوفیاء کرام کی عبارات میں جسم مثالی کا تذکرہ ضرور موجود ہے اور وہ بھی انہوں نے منکرین عذاب قبر کو جواب دینے کے لیے ایک مخلص ڈھونڈ نکالا ہے کہ جس کو جلا کر راکھ کر دیا ہو تو اس کے عذاب و راحت کا تعلق جسم مثالی سے ہے جس کا جسم خاکی موجود ہو اس کے لیے جسم مثالی کے وہ بھی قائل نہیں ہیں اور پھر میدان فتویٰ میں اعتبار صرف حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کا ہے ۔

زاویۂ نگاہ کی خرابی

مؤلف ندائے حق (اور اس کے مقدمہ باز بزرگ) کو تسکین الصدور کی دلیلوں اور حوالوں میں خاصی خامیاں ۔ کوتاہیاں بلکہ کیڑے نظر آئے ہیں اور اس کے الٹ دست

ترش محسوس ہوتے ہیں اور بعض مقامات پر انہوں نے دور از کار اور غیر متعلق باتوں کو جوڑ جوڑ کر تنکوں کا پُل بھی بنایا ہے اور خاصی بھرتی کر کے کتاب کا عوام پر رُعب ڈالنے کے لیے حجم بھی بڑھایا ہے اور بعض مقامات پر انتہائی دیدہ دلیری سے عبارات میں قطع وبرید کر کے علمی خیانتیں کی ہیں اور سینہ زوری کے ساتھ بعض علماء اور حضرات فقہاء کرام کو اپنے ٹانگے پر سوار کرنے کی بے جا سعی کی ہے جس کی قدرے وضاحت ہم نے سماع الموتیٰ میں کر دی ہے الغرض بات بن سکی ہے یا نہیں بہی انہوں نے بزعم خویش کچھ نہ کچھ لکھ کر اپنے حقیقت ناشناس حواریوں کو اپنی حسن کارکردگی کا احساس ضرور دلایا ہے لیکن پاک وہند کے اکابر کے مقابلہ میں نہ تو ان صاحبوں کا علم وسیع ہے اور نہ تحقیق پختہ ہے اور نہ رائے صحیح ہے اور نہ فہم کامل ہے اور نہ ان اکابر کے تقویٰ و ورع اور خدا خوفی اور بصیرت دینی کے مد مقابل ان کی کوئی نسبت ہے ایسے حالات میں جو نتیجہ یہ خام خیال حضرات نکالیں گے وہ اظہر من الشمس ہے اور ندائے حق میں اول سے آخر تک انہوں نے یہی کچھ کیا ہے صفراوی بخار میں مبتلا مریض کو شہد اور کھانڈ بھی کڑوی محسوس ہوتی ہے اور بھینگے آدمی کا زاویۂ نگاہ ٹیڑھا ہونے کی وجہ سے کوئی چیز اپنی اصل حالت میں نظر نہیں آسکتی یہی حال مؤلف ندائے حق وغیرہ کا ہے کہ ان کو تسکین الصدور کے مسائل اور دلائل سیدھے نظر نہیں آئے اس کے برعکس پاک وہند کے اکابر علماء دیوبند کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم کو جن کو گہری دینی بصیرت ۔ بے لوث علمی خدمت ۔ غضب کی اصابت رائے اور بے لاگ حق گوئی کا قدرتی ملکہ حاصل ہے اپنی درست نگاہوں سے تسکین الصدور میں تمام درج شدہ مسائل اور پیش کردہ دلائل اور حوالے حق اور صحیح نظر آئے ہیں اور اس میں درج شدہ تمام مسائل ان کو اسلام ۔ اہل السنت والجماعۃ ۔ احناف اور دیوبندی مسلک کے عین مطابق معلوم ہوتے ہیں اگر مؤلف ندائے حق اور ان کے حقیقت ناشناس حواریوں کو تسکین الصدور کے مسائل و دلائل میں خرابی اور خامی نظر آتی ہے تو ان کو اکابر علماء دیوبند کی خدمت میں حاضر ہو کر زانوئے تلمذ طے کر کے علم حاصل کرنا چاہیے کیونکہ اس دور میں صحیح علم علماء دیوبند کی وراثت ہے اور وراثت بیٹوں کو تو ملتی ہے مگر لے پالکوں کو نہیں ملا کرتی اور ان احباب پر لازم ہے کہ وہ اپنے سوء مزاج اور بھینگے پن کا معقول علاج کروائیں پھر ان کو ہر چیز اصلی صورت و شکل میں نظر آئے گی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم نے ندائے حق میں پیش کردہ صرف اس بات کے جواب کو ملحوظ رکھا ہے جس سے کسی طالب حق کے مغالطہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو گا ۔ دیگر بعض باتوں کا جواب ہم نے سماع الموتیٰ میں دیدیا ہے باقی باتوں کو ہم نے سرے سے درخور اعتناء اور قابل التفات ہی نہیں سمجھا اور نہ لایعنی

اور نری مجذوبانہ باتوں کو نقل کر کے ان کے جوابات دے کر عوام کے اذہان کو مشوش کرنا مناسب سمجھا ہے اور جو زبان انہوں نے استعمال کی ہے ہم نے علمی سطح سے گری ہوئی وہ زبان استعمال نہیں کی اللہ تعالیٰ کا جہان بڑا وسیع ہے ہو سکتا ہے کہ کوئی صاحب ہمت انہیں کی بولی میں ان سے ہم کلام ہوں ہم اس میدان کے شہسوار نہیں ہیں اور نہ ہمارے پاس ایسی مجذوبانہ باتوں کے رد کرنے کے لیے فالتو وقت ہے۔ بحمد اللہ تعالیٰ ہمارے مسائل بالکل حق اور دلائل و حوالے بڑے مضبوط اور ٹھوس ہیں جن کی اکابر علماء کرام نے اپنی وسیع دینی بصیرت کے ساتھ جاندار اور شاندار الفاظ میں بھرپور حمایت اور مکمل تائید کی ہے جیسا کہ ان کی تصدیقات سے ظاہر ہے۔ وَالْحَقُّ مَعَهُمْ حَيْثُ كَانُوْا۔

فقہاء کرامؒ پر بہتان

حضرات فقہاء کرامؒ نے فقہی طور پر یہ مسئلہ بیان کیا ہے کہ جب ولی جنازہ پڑھ چکے تو اس کے بعد کسی کو نماز جنازہ پڑھنے کا حق حاصل نہیں ہے کیونکہ جنازہ فرض کفایہ ہے اور وہ ایک دفعہ ادا کرنے سے ادا ہو جاتا ہے اور نفلی جنازہ مشروع نہیں یہی وجہ ہے کہ ہم نے تمام لوگوں کو اول سے آخر تک دیکھا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر جنازہ نہیں پڑھا حالانکہ آپؐ کا وجود مبارک آج بھی اسی طرح صحیح و سالم ہے جس طرح قبر مبارک میں رکھا گیا تھا کیونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا وجود زمین پر حرام کر دیا گیا ہے کہ وہ اس کو کھائے (محصلہ ہدایہ ج ۱ ص ۱۶۰ و بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱) علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ امت کا ترک جنازہ علی القبر بات کی دلیل ہے کہ عدم تکرار جنازہ پر اجماع ہے (محصلہ بدائع الصنائع) ان نیز متعلق عبارات اور خصوصاً علامہ کاسانیؒ کی عبارت سے استدلال کرتے ہوئے مؤلف ندائے حق لکھتے ہیں کہ یہ عبارت غمازی کر رہی ہے کہ تمام امت کا جیسے اجماع ہے حضرتؐ پر صلوٰۃ الجنازہ کے ترک پر بعد الدفن ایسے ہی تمام امت کا اجماع ہے اس امر پر کہ جسد اطہر میں اعادہ روح نہیں ہوا بلفظہ (ندائے حق ص ۲۹۱) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ ملاحظہ کیا آپ نے نیلوی صاحب کی دینی بصیرت اور عشق محمدی؟ (علیٰ صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام) محترم! معاف رکھنا یہ عبارت ہرگز اس امر کی غمازی اور چغلی نہیں کر رہی کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے آپ کی روح مبارک کا کوئی تعلق نہیں اور یہ کہ جسد اطہر میں اعادۂ روح نہیں ہوا۔ یہ آپ کی سوء فہم کا نتیجہ اور حضرات فقہاء کرامؒ پر خالص افتراء نرا بہتان اور سفید جھوٹ ہے۔ اللہ تعالیٰ ضد اور تعصب سے بچائے حضرات فقہاء کرامؒ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ روح مبارک کا باقاعدہ تعلق تسلیم کرتے اور عند القبر صلوٰۃ و سلام کے سماع پر متفق ہیں لاریب فیہ حضرات فقہاء کرامؒ نے اس امر کی دلیل بھی ساتھ ہی بیان کر دی ہے کہ نماز جنازہ

فرض کفایہ ہے جب ایک دفعہ ادا ہوگئی تو پھر دوبارہ اس کی اجازت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نیلوی صاحب کو صحیح سمجھ اور احترام اکابر کی توفیق بخشے۔

راہ فرار

مؤلف ندائے حق نے اپنے پردہ نشیں مشیروں کی بے پناہ انگیخت سے دعویٰ تو ایسا کیا کہ اہل حق اور اہل السنت والجماعت میں سے ایک شخص بھی ان کا ساتھی نہیں ہے وہ یہ کہ قبر مبارک میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے جسد اطہر سے روح مقدس کا کوئی تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے (معاذ اللہ تعالیٰ) لیکن اس بے بنیاد اور بادر ہوا دعوے پر وہ ایک بھی صریح اور صحیح حوالہ پیش نہیں کر سکے اور تا قیامت کر بھی نہیں سکتے ہاں وہ شیش محل میں رہ کر دوسروں کے ٹھوس اور مضبوط دلائل پر مجذوبانہ انداز میں الفاظ کے ہیر پھیر سے پتھراؤ کے خوگر ہیں اور بھینگے آدمی کی طرح ان کو کچھ کا کچھ نظر آتا ہے اور اپنے لیے جو محفوظ قلعہ تلاش کیا ہے وہ یہ ہے کہ امام سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ۔

لادليل على النافي في احكام الشرع وانما الدليل على المثبت (اصول سرخسی ج۲ ص۱۱۷ ندائے حق ص۱۴۲ و ص۱۴۳)

احکام شرع میں نافی کے ذمہ دلیل نہیں دلیل قائم کرنا تو مثبت کے ذمہ ہے۔

قارئین کرام! سمجھ گئے ہوں گے کہ حضرات جمہور کے حق اور مدلل مسائل کے مقابلہ میں دلیل اور برہان قائم کرنا خالہ جی کا گھر تو ہے نہیں اور اس سے مؤلف مذکور اور ان کی پوری جماعت سراسر قاصر اور قطعاً عاجز ہے۔ اس لیے اپنے بچاؤ کے لیے اصول سرخسی کا ہوائی قلعہ تلاش کیا ہے مگر خیر سے محفوظ اس میں بھی نہیں ہے تعاقب کرنے والوں نے قلعہ پر بھی یلغار کر دی ہے اور اس قلعہ میں بھی ان کو چین سے نہیں رہنے دیا اولاً اس لیے کہ مثبت و مدعی اور نافی و مدعیٰ علیہ کا درجہ قائم کرنا علمی اور تحقیقی رنگ میں خاصا مشکل ہے۔ کبھی کوئی چیز بظاہر سلبی ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ اثباتی ہوتی ہے اور اس کو بھی دلائل سے ثابت کیا جاتا ہے اور اس پہلو کو اختیار کرنے والا مثبت اور مدعی کہلاتا ہے اور اس کے مدمقابل والا نافی اور مدعیٰ علیہ قرار دیا جاتا ہے وثانیاً۔ خود مؤلف مذکور نے ص۱۴۳ میں صاحب ہدایہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ مدعی کی ایک تعریف یہ ہے کہ جو غیر ظاہر سے متمسک ہو اور مدعیٰ علیہ وہ ہے جو متمسک بالظاہر ہو (ہدایہ ص۲۰۰) اس لحاظ سے ہم صحیح احادیث اور اقوال حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کے ظاہر سے متمسک ہیں اور آپ اس کے خلاف ہیں اس لیے آپ مدعی ہیں اور ہم مدعیٰ علیہ ہیں لہٰذا آپ پر دلائل کا اثبات لازم ہے وثالثاً آپ کو یہ تو نظریہ بظاہر معلوم ہی ہوگا کہ حضرات احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتہم قرأۃ خلف الامام۔ رفع الیدین

عند الرکوع وعند رفع الرأس من الرکوع آمین بالجہر اور نماز میں سورۂ فاتحہ سے پہلے جہر کے ساتھ بسم اللہ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں اور ایسے ہی دیگر بے شمار مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں نافی ہیں اور یہ سب کے سب احکام شرع ہیں، بایں ہمہ نہ تو حضرات احناف نے صرف اتنی بات پہ اکتفاء کی ہے کہ چونکہ ہم نافی ہیں اس لیے ہمارے ذمہ دلائل نہیں ہیں اور نہ فریق ثانی ان کو دلائل قائم کئے بغیر چھوڑتا ہے باوجودیکہ وہ ان تمام مسائل میں نافی ہیں لیکن پھر وہ اپنے مقام پہ نقلی اور عقلی دلائل پیش کرتے ہیں اور اس پر وہ مجبور ہیں چونکہ آپ کا دعوےٰ غلط ہے قطعاً باطل اور خلاف اجماع ہے اور عوام کی گمراہی کا ایک بہت بڑا سبب ہے اس لیے آپ کو دلیل و برہان کا واضح ثبوت دینا ہوگا محض معصومانہ یا مجذوبانہ انداز سے آپ ہرگز گلو خلاصی نہیں کرا سکتے۔

؎ بچھڑ کر قافلے والوں سے جب تم رہ گئے تنہا تو پھر دشتِ ہوا پر دلربا بہنے سے کیا ہوگا

مؤلف مذکور اسی صفحہ میں لکھتے ہیں کہ اگر یہ اجماعی مسئلہ ہے تو مؤطا امام مالک اور صحاح ستہ اور مسند شافعی اور مسند امام اعظم رح وغیرہ وغیرہ کتابوں میں اس کا ذکر کیوں نہیں ہے؟ اور کیوں یہ خاموش ہیں!۔

الجواب:۔ یہ بھی نرا طفلانہ سوال ہے اولاً اس لیے کہ ان کتابوں میں تمام اجماعی مسائل کے تذکرہ کا ہرگز التزام نہیں کیا گیا بعض ایسے مسائل بھی ہیں جو اجماعی ہیں مگر ان کتابوں میں ان کا ذکر تک نہیں ہے مؤلف مذکور نے صفحہ ۲۵۳ تا ۲۵۵ میں ایک عجیب بے مغز اور نری ہوائی تقریر کی ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ۔ یہ ہے اجماع صحابہ تابعین خیر القرون اور ائمہ مجتہدین کا کہ قبر عرفی میں حضور کو زندہ نہیں مانتے الخ العیاذ باللہ تعالیٰ مؤلف مذکور کا ان تمام حضرات پہ یہ سراسر جھوٹ اور نرا افتراء ہے یہ تمام حضرات آپ کو قبر مبارک میں زندہ تسلیم کرتے ہیں اور ان میں سے ایک بھی ان کا منکر نہیں ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس مفروض اجماع کا ذکر ان کتابوں میں کہاں ہے۔ آخر یہ کتابیں اس اجماع کے ذکر سے کیوں خاموش ہیں؟ ع

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

وثانیاً۔ ابوداؤد وغیرہ صحاح ستہ ہی کی کتاب ہے اور اس میں اس کی تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر جو شخص سلام کہتا ہے آپ اس کو سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف روح مبارک لوٹائی ہوتی ہے۔ اسی پیش نظر کتاب میں اس کی بحث موجود ہے۔ اور صحاح ستہ اور حدیث وغیرہ ہی کی کتابوں میں تصریح ہے کہ عام مومنین بھی قبور کے پاس سلام کہنے والوں کا سلام سنتے اور اس کا جواب دیتے ہیں اس کی تحقیق راقم کی کتاب سماع الموتیٰ میں ملاحظہ فرمائیں اور یہ سب کچھ ان کی حیات فی القبور

کی بیّن دلیل ہے۔

نرالی تحقیق

فتح القدیر۔ فتاوی عالمگیری، نور الایضاح۔ طحطاوی اور دیگر متعدد کتابوں کے حوالہ سے ہم نے تسکین الصدور میں لکھا تھا۔ کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس حاضر ہو کر آپ سے طلب مغفرت کی سفارش کرانا درست ہے۔ ان عبارات کا جواب مؤلف ندائے حق نے یہ دیا ہے۔ بس ہم اب آسانی سے کہہ سکتے ہیں کہ جتنی کتابوں میں یہ مسئلہ قبر پر حضورؐ سے دعاء استغفار استشفاع کا جو معتبر کتب میں لکھا جا چکا ہے۔ وہ باغیوں کا لکھا ہوا ہے اور بس (انتہیٰ بلفظہ ندائے حق ص۳۱۱) یہ ہے مؤلف مذکور کا حضرات فقہاء کرام رح کی عبارات کا معقول اور شافی جواب جو اس قابل ہے کہ روس کے عجائب گھر کے دروازہ پر آویزاں کیا جائے لاحول ولا قوۃ الا باللہ تعالیٰ اسی طرح کے کئی اور باطل نظریات ان کے ہیں بعض کا ذکر آگے کتاب میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ اور بعض کا ذکر ہم نے مسئلہ سماع الموتیٰ میں کر دیا ہے۔

بیکار بھرتی

صاحب ندائے حق نے غیر متعلق حوالے تو کافی پیش کر دیئے ہیں اور کشید کرنے کی بھی بے حد سعی کی ہے لیکن ایک حوالہ بھی اس پر نہیں پیش کر سکے اور نہ ہی بفضلہ تعالیٰ قیامت تک پیش کر سکتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا قبر شریف میں آپ کے جسد اطہر سے کوئی تعلق نہیں اور آپ عند القبر صلوٰۃ وسلام نہیں سنتے (معاذ اللہ تعالیٰ) حضرت مجدد الف ثانی رح اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلوی رح وغیرہ حضرات کی بالکل غیر متعلق عبارات سے (جن کا ذکر آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ) اس کا ہرگز ہرگز ثبوت نہیں ہوتا اور ابھی تک مؤلف ندائے حق وغیرہ اپنے اس باطل اور بے بنیاد نظریہ پر کوئی دلیل نہیں قائم کر سکے اس سے قطعاً عاجز سراسر قاصر اور یقیناً بے بس ہو چکے ہیں۔

فتنہ انگیز کارنامہ

پوری کتاب ندائے حق میں بجائے اس کے کہ وہ اپنے باطل اور بے بنیاد دعاوی پر ٹھوس عقلی و نقلی دلائل پیش کرتے انہوں نے جمہور کے دلائل پر بلاوجہ تنقید کرنے اور ان میں کیڑے نکالنے پر ہی سارا زور صرف کیا ہے لیکن یہ سب کچھ ان کے سوء استعداد اور سوء مزاج کی واضح دلیل ہے محض تنقید کر دینے اور کچھ کہہ اور لکھ دینے سے دلائل حقہ کی تردید نہیں ہو جایا کرتی قرآن کریم اللہ تعالےٰ کی محکم کتاب ہے لیکن قدیماً و حدیثاً مشرکین کے مہمل اور بے سود اعتراضات بھی خود قرآن کریم اور کتب اسلامیہ میں موجود ہیں آریا کے مشہور لیڈر سروبانند سرسوتی نے اپنی کتاب ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب ہی بسم اللہ سے لے کر والناس تک قرآن پر تنقید کے لیے وقف کیا ہے کیا معاذ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو یہ

سمجھ لینا چاہیے کہ ایک پڑھا لکھا اور منطقی قسم کا آدمی اعتراض اور تنقید کر رہا ہے لہٰذا اس سے ضرور قرآن کریم کی صداقت متاثر ہوگئی ہے؟ یا مثلاً احادیث کے منکر موسلا دھار بارش کی طرح ان پر بلا وقفہ برستے ہیں۔ عبداللہ چکڑالوی۔ تمنا عمادی۔ اسلم جیراجپوری۔ اور مسٹر غلام احمد پرویز وغیرہ کے یہ بیباک کارنامے کس عالم اور غیور مسلمان سے اوجھل ہیں؟ پھر کیا یہ یقین کر لینا چاہیے کہ واقعی احادیث میں کمی کمزوری اور خامی ہے؟ کون مسلمان اس کے تصور کے لیے تیار ہے؟ حضرات صحابہ کرام رض پر تنقید کرنے والوں نے کیا کمی چھوڑی ہے؟ جس کی ادبی رنگ میں کمی اب مودودی صاحب نے خلافت و ملوکیت وغیرہ میں پوری کر دی ہے کیا سچ مچ یہ مان لینا چاہیے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کی وہ برگزیدہ شخصیتیں جن پر کلام اور تنقید ہوئی ہے حقیقت میں ایسے ہی ناقابل اعتبار اور گئے گذرے اخلاق کی مالک ہیں؟ اسی طرح ائمہ دین رہ اور فقہاء کرام رہ و محدثین عظام پر جو کڑی جرحیں کی گئی ہیں کیا وہ قابل اعتماد ہیں؟ اوروں کا تو قصہ ہی جانے دیجیے امام الائمہ سراج الامت حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رہ پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں خصوصیت سے امام خطیب بغدادی الشافعی رہ نے اپنی تاریخ بغداد میں امام صاحبؒ پر انتہائی ناشائستہ اور نازیبا جرحی اور تنقیدی بحث جو تقریباً پچاس صفحات میں کی ہے کیا وہ سب درست ہے؟ جس میں بعض حوالوں کے رو سے امام صاحبؒ کو عربی اور نحو سے ہی نابلد قرار دیا گیا ہے دور نہ جایئے قریب کے زمانہ میں بعض غالی غیر مقلدین نے فقہ حنفی پر جو کتابیں شائع کر کے لوگوں کے سامنے پیش کی ہیں جن میں حقیقۃ الفقہ خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔ کیا ایسی کتابوں کے پیش نظر تمام کتب فقہ حنفی سے ہاتھ دھو دینا چاہیے اور فقہ کی تمام کتابوں کو یہ کہہ کر رد کر دیا جائے کہ اگر ان میں درج شدہ مسائل ضروری اور اہم ہوتے تو ضرور ان کا ذکر قرآن و حدیث میں بصراحت ہوتا۔ ان حضرات کو ہوش میں آجانا چاہیے کیونکہ سوء مزاج میں مبتلا بعض افراد کی گرفت اور دینی طور پر بیباک اور غلط کار لوگوں کی تنقید کوئی حیثیت نہیں رکھتی حق جمہور کے ساتھ ہے اور بحمداللہ تعالیٰ تسکین الصدور کی ذمہ دار حضرات نے تصدیق کر دی ہے۔

روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق میں عقلاً کوئی استبعاد نہیں ہے

مسلمان کے ایقان و اطمینان کا ذریعہ تو قرآن کریم حدیث شریف اور اجماع امت کے واضح دلائل ہیں وہ ان کی موجودگی میں کسی اور چیز کا قطعاً محتاج نہیں ہوتا لیکن آج کی مادہ پرست دنیا اور عقل نارسا کی پجاری نئی پود کے لیے آج کی سائنس میں ایسی واضح مثالیں اور نظیریں بھی موجود ہیں جن سے وہ اپنے ضمیر کو سائنس کی ایجادات سے بھی مطمئن کر سکتے ہیں قریب کے زمانہ میں امریکہ نے تین مرتبہ چاند پر کامیابی

کے ساتھ اپنے آدمی اُتارے اور حیرت انگیز معلومات سے دنیا کو محوِ حیرت کر دیا پہلی مرتبہ ۱۶ر جولائی ۱۹۶۹ء کو امریکہ کے تین خلا باز۔ نیل آرمسٹرانگ۔ ایڈون آلڈرن اور مائیکل کولنز تین ہزار ایک ٹن وزنی خلائی جہاز اپالو یازدھم کے ذریعہ زمین سے روانہ ہو کر ایک سو دو گھنٹے پینتالیس منٹ اور بیالیس سیکنڈ میں چاند کی سطح پر پہنچے اول الذکر دونوں قمری گاڑی کے ذریعہ ۲۱ر جولائی ۱۹۶۹ء پاکستان وقت کے لحاظ سے ساڑھے سات بجے صبح قمری گاڑی سے چاند کی سطح پر اُترے اور دو گھنٹے پچپن منٹ تک کامیابی کے ساتھ تجربات کرتے اور مٹی کے نمونے جمع کرتے رہے اور چاند کی سطح پر انہوں نے لنچ بھی کھایا۔ اور اس وقت قمری گاڑی زمین سے دو لاکھ چالیس ہزار میل (سائنس دانوں نے جو نئی پیمائش کی ہے اس کے مطابق چاند زمین سے دو لاکھ چھبیس ہزار نو سو ستر میل دور ہے۔ اخبار امروز ۶ر اگست ۱۹۶۹ء ص۱) کے فاصلہ پر بحرِ سکوت کی دھول پر جمی رہی۔ آرمسٹرانگ اور آلڈرن چاند پر تجربات کے بعد گاڑی میں جا کر سو گئے تھے روانگی سے دو گھنٹے چون منٹ قبل انہیں بیدار کر دیا گیا اور اس طویل سفر میں خلائی جہاز اور قمری گاڑی اور خلا بازوں کے جسم کے ساتھ زمینی مرکز کیپ کینیڈی میں خلائی مرکز سے بدستور تعلق قائم رہا حتیٰ کہ ان کے دل کی رفتار تک سنائی دیتی رہی خلائی مرکز کے ڈاکٹر چارلس بیری نے بتایا کہ خلا باز جب چاند پر کام کر رہے تھے تو ان کے دل کی حرکت بالکل نارمل تھی حالانکہ چاند پر اترائی کے وقت ان کے دل کی رفتار ستر پچھتر سے یکدم نوّے اور تھوڑی دیر بعد ایک سو چھپن تک ہو گئی زمین کے مدار سے نکلنے کے بعد جب خلائی جہاز نے چاند کی طرف پرواز شروع کی تو اس کی رفتار چوبیس ہزار میل فی گھنٹہ تھی خلائی جہاز کو صحیح سمت پر رکھنے کے لیے گراؤنڈ کنٹرولر سائنسی آلات سے کام لیتے رہے اور انہوں نے خلا نوردوں کو بیدار کرنے کی کوشش نہیں کی بلکہ جی بھر کر سونے کی اجازت دی۔

(ماخوذ از اخبار امروز لاہور ۱۸ر جولائی ۱۹۶۹ء ص۱ کالم ۴ و ۲۲ر جولائی ۱۹۶۹ء ص۲ کالم ۱ تا ۴ ملخصاً)

اور اپالو پانزدھم ۱۵ جب ۲۶ر جولائی ۱۹۷۱ء کو روانہ ہوا تو اس میں تین مہ نورد تھے۔ ڈیوڈ سکاٹ جیمز ارون اور ورڈن ان میں مؤخر الذکر تو کمان گاڑی میں چاند کے گرد چکر لگاتا رہا اور پہلے دونوں چاند پر اترے انہوں نے کئی مقامات پر مٹی اور پہاڑوں کے نمونے حاصل کیے اور ضروری تجربات کیے اس مہم کا مقرر وقت سات گھنٹے تھا لیکن زمینی کنٹرول نے آکسیجن میں تیزی سے کمی آ جانے کے باعث اس میں نصف گھنٹے کی کمی کر دی زمینی کنٹرول نے کمانڈر سکاٹ کو انتباہ کیا کہ اس کے دل کی دھڑکن درست طور پر سنائی نہیں دیتی اس لیے وہ مقرر پروگرام سے زیادہ ہرگز کام نہ کریں۔ (اخبار مشرق لاہور ۲ر اگست ۱۹۷۱ء ص۱ کالم ۳) اس

مہم کے سربراہ سکاٹ نے چاند کی سطح پر پہنچنے کے بعد پروگرام کے مطابق چاند گاڑی کا دروازہ کھولا اور کوئی نصف گھنٹے تک اپنا آدھا جسم باہر نکال کر چاند کی فضا اور مناظر دیکھتے رہے اور جیمز ارون اپنی نشست پر ہی بیٹھے رہے دریں اثنا ٹیلی ویژن پر ان کا ہر کام واضح اور صاف دکھائی دے رہا تھا۔ (اخبار امروز لاہور یکم اگست ۱۹۷۱ء صہ۱ کالم ۷)

امریکہ نے ۲ مارچ ۱۹۷۲ء کو کیپ کینیڈی سے اپنا خلائی جہاز پانیر ۱۰ نظام شمسی کے سب سے دور دراز سیارہ مشتری کی طرف روانہ کر دیا ہے جو تقریباً تیس ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چل رہا ہے۔ مشتری زمین سے تقریباً ایک ارب کیلو میٹر دور ہے جبکہ سورج کا فاصلہ زمین سے ۰۰۰۰۰ ۴۸۳ میل ہے گویا مشتری کا سورج سے فاصلہ زمین سے سورج کے فاصلہ سے پانچ گنا زیادہ ہے اور اس کا قطر زمین سے گیارہ گنا زیادہ ہے زمین کا استوائی قطر ۸۸۷۰۰ میل ہے اور قطبی ۸۲۸۰۰ میل ہے یہ خلائی جہاز اگر اس کے آلات ٹھیک طور پر کام کرتے رہے۔ تو ۲۱ ماہ کے بعد ۳ دسمبر ۱۹۷۳ء مشتری کے مدار میں داخل ہوگا اور اس کے سائنسی آلات اتنے طاقتور ہیں کہ زمین سے دو ارب چالیس کروڑ میل کے فاصلہ تک وہ زمین سے رابطہ قائم رکھے گا۔ (ملخصاً)
(اخبار امروز لاہور ۱۹ محرم ۱۳۹۲ھ، ۲ مارچ ۱۹۷۲ء صہ۳ پس منظر (آخری ایڈیشن ۳ ستارے)

امریکہ نے حال ہی میں جو خلائی گاڑی وائی کنگ کامیابی سے مریخ پر اتاری ہے (زمین سے مریخ کی مسافت اکیس کروڑ پچاس لاکھ میل ہے) اس کے کھدائی کرنے والے ایک بازو میں پن خراب ہونے کی وجہ سے کام میں تعطل پیدا ہو گیا تھا زمین پر رہنے والے سائنسدانوں نے اس کی خرابی دور کر دی اور وہ کام کر رہی ہے۔

چنانچہ اخبار نوائے وقت لاہور ۲۷ جولائی ۱۹۷۶ء ۲۹ رجب ۱۳۹۶ھ صہ۱ کالم ۵ میں یہ سرخی قائم کی ہے۔ خلائی گاڑی کے مشینی بازو کو زمینی مرکز سے درست کر دیا گیا آگے تفصیل یوں درج ہے۔ پساڈینا کیلیفورنیا ۲۶ جولائی (اے پی) مریخ پر اترنے والی وائی کنگ کی خلائی گاڑی کا جو مشینی بازو خراب ہو گیا تھا اسے سائنسدانوں نے زمینی آلات کی مدد سے ٹھیک کر دیا ہے اور وہ مریخ پر زندگی کے امکانات معلوم کرنے کے لیے بدھ کے روز سے پھر کھدائی شروع کر دے گا۔ وائی کنگ کی کدال کا یہ بازو اسے وائی کنگ سے جوڑنے والے ایک پن کے خراب ہو جانے کی وجہ سے معطل ہو گیا تھا الخ

یہ تو انسانی سائنس اور انسانی کوشش اور کاوش کا ایک نتیجہ ہے کیا اللہ تعالیٰ کی قادر مطلق ذات کو اس پر قدرت نہیں ہے کہ ارواح کو علیین یا سجین میں رکھنے کے باوجود (جیسا کہ روایات سے ثابت ہے)

ان کا تعلق قبروں میں ان کے اجسام یا اجسام کے ذرات سے وابستہ رکھے؟ اگر یہ اُمور وقوع پذیر ہو سکتے ہیں اور سورج کا تعلق زمین سے ایک واضح مشاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے تو ارواح کے اجسام کے ساتھ تعلق رکھنے میں بھی عقلی طور پر ہرگز کوئی مضائقہ نہیں ہے مرنے کے بعد روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق کو مستبعد سمجھنے والے حضرات میں اگر حق کی طلب و جستجو ہے تو انشاء اللہ تعالیٰ بالآخر یہ اپنی غلطی کا ضرور احساس کرکے جمہور اور اکابر کا دامن تھام لیں گے کیونکہ حق کی راہ میں چلنے والے زیادہ دیر تک الگ نہیں رہ سکتے حق ان کو جمع کرکے ہی رہتا ہے کیونکہ حق کی فطرت ہی جمع و تالیف اور وحدت و یگانگت کی متقاضی ہے تفرقہ اور تحزّب صرف اسی صورت میں رُونما ہوتا ہے جب حق کے ساتھ کچھ نہ کچھ باطل اور نفسانیت کی آمیزش ہو یا اوپر تو حق کی نمائش ہو اور اندر باطل مفاد پرستی انانیّت اور ذاتیات کارفرما ہوں نعوذ باللہ من شرور انفسنا ـــ

ممکن ہے کہ تو جس کو سمجھتا ہے بہاراں
اوروں کی نگاہوں میں وہ موسم ہو خزاں کا۔

سخنہائے گفتنی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡم!

اَمَّا بَعۡدُ!

① قیامت کی نشانیاں تو بہت کچھ ہیں مگر ان میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ ہر آنے والا دن پہلے دن سے ہر لحاظ سے متفاوت ہے گو اس دور میں مادی ترقی کو بہت کچھ عروج حاصل ہو رہا ہے لیکن افسوس کہ دین سے بے اعتنائی اور غفلت بھی برق رفتاری کے ساتھ ترقی پذیر ہے اور دین کے نام پر بہت سے فتنے پروان چڑھ رہے ہیں اور ہر پڑھا لکھا اور قادر علی الکلام آدمی اپنے کو مجدّد اور مجتہد سے کم نہیں سمجھتا اور اپنی رائے اور فہم کو حرفِ آخر اور قطعی تصوّر کئے بیٹھا ہے اور واعجاب[1] کل ذی رأیٍ برأیہ کا ارشاد پورا ہو رہا ہے یعنی ہر آدمی اپنی رائے پر مغرور و نازاں ہو گا حالانکہ راہ نجات اور سلامتی کا طریقہ ہی وہی ہے جس پر حضرات سلف صالحینؒ گامزن اور عمل پیرا تھے اُن کے دامن سے وابستہ رہنا ہی فلاح و کامیابی کا ضامن اور اس سے کنارہ کشی اختیار کرنا ہلاکت و بربادی اور گمراہی و ضلالت کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو حضرات سلف صالحینؒ کے دامن سے وابستہ رکھے آمین۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھے تمہاری خطا کا خطرہ نہیں لیکن مجھے تمہارے جان بوجھ کر (غلط کاری) اختیار کرنے کا خطرہ ہے

---

[1] یہ ایک حدیث کا جملہ ہے جو حضرت ابو ثعلبہ خشنی رضؓ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا حتّٰی اذا رأیت شحًا مطاعًا وھوی متبعًا واعجاب کل ذی رأیٍ برأیہ فعلیک نفسک ودع امر العوام الحدیث (ابوداؤد ج۲ ص۲۴۱ و موارد الظمآن) یعنی جب تو بخل کو مطاع اور خواہش نفسانی کو مقتدا اور ہر رائے والے کو اپنی رائے پر مغرور و نازاں دیکھے تو اس وقت تو اپنے نفس کی فکر کر اور عوام کا معاملہ چھوڑ دے

(موارد الظمآن ص ۶۱۴ ولفظہ وما اخشی علیکم الخطأ ولٰکنی اخشی علیکم العمد)

② چند سال سے پاکستان میں بعض مسائل وجہِ نزاع بنے ہوئے ہیں جن میں علی الخصوص مسئلہ حیات الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع، قبر اور برزخ کے عذاب کی نوعیت اور توسل وغیرہ ان میں قابلِ ذکر ہیں بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ قبور میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواحِ طیبات کا ان کے اجسام مبارکہ سے کوئی تعلق نہیں ہاں یوں اُن کے اجسام مبارکہ بالکل محفوظ ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا سماع نہیں فرماتے اور اسی طرح عذاب قبر ان میں سے بعض کے نزدیک صرف روح کو ہے اور بعض کے نزدیک صرف بے جان جسم کو اور دعا میں توسل بھی جائز نہیں جب کہ جمہور علماء کرام ان نظریات کے بالکل مخالف ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام جسم اور روح دونوں سے متعلق ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عند القبر صلوٰۃ وسلام کا بنفس نفیس خود سماع فرماتے اور جواب دیتے ہیں اور اسی طرح قبر میں نیکوں کو جو راحت و آرام اور گنہگاروں کو جو عذاب و سزا ہوتی ہے وہ بدن مادی اور روح دونوں سے متعلق ہے اور توسل کا مسئلہ اپنی جائز صورتوں کے ساتھ جائز اور مشروع ہے ملک کے طول و عرض میں جب یہ مسائل منظرِ عام پر آئے تو عامۃ المسلمین کا رجوع ملک میں حضرات علماء کرام کی ذمہ دار جماعت جمعیۃ علماء اسلام کی طرف ہوا جن میں محقق اور مدرس عالم بھی ہیں اور مناظر و مقرر بھی تصنیف و تالیف کے میدان میں بھی قابل اعتماد ہیں اور ملکی سیاست میں بھی ان کا بفضلہ تعالیٰ خاصا حصہ ہے کافی غور و خوض کے بعد محض عوام کی رہنمائی کے لیے انہوں نے ان مسائل میں اپنے بزرگوں کی اور خود اپنی رائے کا اظہار ضروری سمجھا اُن میں سے بعض مسائل پر حضرت مولانا علامہ خالد محمود صاحب ایم اے سیالکوٹی نے ایک عمدہ، مدلل اور بہترین کتاب مقام حیات لکھ کر اہلِ علم کی علمی تشنگی بجھائی ہے اس کتاب کے بعض حوالوں اور دلائل اور ان سے طرز استدلال میں تو علمی اور تحقیقی طور پر اختلاف ہو سکتا ہے لیکن مجموعی اعتبار سے یہ عمدہ اور ٹھوس کتاب ہے اور ہم نے بھی بعض حوالوں میں اس سے استفادہ کیا ہے مگر پھر بھی ان تمام مسائل پر مدلل طریقہ سے کتاب کی ضرورت باقی تھی جس کی ضرورت علماء کرام نے محسوس کی۔

③ ۲ ربیع الاول ۱۳۸۲ھ مطابق ۴ اگست ۱۹۶۲ء میں جمعیۃ علماء اسلام کے مرکزی اجلاس میں جو لاہور میں منعقد ہوا اور جس میں ملک بھر کے سینکڑوں ذمہ دار علماء کرام تشریف فرما تھے ان مسائل پر بھی خوب گرما گرم بحث ہوئی بالآخر بالاتفاق یہ طے ہوا کہ ان مسائل کی ترتیب و تدوین اور ان کے باحوالہ مدلل و مبرہن کرنے کے

لیے ایک کمیٹی بنائی جائے اور وہ ان مسائل پر علمی مواد جمع کرے اور اس کے بعد ذمہ دار حضرات کی رائے سے ان کو شائع کیا جائے چنانچہ اس کمیٹی کے لیے پانچ حضرات منتخب ہوگئے۔

(۱) حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم (۲) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب ظلہم مجدہم (۳) حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی رحمہ اللہ تعالیٰ (۴) حضرت مولانا عبدالحق صاحب دامت فیوضہم داکوڑہ خٹک (۵) راقم اثیم، اور اس کمیٹی کا ناظم راقم کو منتخب کیا گیا باوجود نااہلی عدیم الفرصتی اور علالت کے ناچار الامر فوق الادب کے قاعدہ کے تحت اکابر کا حکم اور فیصلہ تسلیم کرنا پڑا آخر مشہور مقولہ ہے حکم حاکم مرگ مفاجات ان جملہ اکابر کی ہدایت اور حکم کے مطابق راقم نے ان مسائل کو جمع کیا اور ان کو اطلاع دی کہ مجموعہ مرتب ہو چکا ہے اس پر اظہار رائے کے لیے کوئی جگہ اور وقت متعین کریں مگر مشکل یہ پیش آئی کہ کراچی و ملتان اکوڑہ خٹک و سرگودھا اور گکھڑ ایک دوسرے سے سینکڑوں میل دور واقع ہیں اور مستزاد براں ان میں سے ہر بزرگ اپنے مقام پر انتہائی مصروف تھے اور راقم اثیم ان سب سے بڑھ کر مصروف تھا اگر ایک صاحب کو فراغت نصیب ہوتی تو دوسرے کسی اُلجھن میں مبتلا ہوتے اور اگر کسی دوسرے کو قدرے فرصت ملتی تو کوئی اور صاحب مصر و عرب وغیرہ کے دورہ پہ ہوتے اور کچھ نہ ہوتا تو مرض و علالت ہی دامن گیر ہو جاتی الغرض رکاوٹ پر رکاوٹ اور تاخیر پر تاخیر پیش آتی رہی اور کتاب کی سماعت اور اس پر رائے زنی کا موقع میسر نہ آسکا حتیٰ کہ اس کمیٹی کے ایک بزرگ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب سرگودھوی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۳۸۵ھ) اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے اور یہ معاملہ جوں کا توں معلق رہا مگر کیا کیا جائے تقدیر میں ہر کام کا ایک وقت مقرر ہے۔

(۵) بالآخر ۲۴، ۲۵ شعبان ۱۳۸۷ھ مطابق ۲۷، ۲۸ نومبر ۱۹۶۷ء کی تاریخیں منتخب ہوئیں اور ملتان خیر المدارس جگہ متعین ہوئی مگر حضرت مولانا عبدالحق صاحب دام مجدہم خود تشریف نہ لا سکے اور ایک نوازشنامہ ارسال فرمایا جو بعینہٖ درج ذیل ہے، اسی طرح سوء اتفاق سے حضرت مولانا محمد یوسف صاحب مدظلہ بھی شریک نہ ہو سکے۔ ان کا جو پیام آیا وہ ذیل میں درج کیا جا رہا ہے۔

(۱) حضرت مولانا شیخ الحدیث محمد یوسف صاحب بنوری دامت برکاتہم کا گرامی نامہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

گرامی مآثر مولانا المحترم وفقکم اللہ لکل خیر وسعادۃ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ:- میں رحیم آباد، رحیم یار خان اور چند گھنٹوں کے لیے ملتان گیا تھا، ۹ نومبر سے ۲۶ر تک میں یہاں غیر موجود تھا، واپسی پر ڈاک میں مکتوب گرامی ملا اور آج ۲۸ نومبر پڑھنے کا اتفاق ہوا بہت صدمہ ہوا آج ۲۵ شعبان ہے شام کا وقت ہے، اگر مجھے اس کا علم ہو جاتا تو میں ملتان ٹھہر جاتا انا للہ بہرحال نہ خود حاضری کا امکان نہ نائب مقرر کرنے کا سوال۔ میری غیر موجودگی میں جو صاحب ڈاک کے منتظم تھے وہ بھی تعطیل میں رخصت ہو گئے تھے، ورنہ مجھے ٹیلیفون یا تار سے مطلع کرتے۔ بہرحال اب جو کچھ آپ حضرات نے فیصلہ کر لیا ہوگا وہ بالکل درست ہوگا، مجھے اس سے اتفاق ہوگا۔ مجھے اس کا اطمینان ہے کہ وہ درست ہوگا اور صحیح ہوگا۔ اب زیادہ تاسف کیا ہو سکتا!

والسلام

محمد یوسف بنوری عفا عنہ

۲۵ شعبان ۱۳۸۷ھ

(۲) حضرت مولانا محمد عبدالحق صاحب شیخ الحدیث مدرسہ حقانیہ دامت برکاتہم کا نوازش نامہ

حوالہ نمبر ۱۵۹۳۷ ۱۸ رجب ۱۳۸۷ھ

بگرامی خدمت مخدومی المحترم المکرم جناب حضرت العلامہ مولانا صاحب

زادکم اللہ مجداً وسعوداً

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

گرامی نامہ باعث عزت افزائی بنا۔ یاد فرمائی کا تہ دل سے مشکور ہوں۔ مسائل مذکورہ کے بارہ میں مجھے آنمحترم کے گرانمایہ تحقیقات سے کلی اتفاق ہے۔ پھر دیگر حضرات اکابر و افاضل کے غور و خوض سے جو فیصلہ ہوگا۔ اس سے میرے اختلاف کی کیا مجال ہے۔ آپ حضرات نے جو بھی طے کیا، اس کی میں کاملاً تائید کرتا ہوں۔ میٹنگ میں بھی شمولیت سرمایہ سعادت سمجھتا ہوں۔ مگر افسوس کہ ان ہی دنوں بعض ایسے موانع اور اعذار درپیش ہیں، جس کی وجہ سے ملتان حاضر نہ ہو سکوں گا۔ ایسے قلیل وقت میں مجوزہ مشاغل کو ملتوی کرنا بھی مشکل ہے، حضرات اکابر نے جو بھی فیصلہ کیا۔ میرا اتفاق س کے ساتھ لکھ لیں، اور اگر مزید ضرورت ہو۔ تو مسائل مذکورہ کے بارہ میں اُن حضرات کی رائے گرامی یہاں ارسال فرما دیں۔ میں بھی تائیدی دستخط ثبت کر لوں گا۔ امید ہے میری واقعی مجبوریوں کی وجہ سے نہ آسکنے پر کبیدہ خاطر

نہ ہوں گے، آپ کا وجود علمی اور دینی دنیا کے لیے مغتنمات میں سے ہے۔ خداوند تعالیٰ مساعی جمیلہ کو برکت اور قبولیت سے نوازے، آمین، آمین والسلام

بندہ عبد الحق غفرلہ، مہتمم دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک۔

ملتان کے اس اجلاس میں جن حضرات نے شرکت کی اور اوّل سے آخر تک راقم کتاب سُناتا رہا اور یہ بزرگ سُنتے رہے اور بعض بعض مقامات میں اصلاح بھی کرتے رہے اور آخر میں بعض مسائل پر بحث بھی ہوئی اور ان کی ہدایت پہ عمل کیا گیا) وہ یہ ہیں:-

(۱) حضرت مولانا خیر محمد صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ (۲) حضرت مولانا مفتی محمود صاحب دام مجدہم (۳) حضرت مولانا مفتی محمد عبد اللہ صاحب دام مجدہم (ملتان) (۴) حضرت مولانا محمد عبد اللہ صاحب دام مجدہم جامعہ رشیدیہ ساہیوال (۵) حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ (۶) حضرت مولانا غلام غوث صاحب دامت برکاتہم (۷) حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحب دام مجدہم (چکوال) (۸) حضرت مولانا محمد نذیر اللہ خان صاحب دام مجدہم گجرات (۹) راقم اثیم (۱۰) اور گاہے گاہے حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب کوہاٹی نائب مفتی خیر المدارس ملتان بھی اس میں حصّہ لیتے رہے۔

(۶) یہ بات بھی اچھی طرح محفوظ خاطر رہے کہ قرآنِ کریم اور حدیث شریف کے معانی و مطالب جس طرح حضرات سلف صالحینؒ نے سمجھے اور بیان کیے ہیں وہی صحیح اور درست ہیں کیونکہ ان میں علم اور علم کا عمق خدا خوفی اور ورع جس طرح موجود تھا وہ بعد کے آنے والوں کو نصیب نہیں ہو سکا اور زمانۂ رسالت کے قرب کی برکت اور خیر القرون کی سعادت سے جس انداز سے وہ بہرہ ور ہوئے وہ انہی حضرات کا حصّہ ہے۔ خلیفہ راشد حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ (المتوفی ۱۰۱ھ) نے ایک موقع پر منکرین تقدیر کو نصیحت کرتے ہوئے ایسی بہترین باتیں ارشاد فرمائی ہیں جو بلا مبالغہ آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں انہوں نے طویل مضمون میں ان لوگوں کے شبہات کا ازالہ فرمایا اور پوری ہمدردی اور دلسوزی سے ان کی خیر خواہی کی، ان لوگوں کا یہ شبہ تھا کہ اگر تقدیر پہ ایمان لانا ضروری ہے اور یہ قرآن (وحدیث) سے ثابت ہے تو قرآن کریم میں ایسی آیات کیوں موجود ہیں جن سے تقدیر کی نفی ثابت اور معلوم ہوتی ہے۔ ان کے اس پادر ہوا شبہ کو رد کرتے ہوئے حضرت عمرؒ بن عبد العزیزؒ نے جو کچھ فرمایا وہ سارا مضمون پڑھنے اور یاد رکھنے کے قابل ہے۔ اس کے چند جملے یہ ہیں۔

ولئن قلتم لم انزل الله آية كذا ولم	اور اگر تم یہ کہو کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں آیت کیوں نازل
قال كذا لقد قرؤا منه ما قرأتم وعلموا من	فرمائی ہے (جس سے تقدیر کا انکار ثابت ہوتا ہے)

تاویلہ ما جہلتم وقالوا بعد ذالك كله بكتاب وقدر وما يقدر يكن وما شاء الله كان وما لم يشأ لم يكن ولا تملك لانفسنا نفعاً ولا ضراً ثم رغبوا بعد ذلك ورهبوا

(ابوداؤد جلد ۲ ص۲۷۸)

اور اللہ تعالیٰ نے اس طرح کیوں فرمایا ہے؟ (تو اس کا جواب یہ ہے) کہ بلاشبہ قرآن کریم کی یہ آیتیں اور مضمون حضرات سلف صالحینؒ نے بھی پڑھا ہے جیسا کہ تم پڑھتے ہو مگر وہ اس کا مطلب سمجھ گئے اور تم نہ سمجھ سکے اور باوجود اس کے انہوں نے (پہلے ہی سے اعمال کے) لکھنے کا اور تقدیر کا اقرار کیا سو ہر چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں سے مقدر ہوتی ہے اور جس کو وہ چاہتا ہے وہ ہو کر رہتی ہے اور جس کو وہ نہیں چاہتا وہ نہیں ہوتی اور ہم اپنے لیے نہ تو نفع کے مالک ہیں اور نہ ضرر کے اور پھر وہ راغب (الی اللہ) بھی رہتے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے بھی رہے۔

مراد واضح ہے کہ قرآن کریم کی ان آیات سے اگر تمہیں تقدیر کا انکار معلوم ہوتا ہے تو یہی قرآن کریم اور اس کی آیات حضرات سلف صالحینؒ کے سامنے بھی تو تھیں پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو ان آیات سے نفی معلوم نہ ہوئی اور تمہیں معلوم ہو گئی کیسے باور کیا جائے کہ تم ان آیات کی تہ تک رسائی حاصل کر گئے اور ان پر یہ راز منکشف نہ ہو سکا۔ اس کا مطلب بجز اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ اگرچہ تم قرآن کریم کی آیات پڑھتے ہو لیکن ان کا مطلب نہیں سمجھتے اور ٹھوکر کھا جاتے ہو اور حضرات سلفؒ ان کی تہ تک پہنچ گئے تو انہی کے دامن سے وابستہ رہنا ضروری اور کامیابی کی چابی ہے اور ان سے اعراض نرا خطرہ کا الارم ہے۔ اور پھر جمہور امت اور اکثریت کا خطا سے محفوظ رہنا نصوص سے ثابت ہے اکیلے دوکیلے کی غیر معصوم رائے ان کے مقابلہ میں کیا وقعت رکھتی ہے؟ علامہ اقبال مرحوم نے کیا اچھا فرمایا ہے کہ ؎

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں

اس لیے قرآن کریم کی ہر آیت اور ہر حدیث کا مطلب سمجھنے کے لیے حضرات سلف صالحینؒ کا دامن تھامنا ضروری ہے اور یہی نجات کا راستہ ہے۔ اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ۔

باب اوّل

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ اَلَّذِيْ لَا شَرِيْكَ لَهٗ فِي الْخَلْقِ وَالْاَمْرِ بِيَدِهٖ الْمَوْتُ وَالْحَيٰوةُ وَهُوَ الَّذِيْ قَالَ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ وَهُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ وَاَعْلٰى دَرَجَتَهٗ فِيْ اَعْلٰى عِلِّيِّيْنَ وَحَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ جَسَدَهُ الشَّرِيْفَ وَاَجْسَادَ سَائِرِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ اَنْ تَاْكُلَهَا وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ عِنْدَ قَبْرِهٖ سَمِعَهٗ وَمَنْ صَلّٰى عَلَيْهِ نَائِيًا بُلِّغَهٗ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ وَاَزْوَاجِهٖ وَجَمِيْعِ مُتَّبِعِيْهِ اِلٰى يَوْمِ الدِّيْنِ۔ آمین ثُمَّ آمین۔

قبر کی راحت اور عذاب حق ہے۔ اور اس کا انکار کُفر ہے۔

جملہ اہل السنت والجماعت اس عقیدہ پر متفق ہیں کہ قبر اور برزخ میں اہل ایمان اور اصحاب طاعات کو لذت و سرور نصیب ہوتا ہے اور کفار و منافقین اور گناہگاروں کو عذاب و تکلیف حاصل ہوتی ہے اس میں کسی شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے، قرآن و سنت اور اجماع امت کے صریح دلائل کے پیش نظر یہ عقیدہ اتنا مضبوط ہے کہ حضرات فقہاء کرامؒ کا ذمہ دار گروہ عذاب قبر کے منکر کو کافر کہتا ہے حالانکہ وہ تکفیر کے مسئلہ میں بڑا ہی محتاط ہے اور ان کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر کسی ایک کلمہ میں مثلاً سو معانی کا احتمال بھی پیدا ہو سکتا ہو جن میں ۹۹ ننانوے پہلو کفر کے نکلتے ہوں اور صرف ایک ہی پہلو اسلام کا پیدا ہوتا ہو تو قائل کی تکفیر نہیں کی جائے گی کیونکہ ہو سکتا ہے کہ قائل کی مراد اسلام ہی کا پہلو ہو ہاں اگر وہ خود ہی کفر کا کوئی معنی اور پہلو متعین

کردے تو پھر کفر کے فتویٰ سے اس کو کوئی تاویل نہیں بچا سکتی، مسئلہ کی وضاحت کے لیے ہم مسلّم حضرات فقہاء کرامؒ میں سے چند بزرگوں کی شہادت نقل کرتے ہیں:۔

① علامہ طاہرؒ بن احمد۔ الحنفیؒ (المتوفی ۵۴۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ولا تجوز الصلوٰة خلف من ينكر شفاعة النبي عليه الصلوٰة والسلام وينكر كرام الكاتبين وعذاب القبر كذا من ينكر الرؤية لانه كافر

(خلاصة الفتاوىٰ جلد ۱ ص ۱۴۹)

جو شخص آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی شفاعت اور کرام کاتبین اور عذابِ قبر اور رؤیۃ باری تعالیٰ کا منکر ہو اس کے پیچھے نماز درست نہیں ہے، کیونکہ وہ کافر ہے۔

یہ عبارت اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل روشن ہے کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔

② محقق علی الاطلاق حافظ ابن الہمام محمدؒ بن عبد الواحد۔ الحنفی (المتوفی سنہ ۸۶۱ھ) فرماتے ہیں کہ:۔

ولا تجوز الصلوٰة خلف منكر الشفاعة والرؤية وعذاب القبر والكرام الكاتبين لانه كافر لتوارث هذه الامور عن الشارع صلى الله عليه وسلم

شفاعت اور اللہ تعالیٰ کے دیدار اور عذابِ قبر اور کرام کاتبین کے انکار کرنے والے کی اقتداء میں نماز درست نہیں ہے کیونکہ وہ کافر ہے اس لیے کہ یہ امور شارع علیہ السّلام سے تواتر کے ساتھ ثابت ہیں۔

(فتح القدیر جلد ۱ ص ۲۴۷ طبع مصر)

یہ حوالہ بھی اپنے مدلول میں صریح ہے فتاویٰ عالمگیری (جلد ۲ ص ۳۰۱ طبع مصر) میں بھی انکار عذاب قبر کو کفر لکھا ہے۔

③ امام ابو عبد اللہ محمدؒ بن احمدؒ بن بکر الانصاری الخزری الاندلسی القرطبیؒ (المتوفی سنہ ۶۷۱ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

فاعلموا ايها الاخوان ان عذاب القبر ونعيمه حق كما صرحت به الاحاديث الصحيحة ولكن الله تعالى يأخذ بابصار الخلائق واسماعهم

اے بھائیو تم بخوبی جان لو کہ قبر کا عذاب اور اس کی راحت برحق ہے جیسا کہ صحیح احادیث صراحت سے اس پر دلالت کرتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ اپنی (مکلّف) مخلوق میں سے

من الجن والانس عن رؤیة عذاب القبر ونعیم لحکمة الٰھیۃ ومن شك فی ذلك فھو ملحد اھ (مختصر تذکرۃ القرطبیؒ لعبد الوھاب الشعرانیؒ ● ص۳۶ طبع مصر)

جنوں اور انسانوں کی آنکھوں اور کانوں سے قبر کے عذاب اور راحت کو اوجھل رکھتا ہے کیونکہ حکمت الٰہی کا تقاضا ہی یہی ہے اور جو شخص اس کا انکار کرے تو وہ ملحد ہے۔

علامہ ابوشکور السالمیؒ (المتوفی سنہ [illegible]) فرماتے ہیں کہ :-

فاما عذاب القبر للمؤمنین من الجائزات وللکافرین من الواجبات واللہ تعالیٰ یقول اَلنَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا یعنی فرعون وقومه دل انه کان صحیحا فی ای موضع وعلی ای حال ومن انکر ھذا یصیر کافرا واللہ اعلم (تمھید ص۱۲۵ طبع لاھور)

عذاب قبر مومنوں کے لیے جائز اور کافروں کے لیے واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ فرعون اور اس کی قوم صبح و شام آگ پر پیش کی جاتی ہے۔ یہ ارشاد دلالت کرتا ہے کہ عذاب صحیح ہے جس جگہ میں ہو اور جس حالت میں ہو جو اس کا منکر ہو سو وہ کافر ہے واللہ تعالیٰ اعلم

مولانا عبد العلی بحر العلومؒ الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۳۵ھ) لکھتے ہیں کہ

منکر الشفاعة لاھل الکبائر والرؤیة وعذاب القبر ومنکر الکرام الکاتبین کافر۔ (رسائل بحر العلوم ص۹۹)

اہل کبائر کے لیے شفاعت، رؤیت باری تعالیٰ، عذاب قبر اور کرام کاتبین کا انکار کرنے والا شخص کافر ہے۔

ذخیرۂ کتب حدیث میں صحیح اور صریح احادیث میں جن کا احصاء و شمار بھی مشکل ہے۔ بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ قبر کی راحت اور عذاب کا ذکر ہے۔ اور عذاب قبر کا ذکر قرآن کریم میں بھی مذکور ہے مگر کچھ لوگ اپنی بد قسمتی سے قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں دیکھنے کے بجائے محض اپنی نارسا عقل اور مادی طبیعت کے زور سے ان مسائل کو حل کرنے کی بے جا سعی کرتے ہیں اور اپنی رائے سے قرآن کریم کی تفسیر کرنے کے خوگر ہیں وہ دیگر کئی مسائل کی طرح عذاب قبر کا بھی انکار کرتے ہیں کیونکہ ان کی ناقص سمجھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرنے کے بعد ثواب و عقاب اور راحت و عذاب بے جان جسم کو ہو؟ لیکن نصوص قطعیہ اس باطل نظریہ کی پُر زور تردید کرتی ہیں۔ اور یہ ثابت کرتی ہیں کہ جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے اور قطع نظر احادیث کے قرآن کریم میں عذاب برزخ کا ذکر ہے اپنے دعویٰ کو مبرھن کرنے کے لیے ہم

چند آیات پیش کرتے ہیں :-

(۱) اللہ تعالیٰ سرکشوں اور باغیوں کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ :-

وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِىْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ	اور اگر تو دیکھے جس وقت کہ ظالم موت کی سختیوں میں ہونگے
وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا	اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھائے ہوں گے (اور کہیں گے کہ) نکالو
اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ	اپنی جانیں آج کے دن تمہیں بدلہ ملیگا ذلّت کے عذاب کا
بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ	اس سبب سے کہ تم اللہ تعالیٰ پر جھوٹی باتیں کہتے تھے اور اس کی
عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ○	آیتوں سے تکبر کیا کرتے تھے۔

(پ۷۔ الانعام۔۱۷)

خروج نفس اور روح کے بعد اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ میں جس عذاب کا ذکر کیا گیا ہے یہی اصطلاح شریعت میں عذاب قبر اور عذاب برزخ کہلاتا ہے اور چونکہ یہ الفاظ استعمال کرنے والے معصوم فرشتے ہیں جن کے صادق ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہو سکتا اور جو بجز پروردگار کے بلائے بولنے کے مجاز نہیں اس لیے اگر مرنے کے بعد جلدی ہی عذاب نہ ہو تو (معاذ اللہ تعالیٰ) یہ کلام صادق نہ رہے گا اور جب یہ ارشاد حق ہے تو ثابت ہوا کہ مرنے کے بعد عذاب ہوتا ہے۔ (ماخوذ از کتاب الروح ص۹۳)

(۲) دوسرے مقام پر نافرمانوں اور مجرموں کے تذکرہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ :-

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ يَتَوَفَّى الَّذِيْنَ كَفَرُوا	اور اگر دیکھے تو جس وقت جان قبض کرتے ہیں فرشتے
الْمَلٰٓئِكَةُ يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَ	کافروں کی (اور) مارتے ہیں ان کے منہ اور ان کی
اَدْبَارَهُمْ وَذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ○	کمریں اور کہتے ہیں چکھو عذاب جلنے کا۔

(پ۱۰، الانفال، ۷)

مرنے کے بعد جو عذاب الحریق کافروں کو چکھایا جائے گا وہی عذاب قبر اور عذاب برزخ ہے اس آیت کریمہ سے بھی بلا کسی تاویل کے ثابت ہوا کہ موت کے وقت ہی سے کافروں کو عذاب کی وعید سُنا دی جاتی ہے اور لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہونے کے فوراً بعد عذاب شروع ہو جاتا ہے۔

(۳) ایک مقام پر فرعونیوں کا واقعہ نقل کرتے ہوئے رب العزّت فرماتے ہیں کہ :-

وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ○	اور گھیر لیا فرعونیوں کو بری طرح کے عذاب نے وہ آگ ہے

Www.Aitehad.com

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّ عَشِیًّا
وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْٓا اٰلَ فِرْعَوْنَ
اَشَدَّ الْعَذَابِ ○ (پ ۲۴، المؤمن، ۵)

کو پیش کیے جاتے ہیں اس پر صبح و شام اور جس دن قیامت
قائم ہوگی حکم ہوگا کہ داخل کرو فرعونیوں کو سخت سے
سخت عذاب میں۔

اس ارشاد سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ صبح و شام یعنی بدوام و استمرار کے ساتھ فرعونیوں کو آگ کے عذاب پر پیش کیا جاتا ہے اور وہی عذاب قبر اور عذاب برزخ کہلاتا ہے کیونکہ قیامت کا عذاب تو وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے جو اَشَدُّ الْعَذَابِ ہوگا اور جو حکم فرعونیوں کا ہے وہی حکم جملہ کفار اور مشرکین کا ہے کیونکہ جو علت ان کے عذاب اور سزا کی ہے وہی دوسروں میں بھی پائی جاتی ہے۔

حافظ عماد الدین بن کثیر الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۷۷۴ھ) اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

وهذه الآیة اصل کبیر فی استدلال
اهل السنة علی عذاب البرزخ فی القبور
(تفسیر ابن کثیر جلد ۴ ص ۸۱ طبع مصر)

یہ آیت کریمہ قبر میں عذاب برزخ کے اثبات کے
سلسلہ میں اہل سنت کے لیے ایک بڑا قاعدہ اور ضابطہ ہے۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کی نافرمان اور مجرم قوم کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:۔

مِمَّا خَطِیْٓـٰٔتِهِمْ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا ○
فَلَمْ یَجِدُوْا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْصَارًا ○
(پ ۲۹۔ نوح ۲)

بوجہ اپنے گناہوں کے وہ غرق کیے گئے پس ڈالے گئے
آگ میں پھر نہ پایا انہوں نے اپنے لیے اللہ تعالیٰ کے
سوا کوئی مددگار۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضرت نوح علیہ السلام کی مجرم قوم غرقاب ہوتے ہی فوراً عذاب میں مبتلا ہوگئی کیونکہ اُغْرِقُوْا ماضی کا صیغہ ہے اور اسی طرح فَاُدْخِلُوْا بھی ماضی ہے جس میں حرف فَا ہے جو تعقیب بلا مُہلت کے لیے آتا ہے۔ (الخیالی ص ۱۱۹) اور مرنے کے بعد فوراً جو عذاب ہوتا ہے اسی کا نام عذاب قبر اور عذاب برزخ ہے ان آیات طیبات سے معلوم ہوا کہ اصل عذاب قبر کا ثبوت قرآن کریم میں موجود و مذکور ہے ہاں اس کی تفسیر و تشریح جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے وحی پاکر اپنی زبان مبارک سے بیان کردی ہے جو بالکل حق ہے کیونکہ ؂

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود   گرچہ از حلقوم عبد اللہ بود

عذاب قبر کی بعض احادیث

عذاب قبر کے بارے میں بکثرت احادیث وارد ہیں ہم اس مقام پر صرف چند احادیث باحوالہ عرض کرتے ہیں

(۱) حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

عن النبی صلی اللہ علیہ وسلّم بقبرین فقال
انھما لیعذبان وما یعذبان فی کبیرا ما
احدھما فکان لا یستتر من البول وفی روایۃ
مسلم لا یستنزہ من البول واما الآخر فکان
مشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقھا
صفین ثم غرز فی کل قبر واحدۃ قالوا
رسول اللہ لم صنعت ھذا فقال لعلہ
ان یخفف عنھما ما لم ییبسا

(متفق علیہ، مشکوۃ جلد ۱ ص ۴۲، بخاری ج ۱ ص ۳۵ و مسلم جلد ۱ ص ۱۴۱ و مواردالظمآن ص ۱۹۹)

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم دو قبروں کے پاس سے گذرے تو آپ نے فرمایا کہ ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے لیکن کسی بڑے گناہ میں عذاب نہیں ہو رہا ایک کو تو اس لیے عذاب ہو رہا ہے کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا پھر آپ نے کھجور کی تر ٹہنی لی اور اس کے دو حصے کر دیئے ایک حصہ ایک قبر میں گاڑ دیا اور دوسرا دوسری قبر میں پھر فرمایا شاید کہ ان سے عذاب ہلکا ہو جائے جب تک کہ یہ ٹہنیاں خشک نہ ہوں۔

اس حدیث میں شراح حدیث نے جو روائتی اور درایتی ابحاث کی ہیں اس وقت ان سے غرض نہیں یہ صحیح روایت عذاب قبر کے بارے میں نص ہے اور اس موقع پر یہی پہلو مقصود ہے۔

(۲) حضرت زیدؓ بن ثابت سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ:-

بینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فی
حائط لبنی النجّار علی بغلۃ لہ ونحن معہ اذ حادت
بہ فکادت تلقیہ واذا اقبر ستۃ او خمسۃ
فقال من یعرف اصحاب ھذہ الاقبر قال
رجل انا قال فمتی ماتوا قال فی الشرک فقال
ان ھذہ الامۃ تبتلی فی قبورھا فلولا ان لا

آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خچر پر سوار ہو کر بنو نجار کے ایک باغ میں جا رہے تھے اور ہم بھی آپ کے ساتھ تھے یکایک خچر بدکا قریب تھا کہ آپ کو گرا دیتا معلوم ہوا کہ وہاں پانچ یا چھ قبریں تھیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ان قبروں میں کون لوگ دفن ہیں؟ کوئی جانتا ہے؟ ایک شخص بولا ہاں حضرت میں جانتا ہوں یہ دور شرک میں

القبر الذی اسمع منه (الحدیث) (مشکوٰة جلد ۱ ص۲۵، مسلم جلد ۲ ص۳۸۶ وموارد الظمان ص۲۰۰)

کا قبروں میں امتحان ہوتا ہے اگر مجھے یہ ڈر نہ ہو کہ تم مُردوں کو دفن نہیں کرو گے تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں کہ جو عذاب قبر میں سنتا ہوں وہ تمہیں بھی سنا دے۔

اس روایت سے بھی عذاب قبر کے اثبات پر صراحت سے روشنی پڑتی ہے۔

(۳) حضرت انسؓ بن مالک کی ایک طویل حدیث میں یہ بھی آتا ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ:۔

ویضرب بمطارق من حدید ضربة فیصیح صیحة یسمعها من یلیه غیر الثقلین۔ (متفق علیه ولفظه للبخاری ومسند احمد ج۳ ص۱۲۶ مشکوٰة جلد ۱ ص۲۵)

منافق کو لوہے کے ہتھوڑوں سے سختی سے مارا جاتا ہے حتیٰ کہ اس کی آواز کو انسانوں اور جنوں کے علاوہ قریب والی ساری مخلوق سُنتی ہے۔

اور ایک روایت میں آتا ہے:۔

انهم لیعذبون فی قبورهم تسمعه البهائم (موارد الظمان ص۲۰۰)

بلاشُبہ ان (مجرموں) کو قبروں میں سزا دی جاتی ہے۔ جس سزا کی آواز چوپائے بھی سُنتے ہیں۔

چونکہ انسان اور جن مکلّف مخلوق ہے، اس لیے ان سے ایمان بالغیب مطلوب ہے، اور ان کو قبر کا عذاب سُنانا حکمت کے خلاف ہے بخلاف چوپایوں اور باقی جانوروں کے کہ وہ مکلّف نہیں اس لیے وہ سُن سکتے ہیں۔

(۴) حضرت ابوہریرہؓ کی ایک طویل حدیث میں آتا ہے کہ منکر نکیر جب نیک و بد سے سوال کر چکتے ہیں تو منافق اور مجرم کے متعلق:۔

فیقال للارض التئمی علیه فتلتئم علیه فتختلف اضلاعه فلا یزال فیها معذبا حتی یبعثه الله من مضجعه ذالك رواه الترمذی جلد ۱ ص۱۲۷ (مشکوٰة جلد ۱ ص۲۵)

زمین کو حکم ہوتا ہے کہ اس پر سمٹ کر اکٹھی ہو جا سو زمین اُس پر سمٹ جاتی ہے اور اس کی پسلیاں آر پار ہو جاتی ہیں یہ سزا اس کو اس وقت تک ہوتی رہتی ہے جب تک کہ قیامت کے دن قبر سے کھڑا نہیں کر دیا جاتا۔

ہم نے صرف چند حدیثیں عرض کی ہیں حقیقت یہ ہے کہ راحتِ قبر اور عذابِ قبر کے بارے میں اس

کثرت سے احادیث وارد ہیں جن کا احصار و شمار آسانی سے نہیں ہو سکتا، حافظ ابن الہمام حؒ کے حوالے سے گذر چکا ہے کہ عذاب قبر کی احادیث متواتر درجہ کی ہیں اور ان کا انکار کفر ہے یہی وجہ ہے کہ اہل اسلام کے سبھی طبقے عذاب قبر اور راحت قبر کے مسئلہ پر متفق ہیں مگر کچھ بدنصیب منکر ہیں۔

قبر کا حقیقی مفہوم

لفظ قبر اور اس کی جمع قبور اور اس کا مادہ قرآن کریم میں آیا ہے اِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (پ۳۰ الفطار-۱) جس وقت قبریں اکھاڑی جائیں گی اور منافقوں کی تردید کے سلسلہ میں ارشاد ہوتا ہے :-

وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِہٖ۔ پ۱۰۔ التوبہ) اور تو ان میں سے کسی کی قبر پہ کھڑا نہ ہو۔

اور ایک اور مقام پر آیا ہے :-

فَاَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ۔ (پ۳۰ عبس-۱) پس اس نے اس کو مارا یعنی اس کو قبر میں داخل کرنے کا حکم دیا (تفسیر عزیزی پارہ عم ص۸۸ ترجمہ اردو)

اور نیز ارشاد ہوتا ہے :-

اِذَا بُعْثِرَ مَا فِی الْقُبُوْرِ۔ (پ۳۰، العادیات ۱۰) جس وقت قبروں کے مردے نکالے جائیں گے۔

اور کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (پ ۲۸، الممتمنہ ۲) جیسا کہ کافر اہل قبور (کی حیات سے) ناامید ہو چکے ہیں۔

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی رح فرماتے ہیں۔ یعنی منکروں کو توقع نہیں کہ قبر سے کوئی اٹھیگا اور پھر دوسری زندگی میں ایک دوسرے سے ملیں گے یہ کافر بھی ویسے ہی ناامید ہیں (حاشیہ ص۷۱۵)

اور احادیث میں اس کثرت سے یہ لفظ آیا ہے کہ اس کا آسانی سے شمار نہیں کیا جا سکتا اور لفظ قبر حقیقۃً اس گڑھے پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے اور جس میں اس کا جسد عنصری رکھا جاتا ہے سابق پیش کی ہوئی حدیثیں اس کا واضح ثبوت ہے، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے جن دو قبروں پر کھجور کی ٹہنی دو حصے کر کے گاڑ دی تھی وہ حسی قبریں اور گڑھے ہی تھے کیونکہ اس سے علیین اور سجین کا وہ برزخی مقام تو مراد نہیں جو مستقر ارواح ہے کیونکہ ٹہنی کے دو حصے وہاں نہیں گاڑھے گئے تھے اسی طرح بنو نجار کے جس باغ میں پانچ یا چھ قبریں تھیں اور جن کے پاس سے گذرتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا خچر بدکا تھا وہ حسی قبریں ہی تھیں سجین کا وہ برزخی مقام نہ تھا جو ارواحِ کفار کا مستقر ہے کیونکہ خچر وہاں نہیں گیا تھا بلکہ بنو نجار کے باغ میں جو قبریں تھیں ان کے پاس سے گذرا تھا اور

انہیں قبروں کی نشاندہی ایک انصاری نے کی تھی اور اسی طرح میّت کے عذاب کی آواز کا انسانوں اور جنوں کے بغیر جانوروں کا سننا بھی اسی ظاہری اور حسی قبر ہی سے متعلق ہے کیونکہ بہائم اور جانور سجین کے مقام پر تو نہیں پہنچتے بلکہ سطح ارضی پر ظاہری اور حسی قبروں کے آس پاس چلتے اور چرتے پھرتے رہتے ہیں اور اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے۔

ان المیّت اذا وضع فی قبرہ انہ یسمع خفق نعالھم حین یولون مدبرین الحدیث (موارد الظمآن ص۱۹۱ واللفظ لہ و بخاری جلد ۱ ص۱۷۸ و مسلم جلد ۲ ص۳۸۶)

کہ میّت جب قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے اس سے واپس ہوتے ہیں تو وہ ان کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ کو سنتی ہے۔

میّت جس قبر میں رکھی جاتی ہے اور دفن کرنے والے جس قبر سے واپس ہوتے ہیں تو وہ یہی حسّی قبر اور گڑھا ہوتا ہے کیونکہ دفن کرنے والوں کی رسائی علیّین اور سجّین تک نہیں ہوتی۔ حضرت بشیرؓ بن خصاصیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم مشرکوں کی قبروں کے پاس سے گزرے تو تین دفعہ فرمایا کہ یہ لوگ کتنی بڑی خیر سے محروم ہو کر دنیا سے چلے گئے ہیں اور جب مسلمانوں کی قبروں کے پاس سے گذرے تو تین ہی مرتبہ یہ ارشاد فرمایا کہ یہ لوگ کیا ہی عمدہ خیر اور بھلائی کما کر دنیا سے رخصت ہوئے ہیں اتنے میں آپ نے توجہ فرمائی۔

فاذا ھو برجل یمشی بین القبور وعلیہ نعلان فناداہ یاصاحب السبتیّتین الق سبتیّتیک الحدیث (موارد الظمآن ص۲۰۰ و مستدرک جلد ۱ ص۳۷۳ قال الحاکمؒ والذہبیؒ صحیح)

تو دیکھا کہ ایک شخص جوتی پہن کر قبروں کے درمیان چل رہا تھا آپ نے اس کو آواز دی اور فرمایا کہ اے جوتیاں پہننے والے اپنی جوتیاں اُتار۔

ظاہر امر ہے کہ وہ شخص حسّی قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چل پھر رہا تھا علیّین اور سجّین کے برزخی مقام میں تو نہ تھا۔ غزوۂ احد میں جب ستر حضرات صحابہ کرامؓ شہید ہو گئے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے

کان یجمع الثلاثۃ والاثنین فی قبر واحد الحدیث (مستدرک جلد ۱ ص۳۶۵)

دو دو اور تین تین کو ایک قبر میں جمع کر کے دفن کیا۔

یہ قبریں بھی حسّی تھیں کیونکہ ظاہر طور پر شہداء اُحد کو انہی میں دفن کیا گیا تھا۔ آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ

وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ :-

اذا وضعتم موتاکم فی قبورھم فقولوا بسم اللّٰہ وعلیٰ ملۃ رسول اللّٰہ الحدیث (مستدرک جلد۱ ص۳۶۶ قال الحاکمؒ والذہبیؒ علیٰ شرطہما)

جب تم اپنے مُردوں کو قبروں میں رکھنے لگو تو اس وقت بسم اللّٰہ وعلیٰ ملۃ رسول اللّٰہ کے الفاظ پڑھا کرو

اس سے بھی حسّی قبر ہی مراد ہے کیونکہ دفن کرنے والے انہیں قبروں میں دفن کرتے ہیں۔

فاتح مصر حضرت عمروؓ بن العاص نے وفات کے وقت اپنے بیٹے کو وصیّت کرتے ہوئے یہ بھی ارشاد فرمایا تھا کہ جب تم مجھے دفن کر چکو اور میری قبر پر مٹی ڈال چکو :-

ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور ویقسم لحمھا حتیٰ استأنس بکم واعلم ماذا اراجع بہ رسل ربی : (مسلم جلد۱ ص۷۶ وابو عوانہ ج۱ ص۷۰ ومشکوٰۃ ج۱ ص۱۴۹)

تو میری قبر کے ارد گرد اتنا وقت کھڑا ہونا جتنے میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاسکتا ہو تاکہ میں تمہارے ساتھ مانوس ہو کر اللّٰہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہوئے فرشتوں کو جواب دے سکوں۔

اس حدیث سے بھی بخوبی یہ واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت عمروؓ بن العاص کی وصیّت میں جس قبر کا ذکر ہے وہ یہی حسّی گڑھا ہے کیونکہ دفن کرنے والے اسی کے پاس کھڑے ہو سکتے تھے علیین پر جانا ان کے بس میں نہ تھا۔

اور حضرت بریدہؓ نے وصیّت کی تھی کہ جب میری وفات ہو جائے تو میری قبر پر کھجور کی دو ٹہنیاں گاڑ دینا۔ (بخاری جلد۱ ص۱۸۱)

ان تمام صحیح روایات سے یہ ثابت ہوا کہ لفظ قبر اور قبور ان حسّی گڑھوں پر اطلاق ہوا ہے جن میں مُردوں کو دفن کیا جاتا ہے اور یہ سب الفاظ صحیح احادیث میں وارد ہیں جو صاحب شریعت حضرت محمد صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی زبان فیض رسان اور حضرات صحابہ کرامؓ کی زبانوں سے نکلے ہیں اس لحاظ سے جہاں بھی لفظ قبر یا قبور بولا جائے گا تو اس سے حقیقۃً شریعت میں یہی گڑھے مراد ہوں گے جن میں مُردے دفن کئے جاتے ہیں اور حشر تک انہی میں رہتے ہیں اگرچہ ان کے ذرّات ہی کیوں نہ ہو چکے ہوں ؎

حشر تک سوتے رہیں گے قبر میں آرام سے
اب تو اپنی منزلِ خوابِ گراں تک آگئے

قبر کا مجازی معنی

بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میّت کا جسم محفوظ نہیں رہتا مثلاً وہ آگ میں جل جاتا یا جلا دیا جاتا ہے یا دریا برد ہو جاتا ہے اور اس کو مچھلیاں وغیرہ جانور ہڑپ کر جاتے ہیں یا درندے اور پرندے اس کو کھا جاتے ہیں اور قبر میں دفن کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی اور ظاہر بات ہے کہ سوال قبر اور قبر کی راحت یا تکلیف و عذاب اس کے بارے میں بھی ہے ایسے لوگوں کے بارے میں حضرات متکلمینؒ فقہاءؒ اور شرّاحؒ حدیث کے سامنے باطل فرقوں کی طرف سے یہ اشکال پیش آیا کہ جب ان لوگوں کو قبروں میں دفن ہی نہیں کیا گیا تو ان کے متعلق قبر میں سوال اور راحت و عذاب قبر کا کیا مطلب؟ اس مشکل سوال کے جواب میں علماء اسلام اور متکلمین نے جو کچھ فرمایا وہ بقدر ضرورت اپنے مقام پر باحوالہ عرض کیا جائے گا انشاء اللہ العزیز مگر اس مقام پر صرف اتنا عرض کرنا ہے کہ اس مشکل سوال سے جو مخلص ان حضرات نے تلاش کیا ہے وہ یہ ہے کہ قبر صرف اس حسّی گڑھے ہی کا نام نہیں ہے بلکہ برزخ علیّین اور سجّین کے اس مقام کا نام بھی ہے جو نیکوں اور بدوں کی ارواح کا مستقر ہے اور ان لوگوں کے لیے وہی مقام قبر ہے اور ان کی راحت و عذاب کا محل بھی وہی ہے۔ لہذا سوال قبر اور راحت و عذاب سب کے لیے ہے صرف انہی لوگوں کے لیے نہیں جو مٹی کے گڑھے میں دفن کئے جاتے ہیں چنانچہ علامہ قرطبیؒ اسی اشکال کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ:۔

وقد اجمع اهل الكشف على ان الميّت يحس بضغطة القبر ويحس باختلاف اضلاعه ولو كان فى بطون السباع والطيور او كان قد حرق وذرى فى الريح فتحسّ كل ذرّة بالالم ولو كانت متفرقة اه (مختصر تذکرۂ قرطبیؒ ص۳۶ طبع مصر)

جملہ اہل کشف کا اس پر اجماع ہو چکا ہے کہ میّت قبر کی تنگی اور پسلیوں کے آر پار ہونے کو محسوس کرتی ہے اگرچہ وہ درندوں اور پرندوں کے پیٹ میں ہو یا اس کو جلا کر ہوا میں بکھیر دیا جائے میّت کا ہر ذرّہ تکلیف کو محسوس کرتا ہے۔ اگرچہ اس کے ذرّات متفرق ہو چکے ہوں۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر کی تنگی اور عذاب سے وہ لوگ بھی مستثنیٰ نہیں جن کو درندے اور پرندے کھا گئے ہوں یا ان کو جلا کر ہوا میں بکھیر دیا گیا ہو جہاں بھی ان کے ذرات ہوتے ہیں وہی جگہ ان کے حق میں قبر ہوتی ہے۔ حافظ ابن القیم الحنبلیؒ (المتوفی ۷۵۱ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

مما ینبغی ان یعلم ان عذاب القبر هو

یہ جاننا مناسب ہے کہ عذاب قبر عذاب برزخ ہی کو کہتے

عذاب البرزخ فكل من مات وهو مستحق العذاب ناله نصيبه منه قُبر اولم يُقبر فلو اكلته السباع او احرق حتى صار رمادًا او نُسف فى الهواء او صُلب او غرق فى البحر وصل الى روحه وبدنه من العذاب مايصل الى المقبور اھ (كتاب الروح ص۸۱ طبع دائرة المعارف حيدرآباد دكن)

ہیں پس ہر ایسا شخص جو عذاب کا مستحق ہے جب مر جاتا ہے تو اس کو اس کے عذاب کا حصہ پہنچ ہی جاتا ہے قبر میں دفن کیا گیا ہو یا نہ سو اگر اس کو درندے کھا گئے ہوں یا جلا دیا گیا ہو حتیٰ کہ اس کی راکھ ہوا میں اڑا دی گئی ہو یا سُولی پہ لٹکا دیا گیا ہو یا دریا برد ہو چکا ہو بہرکیف اس کی روح اور بدن دونوں کو وہ عذاب حاصل ہوگا جو قبر میں دفن شدہ کو حاصل ہوتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطیؒ (المتوفی ۹۱۱ھ) لکھتے ہیں کہ:

قال القاضی ان من لم یدفن ممن بقی علی وجه الارض یقع لهم السوال والعذاب ویحجب الله ابصار المکلفین عن رؤیة ذلك كما حجبها عن رؤیة الملائكة والشياطين قال بعضهم و ترد الحياة الى المصلوب ونحن لانشعر به كما انا نحسب المغمى عليه ميتا و كذلك يضيق عليه الجو كضمة القبر ولا يستنكر شيئًا من ذلك من خالط الايمان قلبه وكذلك من تفرقت اجزاءه يخلق الله الحياة فى بعضها او كلها ويوجه السوال عليها قاله امام الحرمين قال بعضهم وليس هذا بابعد من الذر الذى اخرجه الله

(رئیس المتکلمین امام اہل السنۃ) قاضیؒ (محمد ابو بکر بن الطیب الباقلانیؒ المتوفی ۴۰۳ھ) فرماتے ہیں کہ جو شخص دفن نہ کیا گیا ہو اور وہ زمین کی سطح پہ ہو تو اس سے بھی سوال ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ مکلف مخلوق کی نگاہوں کو اسکے دیکھنے سے روک دیتا ہے جیسا کہ اُس نے فرشتوں اور شیاطین کے دیکھنے سے اسکی نگاہیں روک دی ہیں اور بعض فرماتے ہیں کہ جس کو سُولی پہ لٹکایا جاتا ہے زندگی اس کی طرف بھی لوٹائی جاتی ہے لیکن ہم اس کا شعور نہیں کر سکتے جیسا کہ ہم بیہوشی والے کو مردہ خیال کرتے ہیں اور اس کی حیات کا شعور نہیں کر سکتے اور قبر کی طرح اس پہ جو اور فضا کو تنگ کیا جاتا ہے جس شخص کے دل میں ایمان داخل ہو چکا ہے وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی اوپرا نہیں سمجھتا اور اسی طرح جس کے اجزا منتشر ہو چکے ہوں اللہ تعالیٰ بعض یا کل اجزاء میں حیات پیدا کر دیتا ہے اور پھر اس پہ سوال متوجہ ہوتا ہے امام الحرمینؒ (استاد امام غزالیؒ ابو المعالی عبدالملکؒ المتوفی ۴۷۸ھ) نے ایسا ہی فرمایا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کاروائی ان چیونٹیوں سے زیادہ مستبعد

من صلب آدم واشهدهم علٰى انفسهم الست بربكم قالوا بلٰى انتهٰى (شرح الصدور ص۵۹ طبع مصر)	تو نہیں جنکو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پشت سے نکالا اور پھر انکو ان کے نفوس پر یہ فرماتے ہوئے گواہ بنایا کیا میں تمہارا رب نہیں؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں۔

عذابِ قبر کے بارے میں مذاہب

قبر میں راحت و عذاب کے بارے میں جو مختلف اقوال، شروح حدیث کتبِ کلام و فقہ اور تفاسیر و علمِ تصوف میں نظر سے گذرے ہیں (جن میں بیشتر اقوال کا ذکر آگے متعدد عبارات میں آرہا ہے انشاء اللہ العزیز) وہ یہ ہیں۔

(۱) یہ کہ قبر میں راحت و عذاب اور سوال وغیرہ کچھ نہیں ہوتا کیونکہ جب میت میں حیات ہی نہیں ہوتی تو پھر یہ امور جو حیات پر متفرع ہیں کیونکر متحقق ہو سکتے ہیں؟ یہ مسلک ملاحدہ، خوارج، کچھ معتزلہ اور بعض مرجیہ وغیرہ کا ہے جن میں ضرار بن عمرو اور بشر المریسی وغیرہ کا نام آگے عبارات میں آئے گا۔ اور علامہ ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ معتزلہ کے ایک شیخ ضرار بن عمرو الغطفانی نے عذابِ قبر کا انکار کیا ہے جن خوارج سے ہم ملے ہیں ان کا بھی یہی مذہب ہے اہلِ سُنّت اور بشر بن المعتمر والجبائی اور بقیہ معتزلہ عذابِ قبر کے قائل ہیں ہم بھی اسی کے قائل ہیں اس لیے کہ اس کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم سے احادیث ثابت ہیں (ملل ونحل جلد۲ ص۱۵۱ ترجمہ اردو) اور کتبِ علمِ عقائد اور شروح حدیث میں ان کا ٹھوس ردّ موجود ہے یہ مسلک قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ اور صریحہ کے خلاف ہے اور جمہور امت کا اتفاق و اجماع اس پر مستزاد ہے بعض دلائل کا ذکر پہلے کر دیا گیا ہے اور بعض کا ذکر آئندہ اوراق میں ہوگا انشاء اللہ تعالیٰ اور ایک بیّن حقیقت کے اثبات کے لیے اس سے زیادہ کی ضرورت بھی نہیں ہے۔

(۲) یہ کہ عذابِ قبر اور راحت صرف بدن کو حاصل ہوتی ہے اور روح کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ نظریہ محمد بن جریر کرامی، عبداللہ بن کرام، ابوالحسین الصالحی (جو فرقہ صالحیہ کا سربراہ تھا) اور ان کے دیگر ہمنوا لوگوں کا ہے لیکن روح کے اتصال اور تعلق کے بغیر محض بے جان جسم کے عذاب و راحت کا قول نری حماقت ہے۔ چنانچہ علامہ شمس الدین احمدؒ بن موسیٰ المشہور بہ الخیالیؒ (المتوفی سنہ ۸۷۰ھ) اس گروہ کا ردّ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

جوّز بعضهم تعذيب غير الحى ولا شك انه سفسطة (الخيالى ص۱۱۸ ونحوه فى نبراس ص۳۲۲)	ان میں سے بعض نے بلا حیات بدن کے معذب ہونے کو جائز قرار دیا ہے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ نری حماقت ہے۔

(۳) یہ کہ قبر میں عذاب و راحت محض روح کو ہوتی ہے کیونکہ بیشتر ابدان ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں اور بعض کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے اور بعض کو درندے، پرندے اور مچھلیاں کھا جاتی ہیں اور ان کے اجسام ان حیوانات کا جزو بدن ہو جاتے ہیں تو پھر بدن کے معذب ہونے کا کیا مطلب؟ یہ مذہب علامہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ (یا ابن ہبیرہؒ) وغیرہ کا ہے اور یہی غلط نظریہ مؤلف اقامۃ البرہان کا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ۔ باقی انبیاء علیہم السلام شہداء کرام اور مؤمنین کو برزخ میں جو نعیم و راحت حاصل ہوتی ہے۔ وہ صرف ان کی روحوں کو ہے۔ ابدان عنصریہ اس میں شریک نہیں ہیں بلفظہٖ (ص۱۹۸) العیاذ باللہ تعالیٰ۔ لیکن صحیح اور صریح حدیثیں اس مذہب کا پرزور رد کرتی ہیں اور جمہور علمائے ملت اس کے خلاف ہیں اور یہ حضرات جمہور وزنی دلائل سے ان کی تردید کرتے ہیں جیسا کہ عنقریب باحوالہ عبارتیں آرہی ہیں ان شاء اللہ العزیز۔

(۴) یہ کہ قبر اور برزخ میں راحت و کلفت روح اور بدن دونوں کو ہوتی ہے لیکن بدن اولی، عنصری اور مادی کو نہیں بلکہ بدن مثالی کو جو ان کے نزدیک بدن عنصری کے اندر حلول کئے ہوئے ہوتا ہے جس کو بعض نفس ناطقہ اور بعض نسمہ بھی کہتے ہیں اور قبر میں روح کا تعلق اس بدن مثالی سے ہوتا ہے اور راحت و عذاب اس بدن کو ہوتا ہے اگرچہ بدن عنصری اور مادی ریزہ ریزہ ہو کر فنا ہی کیوں نہ ہو جائے اور یہی وجہ ہے کہ دیکھنے والوں کو قبر میں کوئی راحت و تکلیف جو مُردہ پر وارد ہوتی ہے محسوس نہیں ہوتی کیونکہ ان کی نگاہ تو بدن مادی پر پڑتی ہے اور بدن مثالی محسوس نہیں تو اسی طرح اس کی راحت و تکلیف بھی محسوس نہیں ہوتی یہ مسلک بعض حضرات صوفیائے کرامؒ کا ہے اور اس مسلک کے اختیار اور قبول کرنے کا باعث بھی وہی مجبوری ہے جو دوسرے لوگوں کو پیش آئی کہ بسا اوقات بدن مادی اور عنصری بالکل خاک ہو جاتا ہے یا اس کو جلا دیا جاتا ہے یا اس کو حیوانات ہڑپ کر جاتے ہیں تو پھر اس کو سزا کیونکر ہو سکتی ہے؟ اور چونکہ احادیث صحیحہ اور حضرات ائمہ دینؒ کی عبارات میں جسم اور بدن کا لفظ مذکور ہے اس لیے ان حضرات نے اس بدن سے بدن مثالی مراد لی ہے اور فرماتے ہیں کہ ارباب کشف نے اپنے کشف کے ذریعہ اس بدن کا ادراک کیا ہے اور متعدد کتب تفسیر اور تصوف میں بدن مثالی کا ذکر موجود ہے اور علامہ آلوسیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام کی ملاقات لوگوں سے بدن مثالی ہی سے ہوتی ہے (روح المعانی جلد ۱۵ ص۳۲۶) اور زلیخا نے جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کو ورغلانے کی کوشش کی تھی تو اس وقت حضرت یعقوب علیہ السلام کی مثالی صورت ہی ان کے سامنے پیش ہوئی تھی (تفسیر ابن کثیر جلد ۲ ص۴۷۴ و صراط مستقیم ص۱۴۸) اور حضرت

شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں عالم مثال کے وجود پر ایک مستقل باب قائم کر کے اس حقیقت کو آشکارا کیا ہے بلاشک یہ سب باتیں اپنے مقام پر حق اور صحیح ہیں لیکن یہ بات بخوبی سمجھ لینی چاہیئے کہ جو حضرات قبر اور برزخ میں حساب وسوال اور عذاب وراحت بدن مثالی کے لیے تسلیم کرتے ہیں وہ یہ نہیں فرماتے کہ بدن مادی اور عنصری کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا بلکہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ بدن مثالی کے ساتھ بدن عنصری اور مادی بھی اس کارروائی میں برابر کا شریک ہوتا ہے، چنانچہ صوفیٔ کامل حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی سنہ ۱۳۶۳ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے پہلے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ قبر میں روح کا تعلق بدن مثالی سے قائم کیا جاتا ہے اور عذاب و راحت اس سے البتہ ہوتا ہے پھر آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

[1] البتہ بعض احادیث میں رد روح الی الارض وعود فی الجسد آیا ہے جس سے اسی بدن دنیوی کے ساتھ تعلق اور بدن مثالی سے عدم تعلق متبادر ہوتا ہے سو ممکن ہے کہ سوال کے وقت وہ روح بدن مثالی کے اندر ہو کر ارض کی طرف بھیجی جاتی ہو اور اس بدن عنصری کے ساتھ اس مجموعہ کو ایک گونہ متعلق کر کے سوال اسی روح اور بدن مثالی سے ہوتا ہو مگر یہ تعلق عادتاً کسی حکمت سے اسی وقت شرط ہو جب کہ جسد عنصری باقی ہو اور اگر وہ متفرق و متلاشی ہو گیا ہو سوال وغیرہ اسی مجموعہ روح و بدن مثالی سے ہو جاتا ہو خواہ ارض میں یا غیر ارض میں الخ (التکشف ص۵۵ طبع اشرفیہ دہلی وطبع لاہور ص۱۰۸) اور دیگر مقام پر لکھتے ہیں۔

غریق و سوختہ و مصلوب کے عذاب و ثواب قبر کی صورت

ناممکن اور ممتنع نہیں ہے کہ مصلوب، اور غریق کی روح پھیر دی جائے اور ہم معلوم نہ کر سکیں کیونکہ وہ روح اور قسم کی ہے جیسے بے ہوش اور سکتہ زدہ اور مبہوت زندہ ہوتے ہیں اور ان کی روحیں ان کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور بظاہر وہ مردہ دکھائی دیتے ہیں ان کی زندگی ہم کو معلوم و محسوس نہیں ہو سکتی جس کے ٹکڑے ٹکڑے اور اجزاء الگ الگ ہو کر پراگندہ ہو جاویں خدائے قادر مطلق پر نہ مشکل ہے اور نہ ممتنع ہے کہ ان اجزاء میں روح کو پیوست کر دے اور درد اور دکھ اور سکھ کا شعور ان اجزاء میں پیدا کر دے الخ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص۳۲۲ مکتبہ دینیہ دیوبند) اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

---

[1] حضرت مولانا تھانویؒ لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بعد وفات کے بھی حیات برزخیہ ثابت ہے وہ حیات شہداء کی حیات سے بھی بڑھ کر ہے اور اتنی قوی ہے کہ حیات ناسوتی کے قریب قریب ہے (میلاد النبیؐ ماخوذ از ماہنامہ تعلیم القرآن راولپنڈی ص۶ ماہ نومبر و دسمبر ۱۹۶۰ء)

اسی طرح بلاشبہ مرنے کے بعد اجزائے بدن سے بھی روح کا تعلق رہتا ہے گو نیکوں کی روحیں علیین میں ہوتی ہیں اور بدوں کی سجّین میں لیکن روحوں کا روحانی تعلق ابدان کے ذرّات کے ساتھ رہنا ضروری ہے خواہ کسی کو قبر میں دفن کریں خواہ جلادیں خواہ وہ ڈوب جائے ذرّے ذرّے کے ساتھ روح کا تعلق - (بالاتر از فہم) رہتا ہے اس کی نظیر ایک تار برقی کافی ہے تار برقی کا تعلق دیکھئے کہاں سے کہاں تک رہتا ہے ایسا ہی روح کا تعلق باوجود علیّین و سجّین کے تعلق کے بدن کے ساتھ بھی ہے اور ضرور ہے مگر اس کو دنیا کی آنکھیں محسوس نہیں کر سکتیں کیونکہ عالم غیب کے اسرار دنیا دار کی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور نہ دکھایا جاتا ہی مناسب ہے کیونکہ پھر ایمان بالغیب نہیں رہیگا الخ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۲۲۷ و ۲۲۸)

نیز حضرت مولانا تھانویؒ ارقام فرماتے ہیں کہ۔ اللہ تعالیٰ نے تین مقام انسان کے لیے ٹھہرائے ہیں دنیا برزخ و دار قرار اور ہر ایک مقام کے لیے علحدہ علحدہ کچھ احکام ٹھہرائے ہیں جو اسی سے مخصوص ہیں اور انسان کو بدن اور نفس سے مرکب کیا اور دنیا کے احکام بدنوں پر ٹھہرائے اور روحوں کو بدنوں کے تابع کیا اس لیے شرعی احکام ان حرکات سے مرکّب کئے ہیں جو زبان اور اندا موں سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ دل میں کچھ اور باتیں چھپی ہوئی ہوں اور خدا تعالیٰ نے برزخ کے احکام روحوں پر ٹھہرائے اور جسموں کو روح کے تابع کیا پس جیسا کہ روح دنیا کے احکام میں بدنوں کے تابع ہو کر بدن کے دردناک ہونے سے دردناک ہوتی اور لذت پاتی ہے قبر یعنی عالم برزخ میں جسم دکھوں اور سکھوں میں روح کے تابع ہو جاتا ہے اور روح دکھ اور سکھ کو سہتی ہے تو بدن بھی اس دکھ سکھ کے تابع ہو جاتا ہے اور اس جگہ بدن ظاہر ہے اور روح پوشیدہ اور عالم قبر یعنی عالم برزخ میں روح غالب و ظاہر ہوگی اور بدن پوشیدہ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری ہوں گے یعنی دکھ اور سکھ روح کو جب پہنچے گا تو وہ صاحب روح کے جسم پر بھی سرایت کرے گا جیسا کہ دنیا میں جسم کو کچھ راحت یا دکھ پہنچے تو اس کا اثر روح پر بھی سرایت کر جاتا ہے جب یہ ہے تو ان واقعات کا ظاہری جسم پر ظاہر ہونا ضروری نہیں وہ سب احکام روحانی ہیں جن کو روح مدرک کرتی ہے اور وہ سب واقعات بھی اس عالم کے ہیں پس ان کا محسوس ہونا بھی ضروری نہیں بلکہ عادۃً ممکن بھی نہیں (الا ماشاء اللہ تعالیٰ) خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت و لطف و احسان سے اس امر کا نمونہ دنیا میں بھی سونے والے کے حال سے ظاہر و باہر فرمایا ہے کیونکہ خواب میں جو دکھ اور سکھ سونے والے کو پہنچتا ہے وہ اس کی روح پر جاری ہوتا ہے اور اس میں بدن اس کے تابع ہوتا ہے ایسا ہی عالم برزخ میں بھی جسم اور روح کے بیچ دکھ اور سکھ کا طریق جاری ہے بلکہ اس خواب سے بھی بڑھ کر ہے کیونکہ اس عالم برزخ میں روح کا تجرد اور ظاہر ہونا بہت کامل ہوتا ہے اور روح کا تعلق بدن سے گو عام حالات

میں ظاہر نہیں لیکن ایک غیر معلوم وجہ پر بھی یہ رہتا ہے بدن سے اس کا بالکل انقطاع اور جدائی نہیں ہوتی انتہیٰ بلفظہٖ (المصالح العقلیہ حصہ سوم ص ۳۱۶ و ص ۳۱۷) اس عبارت میں جس جسم کا ذکر ہے وہ یقیناً جسم عنصری، مادی اور خاکی ہے۔ کیونکہ دنیا میں جس جسم کے ساتھ روح کا تعلق ہوتا ہے وہ یہی جسم عنصری ہے یاد رہے کہ یہ پوری عبارت حافظ ابن القیمؒ کی کتاب الروح ص ۶۶ و ص ۶۷ کا بعینہٖ لفظی ترجمہ ہے۔ نیز ارشاد فرماتے ہیں پس یہ امر کہ ارواح کا قبور کے ساتھ تعلق ہوتا ہے اس چشم سے لینا چاہیے جس کو کسی قدر کشفی آنکھ نے بھی بتلایا ہے کہ اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے جو آدمی ان قویٰ سے کام لے جن سے کشفِ قبور ہوتا ہے تو وہ ان تعلقات کو دیکھ سکتا ہے الخ (حصہ سوم ص ۳۳۶)

اور نیز فرماتے ہیں۔ غرض روح کا تعلق قبر کے ساتھ ضرور ہوتا ہے۔ انسان میّت سے کلام کر سکتا ہے ارواح کا تعلق آسمان سے بھی ہوتا ہے جہاں اس کے لیے ایک مقام ملتا ہے اور یہ ایک ایسی مسلّم بات ہے کہ ہندوؤں کی کتابوں میں بھی اس کی گواہی موجود ہے پس یہ مسئلہ عام طور پر مسلّمہ مسئلہ ہے بجز اس گمراہ فرقے کے جو نفی بقائے روح کرتا ہے۔ (ایضاً ص ۳۲۷)

مؤلف ندائے حق نے ص ۶۰ سے ص ۶۷ تک قبر کے معنی کی بزعم خویش تحقیق کی ہے اور اس پر خاصا اصرار کیا ہے کہ قبر اس گڑھے کو نہیں کہتے جس میں مردہ کو دفن کیا جاتا ہے بلکہ قبر سے برزخ مراد ہے اور اس کے لیے انہوں نے چند حوالے حضرت تھانویؒ کے اور ایک نظم الفرائد کا اور ایک مولانا عبدالحیؒ کا دیا ہے حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں ۱؎ قبر سے مراد حدیث میں عالم برزخ ہے نہ حفرہ (گڑھا) (مجالس الحکمۃ ص ۲۳) ۲؎ غرض ایک جسم تو یہاں ہے اور ایک جسم عالم مثال میں ہے وہاں کی دوزخ بھی مثالی ہے بس اس مثال ہی کا نام قبر ہے کیونکہ وہ جو عالم مثال ہے وہیں اس کو عذابِ قبر بھی ہوگا اشکال تو تب ہوتا جب جسم قبر سے مراد یہ گڑھا ہوتا جس میں لاش دفن کی جاتی ہے حالانکہ اصطلاح شریعت میں قبر گڑھے کو کہتے ہی نہیں بلکہ عالم مثال کو کہتے ہیں قبر اور وہاں پہنچنا کسی حال میں منتفی نہیں خواہ مردہ دفن ہو یا نہ (اشرف الجواب ج ۲ ص ۲۴۶) ۳؎ مرنے کے بعد مثالی قبر میں اٹھایا جاتا ہے وہیں سوالات اور عذاب و ثواب ہوتا ہے۔ اشرف الجواب ج ۳ ص ۲۳۷) ۴؎ اس روح کو برزخ میں دوسرا جسد عطا ہوتا ہے اور روح ہی اس جسد سے تعلق رکھتا ہے اور قبر کا سوال و جواب اس جسد مثالی سے ہوتا ہے جو وہاں عطا ہوتا ہے اور جسد عنصری سے تعلق رہنے کا ایسا ہی درجہ ہے جیسے کوئی ایک رضائی اتار کر رکھ دے اور دوسری اوڑھ لے اب

چلنا پھرنا تو دوسرے جسم کے ساتھ ہوتا ہے اگرچہ ایک گونہ تعلق پہلے کے ساتھ بھی رہتا ہے تو روح کو وہاں جسد مثالی کے ساتھ ہوگی مگر تعلق اس جسد عنصری کے ساتھ بھی ہوگا۔ اب اس سے یہ شبہ بھی جاتا رہا کہ اگر کسی میت کو شیر کھا جائے یا آگ میں جل جائے تب بھی حساب ہوگا؟ سو یہ جواب سوال اسی جسد مثالی کے ساتھ ہوگا جو عالم برزخ میں عطا ہوتا ہے (ملفوظات ج ۴ ص ۱۴۵ و ج ۴ ص ۸۶۵)

مولانا محمد احسن صاحب سنبھلیؒ فرماتے ہیں کہ مراد قبر سے وہ گڑھا نہیں جس میں میت دفن کی جاتی ہے بلکہ اس سے مراد موت کے بعد دوبارہ اٹھ کھڑے ہونے تک سارا عالم برزخ ہے (نظم الفرائد حاشیہ شرح عقائد النسفیہ ص ۱۷۱ مترجماً)

۶ مولانا عبدالحق حقانی مفسر و متکلم دہلویؒ فرماتے ہیں۔

قبر کے وسیع اور تنگ ہونے سے ہماری یہ مراد نہیں کہ یہ گڑھا کہ جسم کو جس میں چھپایا ہے وہ تنگ و وسیع ہوتا ہے بلکہ اس عالم میں روح پر تنگی اور کشادگی ہوتی ہے اور اصل قبر اس کی وہی ہے ہاں عرف عام میں اس جسم کے اعتبار اس گڑھے کو بھی قبر کہتے ہیں (عقائد الاسلام ص ۱۶۰ و ص ۱۶۱) حضرت تھانویؒ کی عبارت میں تصریح ہے کہ روح کا قبر اور برزخ میں جسد عنصری کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے اور یہ تعلق بارشاد ان کے اس تودہ خاک سے ارواح کا ایک تعلق ہوتا ہے اور السلام علیکم یا اہل القبور کہنے سے جواب ملتا ہے (کما مرّ) ظاہر امر ہے کہ سلام کہنے والے حسّی اور عرفی قبور کے پاس جایا کرتے ہیں عالم مثال میں نہیں جایا کرتے باقی رضائی کی مثال صرف سمجھانے کی خاطر ہے کہ ایک جسم چھوڑا کہ اب روح اس میں تصرف و تدبیر نہیں کرتی کہ وہ تنمیہ اور غذا کا محتاج ہو (کما سیأتی ان شاء اللہ تعالیٰ) اور دوسرا اپنا لیا مگر پہلے سے تعلق ہے ان تمام عبارات میں جیسا کہ خود حضرت تھانویؒ کی عبارت میں تصریح ہے اس اشکال کا جواب دیا گیا ہے جو ملحدین کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ جس کو شیر وغیرہ درندے کھا جائیں یا جلا دیا جائے یا پانی میں ڈوب جائے تو اس کا سوال و جواب کہاں ہوتا ہے؟ اور اس کی سزا و راحت کہاں ہوتی ہے

حضرت تھانویؒ نے جو یہ ارشاد فرمایا ہے کہ اس گڑھے کو اصطلاح شریعت میں قبر نہیں کہتے اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ یہ حسّی قبر اور گڑھا شرعاً قبر نہیں ہوتا بلکہ مراد یہ ہے کہ اسی کا نام قبر نہیں ہے تاکہ وہ لوگ اس سے مستثنیٰ قرار پائیں جن کو جلایا گیا یا جانور کھا گئے یا دریا وغیرہ میں غرق ہو گئے بلکہ قبر کا مفہوم اس سے وسیع ہے ہاں یہ مٹی کا گڑھا بھی قبر ہے جیسا کہ خود حضرت تھانویؒ ثُمَّ اَمَاتَہٗ فَاَقْبَرَہٗ کے

ترجمہ اور تفسیر میں لکھتے ہیں۔ پھر (بعد عمر ختم ہونے کے) اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا (کقولہ تعالیٰ فِيهَا نُعِيدُكُمْ خواہ اول ہی خاک میں رکھ دیا جائے یا بعد چندے خاک میں مل جائے) (بیان القرآن ص ۱۲۲ طبع دہلی) اس مقام میں حضرت تھانویؒ خاک کے اس گڑھے کو قبر کہتے ہیں جس میں مُردہ رکھا جاتا ہے۔ حضرت تھانویؒ شرعی طور پر میّت کو دفن کرنے کے مسائل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں میّت کی قبر کم از کم اس کے نصف قد کے برابر گہری کھودی جائے اور قد سے زیادہ نہ ہونی چاہیئے۔ جب قبر تیار ہو چکے تو میت کو قبلے کی طرف سے قبر میں اُتار دیں۔ قبر میں اتارنے والوں کا طاق یا جفت ہونا مسنون نہیں۔ قبر میں رکھتے وقت بسم اللہ وعلیٰ ملة رسول اللہ کہنا مستحب ہے۔ میت کو قبر میں رکھ کر داہنے پہلو پہ اس کو قبلہ رُو کر دینا مسنون ہے۔ قبر میں رکھنے کے بعد کفن کی وہ گرہ جو کفن کھل جانے کے خوف سے دی گئی تھی کھول دی جائے۔ مردوں کے دفن کے وقت قبر پہ پردہ کرنا نہ چاہیئے الخ۔ جب میّت کو قبر میں رکھ چکیں تو جس قدر مٹی اس کی قبر سے نکلی ہو وہ سب اس پہ ڈال دیں اس سے زیادہ مٹی ڈالنا مکروہ ہے۔ قبر میں مٹی ڈالتے وقت مستحب ہے کہ سرہانے کی طرف سے ابتداء کی جائے اور ہر شخص اپنے دونوں ہاتھوں میں مٹی بھر کر قبر میں ڈال دے اور پہلی مرتبہ پڑھے مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ اور دوسری مرتبہ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ اور تیسری مرتبہ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى بعد دفن کے تھوڑی دیر تک قبر پہ ٹھہرنا اور میّت کے لیے دعائے مغفرت کرنا یا قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب اس کو پہنچانا مستحب ہے، بعد مٹی ڈال چکنے کے قبر پہ پانی چھڑک دینا مستحب ہے، قبر کا مربّع (چوکور) بنانا مکروہ ہے۔ قبر کا ایک بالشت سے بہت زیادہ بلند کرنا مکروہ تحریمی ہے۔ قبر پہ گچ کرنا یا اس پہ مٹی لگانا مکروہ ہے۔ بعد دفن کر چکنے کے قبر پہ کوئی عمارت مثل گنبد یا قبّے وغیرہ کے بنانا بغرض زینت حرام ہے اور مضبوطی کی نیت سے مکروہ ہے (بہشتی زیور حصہ ۱۱ ص ۹۷ و ۹۸ ملخصاً) یہ بتانا تو مؤلف ندائے حق وغیرہ کا کام ہے کہ ان عبارات میں شرعی اور فقہی طور پہ لفظ قبر گڑھے پر اطلاق ہوا ہے یا برزخ اور مثالی قبر پر؟

اس کے علاوہ بھی متعدد عبارتیں حضرت تھانویؒ کی اس بارے میں موجود ہیں، ان تمام عبارات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ قبر میں عذاب و راحت کے سلسلہ میں بدن مثالی سے تعلق ہوتے ہوئے بھی بدنِ مادی اور عنصری کے ذرّے ذرّے سے روح کا تعلق ہوتا ہے اور ضرور ہوتا ہے اگرچہ یہ ہماری عقل سے بالاتر ہے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت سے کچھ بعید نہیں ہے۔ اجزاء خواہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں یا جلا دیئے جائیں مگر روح کا تعلق ان سے ضرور ہے، اس حد تک بدن مادی اور عنصری

سے تعلق تسلیم کر چکنے کے بعد عذاب و راحت کا تعلق بدن مثالی سے بھی ہو تو اس سے کسی نص یا جمہور کے مسلک پر کوئی زد نہیں پڑتی۔

(۵) یہ کہ بدن کے نصف اعلیٰ میں روح ڈالدی جاتی ہے اور بدن کا نچلا حصہ روح کے تعلق سے محروم ہوتا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ سے ایک فتویٰ اسی مضمون کا آگے آرہا ہے انشاء اللہ تعالیٰ ان کے علاوہ یہ معلوم نہیں کہ اور کون حضرات اس کے قائل ہیں؟ چنانچہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلویؒ (المتوفی ۱۳۹۴ھ) فرماتے ہیں کہ۔ اور بعض کہتے ہیں کہ روح کا حلول بدن کے نصف اعلیٰ میں ہوتا ہے، ظاہر احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ میّت کے تمام اجزاء میں روح کا اعادہ ہوتا ہے جس بدن سے روح نکالی گئی تھی قبر میں پھر اسی بدن میں روح ڈالی جاتی ہے اور مردہ قبر میں اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے اور جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ جس میّت کے اجزاء متفرق ہو گئے ہیں اس کے فقط دل یا دماغ میں یا اور کسی عضو میں حیات ڈالی جاتی ہے۔ اس تخصیص پر کوئی نقل نہیں دیکھی اور دلیل عقلی کافی نہیں الّا یہ کہ اس طرح کہیں کہ جس میّت کے اجزاء متفرق ہو گئے ہوں اللہ تعالیٰ کو اختیار ہے کہ جتنے اجزاء کو چاہے اس کے جمع کر کے اس میں حیات پیدا فرما دیں اور پھر ان سے سوال فرمائیں اور مزید تحقیق کی نہ تو کوئی ضرورت ہے، اور نہ کوئی امکان ہے واللہ تعالیٰ اعلم اور جس شخص کو درندے یا پرندے کھا جائیں اس سے اس وقت سوال ہوتا ہے کہ جب وہ ان جانوروں کے پیٹ میں قرار پکڑ جائے اور یہ بات حقیقت ہے مجاز نہیں جیسے کہ بزازیؒ نے فتاویٰ بزازیہ میں اس کی تصریح کی ہے، بزازیؒ فقہاء حنفیہ میں سے ہے فتاویٰ بزازیہ میں لکھتے ہیں السوال فیما یستقر فیه المیّت حتی لو اکلة السبع فالسوال فی بطنه انتہی یعنی سوال اسی جگہ ہوتا ہے جہاں میّت قرار پکڑے حتیٰ کہ اگر کسی کو درندے نے کھا لیا ہو تو اس سے درندہ کے پیٹ میں سوال ہوگا اھ (فتح الغفور ص۳۰ مولانا کاندھلویؒ شرح منظومة المقبور السیوطیؒ) علامہ بزازی کی یہ عبارت امام سیوطیؒ نے بھی نقل کی ہے اور فی بطنه سے آگے یہ عبارت بھی ہے۔

فان جعل فی التابوت ایامًا لنقله الی	اور اگر میت کو دوسری جگہ منتقل کرنے کے لیے
مکان آخر لا یسأل مالم یدفن اھ	تابوت میں رکھا گیا تو جب تک اس کو دفن نہیں
(شرح الصدور ص۶۱)	کیا جائے گا اس سے سوال نہ ہوگا۔

خط کشیدہ الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ تمام بدن میں روح نہیں لوٹائی

جاتی بلکہ صرف بالائی حصہ میں اس کا اعادہ ہوتا ہے، لیکن حضرت مولانا نے ظاہر احادیث کے حوالہ سے اس مسلک کا جواب دے دیا ہے مزید رد کی ضرورت نہیں ہے۔

(۶) یہ کہ اگر جسم موجود و محفوظ ہو تو عذاب قبر یا آرام جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے اور بصورت دیگر علیّین یا سجّین میں جہاں ارواح ہوتے ہیں عذاب یا آرام ان کو ہوتا ہے یا یوں سمجھئے کہ جب روح اور جسم دونوں کا تعلق ہوتا ہے تو ثواب و عقاب دونوں کو ہوتا ہے اور جب یہ تعلق باقی نہیں رہتا تو سزا اور راحت صرف روح کو ہوتی ہے مشہور صوفی امام عبد اللہ بن اسعد یمنی الشافعیؒ (المتوفی ۷۵۵ھ جو صاحب خوارق و کرامات و تصانیف کثیرہ تھے) اپنی کتاب روضۃ الریاحین میں (جس کا ترجمہ حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانویؒ المتوفی ۱۳۶۳ھ کے حکم سے حضرت مولانا جعفر علی صاحب نگینویؒ نے کیا ہے جس کا نام نزہۃ البساتین رکھا ہے) لکھتے ہیں کہ:

اور دلائل شرعیہ مثل احادیث صحیحہ اور آثار مشہورہ اس پر دال ہیں کہ قبر میں عذاب و ثواب روح و جسم دونوں کو اور صرف روح کو ثواب و عذاب علیّین اور سجّین میں ہوتا ہے بقدر اپنی سعادت و شقاوت کے اور یہ امر عقلاً بھی محال نہیں ہے اور نقلاً ثابت ہے جس کا بیان طویل ہے الیٰ ان قال یہ جو کچھ بیان ہوا ہے کہ کبھی عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور کبھی جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے یہ عالم برزخ کا واقعہ ہے ورنہ بعد قیامت کے عذاب جسم کو روح کے ساتھ ہی ہوگا۔ اس پر جمیع اہل اسلام کا اجماع ہے اور کوئی مسلمان اس کا منکر نہیں ہے اھ (نزہۃ البساتین ص۲۲) قبر اور برزخ میں جسم اور روح دونوں کے معذب ہونے کا مسلک تو جمہور اہل السنت کا ہے لیکن صرف روح کے معذب ہونے کا قول علامہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ وغیرہ کا ہے اور جمہور اس کے قائل نہیں ہیں جیسا کہ باحوالہ آگے اس کا بیان ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ اس کی الگ تردید کی حاجت نہیں ہے۔

(۷) یہ کہ قبر و برزخ میں جب منکر و نکیر کا سوال ہوتا ہے تو اس وقت روح کلیۃً لوٹا دی جاتی ہے اور جب حساب و سوال ہو چکتا ہے تو اس وقت روح کو علیّین یا سجّین میں پہنچا دیا جاتا ہے اور بدن کے ساتھ عام لوگوں کی روحوں کا تعلق باقی نہیں رہتا (ہاں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اس سے ان کے نزدیک بھی مستثنیٰ ہیں بحث اپنے مقام پر ذکر کی جائے گی انشاء اللہ تعالیٰ) یہ نظریہ فتح الباری عمدۃ القاری اور بعض دیگر کتابوں میں بعض حضرات کا منقول ہے لیکن روح کے جسم سے قبر میں الگ ہونے پر کوئی قطعی الدلالت

اور صریح دلیل موجود نہیں ہے اور نہ جمہور اہل سنت اس کے قائل ہیں اس لیے اس نظریہ کی طرف بھی زیادہ توجہ مبذول کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔

(۸) یہ کہ قبر و برزخ میں ثواب و عذاب جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے، اور قبر و برزخ میں روح کا جسم کی طرف اعادہ ہوتا ہے بعض کے نزدیک یہ اعادہ اس طریق سے ہوتا ہے جس طرح دنیا میں روح جسم کے اندر داخل تھی اور بدن میں تصرف اور تدبیر کرتی تھی اور اس طرح بدن کو حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے اور جمہور و اکثر اس کے قائل ہیں کہ روح بدن میں مکمل طور پر داخل نہیں ہوتی جس طرح کہ دنیا میں تھی بلکہ روح کا بدن سے اتصال اور تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور بعض کے نزدیک روح کا جسم پر یا اس کے اجزاء پر پرتو پڑتا ہے جس کو وہ اشراق اور اشراف سے تعبیر کرتے ہیں اور اس اتصال و تعلق سے ایک گونہ حیات (نوع من الحیواۃ) جو مردہ کو حاصل ہوتی ہے اس سے وہ نکیرین کا جواب بھی دیتا ہے اور ثواب و عذاب بھی محسوس کرتا ہے یہی مذہب جمہور اہل سنت کا ہے اور یہی حق و منصور ہے۔ علامہ شمس الدین القہستانیؒ الحنفیؒ (المتوفی ۹۵۳ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

والمعذب فی القبر یحیی بقدر ما یتالم بہ وھو اقرب الی الحق	جس کو قبر میں سزا دی جاتی ہے وہ اس انداز کا زندہ ہوتا ہے جس سے وہ اذیت محسوس کرے اور یہی بات حق کے قریب ہے۔
(جامع الرموز ج ۲ ص ۲۹۲ طبع نولکشور)	

اس مذہب کے دلائل و براہین اپنے مقام پر آرہے ہیں ان شاء اللہ العزیز، اس مسلک پر سب سے بڑا اور وزنی اعتراض جو وارد ہوتا ہے (اور یہی باطل اور مرجوح فرقوں کو پریشان کئے ہوئے ہے) یہ ہے کہ جب میّت کو درندے اور پرندے کھا جاتے ہیں یا وہ جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے تو اس کا بدن کہاں رہا؟ جب بدن ہی نہ رہا تو روح کا اس سے تعلق اور اتصال اور پھر اس تعلق اور اتصال کی وجہ سے اس کی حیات کا کیا مطلب؟ لیکن یہ بات نرا مغالطہ اور شبہ ہے کیونکہ قبر اور برزخ کا معاملہ اس جہان سے ہے جو ہماری مادی نگاہوں سے بالکل اوجھل ہے اور عادۃً اس عالم کی چیزیں ہمیں اس جہان میں نظر بھی نہیں آسکتیں ورنہ ایمان بالغیب نہ رہے گا جب دلائل قوی ہوں تو ہر مومن کو ان پر ایمان لانا ضروری ہے۔ صحاح ستہ کی مرکزی کتابوں میں حضرت ابو سعید الخدریؓ (المتوفی ۷۴ھ) حضرت حذیفہؓ بن الیمانؓ (المتوفی ۳۵ھ) اور حضرت ابو ہریرہؓ (المتوفی ۵۸ھ) وغیرہ حضرات صحابہ کرامؓ

سے مختلف الفاظ کے ساتھ روایت مروی ہے چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ یہ ہیں:-

عن النبی صلے اللہ علیہ وسلّم قال کان رجل یُسرفُ علیٰ نفسہٖ فلمّا حضرہ الموت قال لبنیہٖ اذا انا مِتُّ فاحرقونی ثم اطحنونی ثم ذُرُّونی فی الریح فواللہ لئن قدر اللہ علیّ لیعذبنی عذابا ما عذّبہٗ احداً فلمّا مات فُعِلَ بہٖ ذٰلک فامر اللہ تعالیٰ الارض فقال اجمعی ما فیک منہ ففعلت فاذا ھو قائم قال ما حملک علیٰ ما صنعت قال مخافتک یا رب فغفر لہ، الحدیث (بخاری جلد ۱ ص ۴۹۵ واللفظ لہ ومسلم ج ۲ ص ۳۵۶)

آنحضرت صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک شخص نے گناہوں کی وجہ سے اپنے نفس پر بڑی زیادتی کی تھی جب اس کی موت کا وقت آیا تو اُس نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ جب میں مر جاؤں تو تم مجھے جلا کر میری راکھ کو خوب پیس کر ہوا میں اڑا دینا بخدا اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ پر تنگی کی تو مجھے وہ ایسی سزا دے گا جو اور کسی کو اس نے نہیں دی جب اس کی وفات ہوئی تو اس سے یہی کارروائی کی گئی اللہ تعالیٰ نے زمین کو حکم دیا کہ اس کے تمام ذرّات کو جمع کر دے سو اس نے ایسا ہی کیا جب وہ جمع کر دیا گیا تو وہ آدمی تھا جو کھڑا کر دیا گیا فرمایا کہ یہ کارروائی تو نے کیوں کی، اس نے کہا تیرے ڈر سے اے میرے پروردگار سو اللہ تعالیٰ نے اسے بخش دیا۔

اور ایک روایت میں آتا ہے کہ اس نے کہا کہ میری راکھ کا آدھا حصّہ خشکی میں اور آدھا دریا میں بکھیر دینا چنانچہ ایسا ہی کیا گیا (بخاری جلد ۲ ص ۱۱۱۷ ومسلم جلد ۲ ص ۳۵۶) حضرت ابو سعید الخدریؓ کی روایت مسند احمد ج ۳ ص ۷۷ میں بھی موجود ہے۔

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ پروردگار کو اس امر پر قدرت کاملہ ہے کہ وہ راکھ کے ذرّات کو بحر و بر سے جمع کر کے اس سے بھلا چنگا آدمی اور انسان بنا دے اور پھر اس سے سوال کرے ہاں جو شخص اللہ تعالیٰ کی قدرت کو تسلیم نہیں کرتا یا معاذ اللہ تعالیٰ اس کی قدرت کو محدود مانتا ہے تو اس کے لیے یہ بات تسلیم کرنی بڑی ہی مشکل ہے اس کے نزدیک مردہ کی راکھ کو بھلا کیونکر جمع کیا جا سکتا ہے؟ آگے ہم حضرات جمہور کے مسلک کی تشریح کرتے ہیں کہ وہ قبر اور برزخ میں جسم کی طرف اعادۂ روح کے قائل ہیں اور اعادۂ روح کے ساتھ جو حیات ہوتی ہے وہ برزخی بھی ہے بایں معنی کہ یہ کارروائی برزخ میں ہوئی اور جسمانی بھی ہے بایں تفسیر کہ قبر میں روح کا اتصال اور تعلق جس درجہ کا بھی ہے جسم مادی اور عنصری سے ہے جو بدن دنیا میں

حاصل تھا اس لحاظ سے جن حضرات نے اس حیات کو برزخی کہا ہے وہ بھی ٹھیک ہے اور جنہوں نے جسمانی کہا وہ بھی ٹھیک ہے ہمارے نزدیک یہ نزاع صرف لفظی ہے، ہاں لا نُسَلِّمُ کا کوئی علاج نہیں ہے، اس کی کچھ ضروری بحث اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ اب ہم جمہور اہل سنت کے اس نظریہ کے اثبات پر صحیح حدیث اور اس کے شواہد اور اقوال حضرات ائمہؒ اور عبارات علماء پیش کرتے ہیں کہ قبر میں میّت کے جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے بایں طور کہ روح کا جسم سے اتصال و تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کو ادراک و شعور ہو جاتا ہے اور اسی شعور سے راحت و کلفت اس کو محسوس ہوتی ہے، باقی مذاہب کا رد آئندہ پیش ہونے والے دلائل میں خود بخود ہوتا رہے گا اور ان کا مستقل رد نہیں کیا جائے گا اور نہ اس کی ضرورت ہے۔

اس سابق بیان سے معلوم ہوا کہ جو میّت جلا کر راکھ کر دی گئی ہو یا اس کو درندے کھا چکے ہوں تو اس کو جو سزا دی جاتی ہے وہ صرف روح اور بدن مثالی ہی سے متعلق نہیں ہوتی بلکہ اس کے ساتھ اس کے بدن عنصری کا تعلق بھی ہوتا ہے اس کے بدن کا تعلق کیونکر ہوتا ہے؟ اس کا جواب انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ اوراق میں ملے گا بشرطیکہ صحیح بات کو ماننے کے لیے کوئی آمادہ ہو ورنہ اس کے حق میں دلائل کا انبار بھی بے سود ہے سچ ہے کہ ؎

تہی دستانِ قسمت را چہ سُود از رہبرِ کامل
کہ خضر از آبِ حیواں تشنہ مے آرد سکندر را!

الحاصل لفظ قبر حقیقۃً اس گڑھے پر اطلاق کیا جاتا ہے جس میں میّت دفن ہوتی ہے اور مجازی طور پر اس برزخی مقام پر بھی بولا جاتا ہے جہاں میّت یا اس کے اجزاءِ اصلیہ ہوں عام اس سے کہ وہ درندوں اور پرندوں کا پیٹ ہو یا دریا کی گہرائی ہو، آتش کدہ ہو یا ہوا ہو لیکن یہ خیال رہے کہ اس موقع پر جمع بین الحقیقۃ والمجاز کا شبہ نہ ہو جو ارباب اصول کے نزدیک جائز نہیں ہے بلکہ یہ عموم مجاز کے طور پر ہے جس کے صحیح ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے ع

خُذ ما صفا ودع ما کدر

قدرتِ خداوندی کی تو حد و بست نہیں اور نہ وہ مخلوق کے حیطۂ امکان میں ہے لیکن سنت اللہ یوں جاری ہے کہ حیات جسم و روح کے تعلق کے بغیر متحقق نہیں ہوتی، اس لیے قبر کی حیات بھی روح کے

تعلق سے ہی ہو سکتی ہے اور دلائلِ صریحہ سے ثابت ہے کہ موت کے وقت روح جسم سے نکالی جاتی ہے اور اس کے مستقر پر (جو علیّین اور سجّین ہے) پہنچا دی جاتی ہے۔ مگر یہ بھی صحیح براہین سے ثابت ہے کہ قبر میں میّت کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اعادہ روح کے کچھ دلائل باحوالہ عرض کر دیں تاکہ ماننے والوں کے ایمان وایقان میں اضافہ ہو اور نہ ماننے والوں کے لیے شاید کہ رُشد و ہدایت کا ذریعہ ثابت ہوں یا کم از کم اتمام حجت ہی ہو جائے۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

باب دوم

اعادۂ روح

اہل السنت والجماعت کا یہ مسلک ہے کہ میّت جب قبر میں دفن کر دی جاتی ہے تو اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹا دی جاتی ہے یہ اعادہ بالجملہ (پورا) ہو بایں طور کہ روح بکمالہ پورے جسم میں داخل ہو جائے جیسا کہ دُنیا میں داخل تھی یا فی الجملہ یعنی اس قدر روح کا جسم سے اتصال اور تعلق ہو کہ جس سے راحت و تکلیف کا احساس ہو سکے یہ اپنے مقام کی بحث ہے اور اس کے بارے میں کچھ ضروری بحث آگے بیان ہوگی انشاء اللہ تعالیٰ اس اعادہ کا ثبوت صحیح حدیث سے ہے جس کی سند یوں ہے حضرت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں کہ ہم سے ابو معاویہؒ[1] نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے الاعمشؒ[2] نے بیان کیا وہ منہالؒ[3] بن عمروؒ سے اور وہ زاذانؒ[4] سے اور وہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہما سے

---

[1] ان کا نام محمدؒ بن خازمؒ تھا، حافظ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں کہ وہ احد مشائخ الحدیث الثقات المشہورین تھے (البدایہ والنہایہ جلد ۱۰ ص ۲۳۵) علامہ ذہبیؒ انکو احد الائمۃ الاعلام الثقات فرماتے ہیں (میزان الاعتدال جلد ۳ ص ۲۸۲) اور نیز لکھتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت تھے (میزان جلد ۲ ص ۹۹) امام عجلیؒ یعقوبؒ بن سفیانؒ اور نسائیؒ انکو ثقہ کہتے ہیں محدث ابن خراشؒ ان کو صدوق کہتے ہیں، ابن حبانؒ انکو ثقات میں لکھتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور متقن تھے ابن سعدؒ انکو ثقہ اور کثیر الحدیث کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۹ ص ۱۳۷) حافظ ابن حجرؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں (تقریب ص ۳۱۸) علامہ خطیب بغدادیؒ نے اپنی تاریخ جلد ۵ ص ۲۴۲ سے ص ۲۴۹ تک کئی صفحات میں علم حدیث میں ان کی ثقاہت اور اتقان پر متعدد حضرات محدثین کرامؒ کے زرّین اقوال نقل کئے ہیں اور امام یحییٰ بن معینؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ کریں)

روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایک انصاریؓ کے جنازہ کیلئے نکلے اور قبرستان میں پہنچے لیکن ابھی تک قبر تیار نہیں ہوئی تھی آپؐ بھی وہاں جلوہ افروز ہوتے اور ہم بھی آپؐ کے پاس ہی بیٹھ گئے آپ نے ایک طویل حدیث میں مومن اور کافر کی وفات کا تذکرہ فرمایا اس میں مومن کے بارے میں یہ ارشاد بھی مذکور ہے کہ:

حتی ینتھی بھا الی السماء السابعۃ فیقول اللہ

مومن کی روح کو پھر ساتویں آسمان پہ پہنچا دیا جاتا ہے۔

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) ابو معاویہؒ، اعمشؒ سے روایت کرنے میں جریرؒ سے (جو ثقہ اور ثبت راوی ہیں) اثبت تھے اور نیز لکھا ہے کہ اعمشؒ سے روایت کرنے میں وہ اضطراب کا شکار کبھی نہیں ہوئے (جلد ۵ ص ۲۹۸) ؎۲ ان کا نام سلیمانؒ بن مہرانؒ تھا۔ علامہ ذہبیؒ لکھتے ہیں کہ وہ الحافظ الثقہ اور شیخ الاسلام تھے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۱ ص ۱۴۵) محدث ابن عمارؒ کا بیان ہے کہ حضرات محدثینؒ کی پوری جماعت میں اعمشؒ سے زیادہ اثبت اور کوئی نہ تھا امام عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ اور ثبت فی الحدیث تھے اور وہ کہتے ہیں وکان فیہ تشیع مگر امام عجلیؒ کے علاوہ کسی نے ان پر تشیع کا الزام نہیں لگایا اور صحیح بات بھی یہی ہے کہ وہ اہلسنت والجماعت کے ہاں مشہور دس قرأتوں میں سے ایک قرأت کے مسلّم امام ہیں امام ابن معینؒ ان کو ثقہ اور امام نسائیؒ ثقہ ثبت کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات تابعینؒ میں لکھتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۴ ص ۲۲۳ و ص ۲۲۴ ملتقطاً) ؎۳ منہال بن عمروؒ، امام ابن معینؒ، نسائیؒ اور عجلیؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے، امام دارقطنیؒ ان کو صدوق کہتے ہیں اور ابن حبانؒ انکو ثقات میں لکھتے ہیں، بعض حضرات نے ان پہ جرح کی ہے کہ ان کے گھر سے ساز کے ساتھ قرأت کی آواز آئی تھی لہذا ان کی روایت نامعتبر ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ نے ساز کا افسانہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

ولم یصح ذ[illegible] عنہ وجرحہ بھذا تعسف ظاھر وقد وثقہ ابن معینؒ والعجلیؒ وغیرھما اھ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص ۳۲۰)

مگر یہ الزام ان پر ثابت نہیں ہو سکا اور اس کی وجہ سے ان پہ جرح کرنا سراسر زیادتی ہے۔ بلاشبہ وہ ثقہ تھے امام ابن معینؒ اور عجلیؒ وغیرہ نے ان کی توثیق کی ہے۔

امام شعبہؒ نے ان سے روایت اس لیے ترک کر دی تھی کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز آئی تھی لیکن یہ حکایت ہی من گھڑت ہے امام احمدؒ نے صرف اتنا ہی فرمایا ہے کہ ابو بشرؒ ان سے زیادہ ثقہ ہے۔ غلابیؒ نے ابن معینؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ ان کی شان کو کچھ کم کرتے تھے جوزجانیؒ ان کو سیئ المذہب کہتے تھے اور ابن القطانؒ نے غمزہ یعنی ان کو دبایا یعنی مطعون کیا یہ حوالے مؤلف ندائے حق نے ص ۲۱۴ میں نقل کئے ہیں لیکن ان سے ان پہ جرح ثابت نہیں ہوتی کیونکہ ساز کی نسبت ان کی طرف غلط ہے اور سیئ المذہب کوئی جرح نہیں کیونکہ اسی ساز کی وجہ سے جو ثابت نہیں ان کا یہ مذہب سمجھا گیا ہے اور باقی تمام جرحیں مبہم ہیں تدریب الراوی ص ۲۰۴ میں ہے۔

فان کان من جرح مجملا قد وثقہ احد من ائمۃ ھذا

سو اگر جارح نے مجمل جرح کی ہو اور اس فن کے اماموں میں سے

(باقی صفحہ آئندہ پر)

اكتبوا كتاب عبدي في عليين واعيدوه الى الارض فاني منها خلقتهم وفيها اعيدهم ومنها اخرجهم تارةً اُخرىٰ فتعاد روحه في جسده فيأتيه ملكان فيجلسانه فيقولان له من ربك الحديث (مسند احمد جلد ۴ صـ ۲۸۷ وتفسیر ابن کثیر جلد ۲ صـ ۵۳۱ وتحریرات حدیث صـ ۲۰۸) اور یہ روایت امام ابن المبارکؒ کی کتاب الزہد والرقاق صـ ۴۳۱ طبع علمی پریس مالیگاؤں میں بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نام علیین میں درج کردو اور اس کو زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے ان کو زمین سے پیدا کیا ہے اور اسی میں ان کو لوٹاؤں گا اور اسی سے دوسری مرتبہ نکالوں گا پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھلا کر من ربک الخ سے سوال کرتے ہیں۔

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ

الشان لم يقبل الجرح فيه من احد كائناً من كان الا مفسراً اھ

کسی ایک نے اسکی توثیق کی ہو تو جرح کسی کی بھی قبول نہ ہوگی خواہ جرح کرنے والا کوئی بھی الا یہ کہ جرح مفسر ہو۔

سه زاذانؒ ان کی کنیت ابو عبد اللہ ہے اور بعض نے ابو عمرو بیان کی ہے الکندی نسبت ہے۔ امام ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ وہ ایسے ثقہ تھے جن کی مثل کے بارے میں سوال ہی نہیں کیا جا سکتا (ثقة لا يسئل عن مثله) ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ جب ان سے روایت کرنے والا ثقہ ہو تو ان کی احادیث لا بأس بها ہیں علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور کثیر الحدیث لکھتے ہیں علامہ خطیبؒ اور عجلیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں کہ وہ کثیر الخطأ تھے اور حاکم ابو احمدؒ فرماتے ہیں کہ ليس بالمتين عندهم اور حکمؒ نے فرمایا کہ وہ کثیر الکلام تھے۔ لیکن امام ابن حبانؒ کا ان کو کثیر الخطأ کہنا جمہور کے نزدیک مسلم نہیں امام ابن حبانؒ متشدد بھی تھے اور متساہل بھی تھے۔ کبھی کبھی بے سروپا باتیں کہہ جاتے تھے چنانچہ ناقد فن رجال علامہ ذہبیؒ فرماتے ہیں کہ:

ابن حبان ره لا يدري ما يخرج من رأسه

ابن حبانؒ نہیں جانتے کہ ان کے سر اور دماغ سے کیا نکلتا ہے

(الاجوبة الکاملة صـ ۵۳ مولانا عبد الحیؒ)

اگر جمہور کی جرح مفسر نہ ہو تو لیس بالمتین سے عدالت ساقط نہیں ہوتی (تدریب الراوی صـ ۲۳۲) اور روایت میں عدالت ہی رکن اکبر ہے (توجیہ النظر صـ ۲۱ طبع مصر) اور کثیر الکلام ہونا فن حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں ویسے کوئی صوفی قسم آدمی اس سے روایت لینے میں احتیاط کرتا ہے تو یہ اس کا اپنا ذاتی نظریہ ہے تدریب الراوی صـ ۲۰۲ میں لکھا ہے کہ:

باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر ملاحظہ کریں

اور نیز مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۳ ص ۳۸۱ طبع حیدر آباد دکن میں بھی ہے اور تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۴ میں بھی یہ روایت موجود ہے۔

اور اسی حدیث میں کافر کے بارے میں یہ الفاظ بھی مذکور ہیں کہ آسمانوں کے دروازے اس کے لئے نہیں کھلتے

فیقول اللہ اکتبوا کتابہ فی سجین فی الارض السفلی فتطرح روحہ طرحا ثم قرأ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ ۝ فتعاد روحہ فی جسدہ ویأتیہ ملکان فیجلسانہ ویقولان لہ من ربک الحدیث

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی کارگذاری اور نام وغیرہ سجین میں لکھ دو جو ساتویں زمین میں ہے پھر اسکی روح وہاں سے پھینکی جاتی ہے پھر آپ نے یہ ارشاد خداوندی پڑھا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہے پس گویا کہ وہ آسمان سے گرا اور اس کو پرندے اُچک کر لے گئے یا ہوا نے گہرے گڑھے میں ڈال دیا اور پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو بٹھلا کر من ربک الخ سے

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ:۔ منھال بن عمروؒ کے گھر سے طنبور کی آواز سننے کی وجہ سے امام شعبہؒ کا ان کی روایت کو نہ لینا اور حکم بن عتیبہؒ کا کثیر الکلام ہونے کی وجہ سے زاذانؒ کی روایت کو نہ لینا مالیس بجرح (یعنی اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں) (محصلہ تہذیب التہذیب جلد ۳ ص ۳۰۳) حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وزاذان من الثقات روی عن اکابر الصحابۃ کعمرؓ وغیرہ اھ (کتاب الروح ص ۵۹)

زاذانؒ ثقہ راویوں میں سے تھے حضرت عمرؓ وغیرہ اکابر صحابہ کرامؓ سے اس نے روایتیں کی ہیں۔

مؤلف ندائے حق نے ص ۲۰۹ میں بحوالہ تقریب مذکور زاذانؒ کے بارے میں لین الحدیث وفیہ شیعۃ کے الفاظ نقل کئے ہیں اور اسی طرح ص ۲۱۰ میں تفسیر بے نظیر کے حوالے سے بھی یہ الفاظ نقل کئے ہیں لیکن یہ بالکل غلط ہے تقریب ص ۱۲۶ میں اس سند کے راوی زاذان ابو عمر کندیؒ کے بارے میں لکھا ہے صدوق یرسل وفیہ شیعۃ اور یہ روایت متصل ہے اور شیعہ ہونا بغیر داعیہ کے اصول حدیث کے لحاظ سے کوئی جرح نہیں اور اعادۂ روح الی الجسد اہل السنت والجماعۃ کا مسلک ہے نہ کہ شیعہ کا وہ اگر اعادہ روح مانتے ہیں تو نصف حصہ تک (بحوالہ ندائے حق ص ۲۱۱) اور تقریب ص ۱۲۶ میں زاذان ابو یحییٰ القتات کے بارے میں لکھا ہے۔ لین الحدیث مگر وہ اس سند کا راوی نہیں ہے وہ اور ہے۔

سوال کرتے ہیں۔

یہ روایت ابوداؤد طیالسی ص۱۰۲ میں بھی مذکور ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں فیرد الی الارض و تعاد روحه فی جسده الحدیث کہ اس کو زمین کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور یہ روایت تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص۲۱۸ میں بھی ہے اور یہ روایت صحاح ستہ کی مشہور کتاب ابوداؤد جلد۲ ص۲۹۸ میں بھی اختصاراً مروی ہے، اور اس میں یہ جملہ بھی موجود ہے وتعاد روحه فی جسده الخ اور مشکوٰۃ جلد۱ ص۱۴۲ میں بحوالہ مسند احمد مذکور ہے اور مشکوٰۃ جلد۱ ص۲۵ میں بھی اختصاراً یہ روایت موجود ہے اور اس میں بھی وتعاد روحه فی جسده الخ کے الفاظ موجود ہیں اور آخر میں لکھا ہے رواه احمدؒ وابوداؤدؒ اور امام حاکمؒ نے یہ روایت مستدرک جلد۱ ص۳۷ میں نقل کی ہے اور اس میں مومن کے بارے یہ الفاظ موجود ہیں فترد روحه الی جسده الخ اور کافر کے حق میں یہ الفاظ مروی ہیں فیرمی بروحه حتی تقع فی جسده اھ (جلد۱ ص۳۸) سو اس کی روح کو پھینک دیا جاتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کے جسم میں جا پڑتی ہے۔ امام حاکمؒ نے محدثانہ انداز میں کئی طرق اور متعدد اسانید کے ساتھ یہ روایت نقل کرکے آگے تحریر فرمایا ہے۔

هذا حديث صحيح على شرط الشيخين فقد احتجا بالمنهالؒ بن عمروؒ وزاذانؒ ابی عمر الکندیؒ وفی هذا الحدیث فوائد کثیرة لاهل السنة وقمع للمبتدعة اھ (مستدرک جلد۱ ص۳۹)

یہ حدیث بخاریؒ اور مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے (کیونکہ ابومعاویہؒ اور اعمشؒ تو بخاری اور مسلم کے مرکزی راوی ہیں اور) منہالؒ بن عمروؒ اور زاذانؒ ابوعمرو الکندیؒ سے بھی بخاریؒ اور مسلمؒ نے احتجاج کیا ہے، اور اس حدیث میں اہل سنت کے لیے کئی فوائد اور اہل بدعت کے قواعد کے قلع قمع کا خاصا ثبوت موجود ہے۔

علامہ ذہبیؒ اس روایت کے بارے میں اپنا فیصلہ یوں ارقام فرماتے ہیں کہ:-

وهو علی شرطهما فقد احتجا بالمنهالؒ اھ (تلخیص المستدرک جلد۱ ص۳۸)

یہ روایت بخاریؒ اور مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے کیونکہ امام بخاریؒ اور مسلمؒ دونوں نے منہالؒ سے احتجاج کیا ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے استاد حافظ نور الدین الہیثمیؒ (المتوفی ۸۰۷ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:-

رواه احمد ورجاله رجال الصحیح اھ

اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور اس کے

(مجمع الزوائد جلد۳ ص۴۹ مصنف)

تمام راوی صحیح بخاری کے راوی ہیں۔

اور مولانا سید احمد حسن صاحب (المتوفی ســــھ) حضرت امام بیہقیؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ:۔

وقال البیہقی ہذا حدیث صحیح الاسناد اھ (تنقیح الرواۃ ج۱ ص۳۱۷)

امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

علامہ منذریؒ فرماتے ہیں کہ امام بیہقیؒ نے فرمایا کہ:۔

وہذا حدیث صحیح الاسناد (الترغیب والترہیب ج۳ ص۲۶۵

یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

اور خود اپنا فیصلہ یوں صادر فرمایا:۔

والحدیث صحیح (تنقیح الرواۃ جلد۱ ص۳۱۷)

کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اس حدیث کی تحقیق میں لکھتے ہیں کہ:۔

وقد رواہ الامام احمدؒ وغیرہ وہو حدیث اجمع رواۃ الاثر علی شہرتہ واستفاضتہ وقال الحافظ ابو عبد اللہؒ بن مندۃ ہذا الحدیث اسناد متصل مشہور رواہ جماعۃ عن البراءؓ اھ (شرح حدیث النزول ص۴۲ طبع امرتسر)

اس حدیث کو امام احمدؒ نے روایت کیا ہے اور تمام محدثینؒ کا اس کے مشہور اور مستفیض ہونے پر اجماع ہے اور حافظ ابو عبد اللہؒ بن مندہؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث متصل الاسناد اور مشہور ہے اور حضرت براءؓ بن عازبؓ سے ایک جماعت نے اس کو روایت کیا ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وہو حدیث صحیح صححہ جماعۃ من الحفاظ اھ (اجتماع جیوش الاسلامیۃ علی غزو المعطلۃ والجہمیۃ ص۳۵ طبع امرتسر)

یہ حدیث صحیح ہے اور حفاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کو صحیح کہا ہے۔

اور دوسرے مقام پہ یوں لکھتے ہیں کہ:۔

وقال ابو موسیٰ الاصبہانی ہذا حدیث حسن مشہور بالمنہالؒ عن زاذانؒ وصححہ ابو نعیمؒ الحاکمؒ وغیرہما اھ (تہذیب سنن ابی داؤد جلد

امام ابو موسیٰ الاصبہانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن اور مشہور ہے جو منہالؒ نے زاذانؒ سے روایت کی ہے امام ابو نعیمؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے اس کی تصحیح کی ہے۔

صلا۱۲ وکذا فی مختصر سنن ابی داؤد للمنذری ج۷ صلا۱۴۲

اور ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

هذا حديث مشهور مستفيض صححه جماعة من الحفاظ ولا نعلم احدًا من أُئمة الحديث طعن فيه بل رووه في كتبهم وتلقوه بالقبول وجعلوه اصلاً من اصول الدين في عذاب القبر ونعيمه ومسئلة منكر ونكير وقبض الارواح وصعودها الى بين يدي الله ثم رجوعها الى القبر اھ (كتاب الروح ص $\frac{58}{59}$)

یہ حدیث ثابت مشہور اور مستفیض ہے اور حفّاظ حدیث کی ایک بڑی جماعت نے اس کی تصحیح کی ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ ائمہ حدیث میں کسی نے اس میں طعن کیا ہو بلکہ انہوں نے اس کو اپنی کتابوں میں روایت کیا اور اس کو قبول کیا ہے اور قبر کے عذاب و راحت اور منکر و نکیر کے سوال اور ارواح کے قبض کرنے اور ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف لے جانے اور پھر ان کو قبر کی طرف لوٹانے کے سلسلہ میں اس روایت کو اصول دین سے قرار دیا ہے۔

اور ایک اور مقام میں محدثانہ رنگ میں اس حدیث پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فالحديث صحيح لاشك فيه (كتاب الروح ص۵۶)

پس یہ حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

اور علامہ منذریؒ لکھتے ہیں۔

وذكر ابو موسى الاصبهاني انه حديث حسن مشهور بالمنهال اھ (مختصر ابي داؤد جلد۷ ص۱۴۲ للمنذريؒ)

محدث ابو موسیٰ الاصبہانیؒ نے فرمایا کہ یہ حدیث حسن ہے اور منہالؒ کے طریق سے مشہور ہے۔

اور دوسرے مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

رواه ابوداؤدؒ واحمدؒ باسناد رواته محتج بهم في الصحيح اھ (الترغيب والترهيب ج۲ ص۳۶۵)

امام ابوداؤدؒ اور امام احمدؒ نے اس کو ایسی سند کے ساتھ روایت کیا ہے جس کے تمام راویوں سے امام بخاریؒ نے اپنے صحیح میں احتجاج کیا ہے۔

اور علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ:۔

روى الامام احمدؒ وابوداؤدؒ باسناد صحيح عن البراءؓ (مختصر تذكرہ قرطبيؒ ص۲۴)

امام احمدؒ اور ابوداؤدؒ نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت حضرت براءؓ سے روایت کی ہے۔

اور حضرت مولانا قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ اس حدیث کو الاحادیث الصحاح میں شمار کرتے

ہیں (ملاحظہ ہو تفسیر مظہری جلد ۱۰ ص۲۲۴) اور علامہ علیؒ بن عبد الکافی السبکیؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) اس حدیث کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ورجال اسنادہ کلھم ثقات اھ (شفاء السقام ص۱۵۰) اس حدیث کے سب راوی ثقہ ہیں۔ حضرت مولانا عبد العزیز صاحب فرہارویؒ فرماتے ہیں کہ ان الاحادیث الصحیحۃ ناطقۃ بان الروح تعاد فی الجسد عند السوال اھ (نبراس ص۳۲۲) صحیح حدیثیں اس امر پر ناطق ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

اور حافظ ابن حجر عسقلانیؒ بھی اس حدیث کو کما ثبت فی الحدیث کہہ کر صحیح کہتے ہیں (فتح الباری ج۵ ص۵۰۴)

اور علامہ داؤد بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں کہ امام احمدؒ نے مسند میں امام ابو داؤدؒ نے سُنن میں امام حاکمؒ نے مستدرک میں امام ابن ابی شیبۃؒ نے مصنف میں۔ امام بیہقیؒ نے کتاب عذاب القبر میں امام طیالسیؒ اور امام عبدؒ بن حمیدؒ نے اپنے اپنے مسند میں ھنادؒ بن سریؒ نے کتاب الزہد میں اور اسی طرح امام ابن جریرؒ اور ابن ابی حاتمؒ وغیرہ نے صحیح اسانید اور طرق کے ساتھ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی یہ حدیث روایت کی ہے۔ (المنحۃ الوھبیۃ فی رد الوہابیۃ ص۱۱ طبع استنبول)

الحاصل اس حدیث کا ایک ایک راوی ثقہ اور ثبت ہے اور امام بخاریؒ اور مسلمؒ جیسے امام فن اور پختہ کار حضرات محدثین کرامؒ نے اس سند کے تمام راویوں سے احتجاج کیا ہے اور سو فیصدی حضرات محدثین کرامؒ اس حدیث کی تصحیح کرتے ہیں اور عذاب قبر و نعیم قبر وغیرہ اہم مسائل کے بارے میں اس حدیث کو اہل سنت والجماعت کا مستدل قرار دیتے ہیں، چنانچہ حافظ ابن القیمؒ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ:۔

ورواہ ابو عوانۃ الاسفرائنی فی صحیحہ و ذھب الی القول بموجب ھذا الحدیث جمیع اھل السنۃ والحدیث من سائر الطوائف اھ (کتاب الروح ص۵۱)

امام ابو عوانہ الاسفرائنیؒ نے اس حدیث کو اپنے صحیح میں روایت کیا ہے اور اہل السنت اور اہل الحدیث کے تمام فرقے اس حدیث سے جو احکام ثابت ہیں ان کے قائل ہیں۔

اور علی الخصوص قبر میں عود الروح الی البدن کے بارے میں اس حدیث کو نص قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن القیمؒ اعادہ روح کے متعلق واشگاف الفاظ میں لکھتے ہیں کہ:۔

النص الصحیح الصریح وھو قولہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فتعاد الروح فی جسدہ اھ (کتاب الروح ص۵۲)

آنحضرت صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ (قبر میں) روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے نص صحیح اور صریح ہے۔

اور علامہ علیؒ بن عبد الکافی السبکیؒ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ :-

وفیہ التصریح بعود الروح الی الجسد اھ
(شفاء السقام ص۱۴۸)

اس حدیث میں عود الروح الی الجسد کی صراحت موجود ہے۔

غرضیکہ یہ روایت اصول حدیث کے رُو سے بالکل صحیح ہے اس کی صحت میں ذرّہ بھر کلام نہیں ہو سکتا اہل السنت والجماعت کا یہ قوی مستدل ہے اور اہل بدعت کے باطل عقائد کے رد کے لیے یہ برہان قاطع اور ان کے حق میں یہ خالص نشتر ہے۔ اور اس حدیث سے جو امور ثابت ہیں ان پر علماء کا اجماع ہے۔

(المنحۃ الوھبیۃ ص۱۱)

اس حدیث پر کلام اور اس کا جواب

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس صحیح حدیث کے سلسلہ میں جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کو بھی نقل کر کے ان کے صحیح جوابات عرض کر دیے جائیں تاکہ معاملہ بالکل بے غبار ہو جائے لیکن اس سے قبل کہ اعتراضات اور ان کے جوابات نقل کیے جائیں یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی ذات گرامی سے لے کر تقریباً چوتھی صدی تک اہل السنت والجماعت کے ہر مسلک اور ہر مکتبۂ فکر کے حضرات فقہاءؒ متکلمینؒ اور علماء حق اس عقیدے پر تھے کہ وفات کے بعد قبر میں میّت کو جو راحت و کُلفت پہنچتی ہے اس کا تعلق بدن مع الروح کے ساتھ ہوتا ہے اور میّت کو ایک گونہ حیات (نوع من الحیواۃ) حاصل ہوتی ہے جس کی وجہ سے اس کو فہم و شعور اور ادراکِ عذاب و نعمت ہوتا ہے۔ معتزلہ کرّامیہ اور روافض وغیرہ (جس کا ذکر اپنے مقام پر ہو گا انشاء اللہ تعالیٰ) اگرچہ اس حق اور صحیح مسلک کے ساتھ اختلاف رکھتے تھے لیکن اہل السنت اور اہل السنت میں شمار کئے جانے والے فرقوں میں سے کوئی شخص اس کا منکر نہ تھا، ہماری دانست میں سب سے پہلے جس شخص نے قبر میں اعادۂ روح کا انکار کیا ہے وہ امام ابو محمد علیؒ بن احمد بن حزم الظاہریؒ (المتوفی سنہ ۴۵۶ھ) ہیں جنہوں نے محلّی الفصل فی الملل والاھواء والنحل اور دیگر متعدد معلومات افزا کتابیں لکھ کر بہت بڑی دینی خدمت کی ہے جو رہتی دنیا تک یاد رہیگی، ان کا علم بڑا طویل اور عریض تو تھا مگر صد افسوس ہے کہ ظاہریت کی وجہ سے عمیق نہ تھا اور بعض اصولی اور فروعی مسائل میں انہوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں اور علماء ربّانی نے ان کا بعض مسائل میں خوب تعاقب کیا ہے

اور بعض باتیں تو ان کے بیباک قلم سے ایسی بھی صادر ہوئی ہیں، جن پر انتہائی حیرت ہوتی ہے مثلاً صحاح ستہ کی مرکزی کتاب الجامع الترمذی کے مصنف حضرت امام ترمذیؒ کے بارے میں ابن حزمؒ لکھتے ہیں کہ وہ مجہول ہیں (میزان الاعتدال جلد۳ صـ۱۱۷ و تہذیب التہذیب جلد۹ صـ۳۸۸) اگر امام ترمذیؒ مجہول ہیں تو رواتِ حدیث میں معروف کون ہوگا؟ اور حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ ابن حزمؒ قوتِ حافظہ کے گھمنڈ پر جرح و تعدیل اور اسماء رجال کی تعیین میں فاحش غلطیاں کر جاتے اور بُری طرح وہم کا شکار ہو جاتے تھے (لسان المیزان جلد۴ صـ۱۹۸) علامہ شمس الدین محمدؒ بن عبد الرحمٰن السخاویؒ (المتوفی ۹۰۲ھ) لکھتے ہیں کہ جن حضرات نے رواتِ حدیث پر بے تحاشا کلام اور جرح کی ہے، ان میں ایک ابن حزمؒ بھی ہیں (الاعلان بالتوبیخ لمن ذم التاریخ صـ۱۱ طبع مصر) اور بڑے بڑے ائمہ دین ان کی زبان سے محفوظ نہیں رہ سکے چنانچہ امام ابو العباس بن العریف الصالح الزاہدؒ فرماتے ہیں کہ حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزمؒ کی زبان (شقیقتین) دونوں حقیقی بہنیں تھیں (تذکرۃ الحفاظ جلد۳ صـ۳۲۸ و لسان المیزان جلد۴ صـ۲۰۱) علامہ ذہبیؒ ائمہ دین کی شان میں ان کی گستاخی کی یوں شکایت کرتے ہیں کہ:۔

وقد امتحن هذا الرجل وشدد عليه وشرد عن وطنه وجرت عليه امور لطول لسانه واستخفافه بالكبار ووقوعه في ائمة الاجتهاد باقبح عبارة وافظ محاورة وامتع رد اه

(تذکرۃ الحفاظ جلد۳ صـ۳۲۸)

ابن حزمؒ بڑی آزمائش میں مبتلا ہوئے اور ان پر سختی بھی کی گئی اور جلاوطن بھی کئے گئے اور کئی مصائب کا شکار بھی ہوئے کیونکہ وہ بڑے بڑے ائمہؒ کے حق میں زبان دراز کرتے اور ان کی توہین کا ارتکاب کرتے تھے اور حضرات ائمہ مجتہدینؒ کے بارے میں قبیح ترین عبارتیں اور گھناؤنے محاورات استعمال کرتے اور نامناسب لہجہ میں تردید کرتے تھے۔

اور دوسرے مقام پر یوں رقمطراز ہیں کہ:۔

وانا اميل الى محبة ابي محمد لمحبته بالحديث الصحيح ومعرفته به وان كنت لا اوافقه في كثير مما يقوله في الرجال والعلل والمسائل البشعة في الاصول والفروع واقطع بخطائه في غير مسألة ولكن لا اكفره ولا اضلله وارجو له

میں ابن حزمؒ کے ساتھ محبت کرتا ہوں کیونکہ وہ صحیح حدیث سے محبت کرتے اور اس کی معرفت رکھتے ہیں لیکن میں ان کے بہت سے نظریات میں مثلاً روات و عللِ حدیث اور اصول و فروع میں ناپسندیدہ طور پر مسائل میں کلام سے موافقت نہیں کرتا اور متعدد مسائل میں ان کو یقیناً خطاکار سمجھتا ہوں لیکن

العفو والمسامحۃ واخضع لفرط ذکائہ وسعۃ علمہ اھ

(سیر النبلاء بحوالہ مقدمہ تحفۃ الاحوذی ص۱۶۹)

میں انکی تکفیر و تضلیل نہیں کرتا اور ان کے لیے عفو و درگذر کا امیدوار ہوں اور ان کی فرط ذکاء اور وسعت علمی کا مقر ہوں

اور علامہ جزائریؒ نے بھی ان کی یہ شکایت کی ہے کہ وہ بڑے بڑے ائمہ کرامؒ کو خطاکار بتاتے اور ان پہ زبان درازی کرتے تھے (توجیہ النظر ص۳۲۳)

ہمارا مقصد ان حوالوں سے حاشا و کلا حافظ ابن حزمؒ کی تحقیر و توہین نہیں بلکہ بتانا صرف یہ ہے کہ بعض مقامات میں حدیث کے راویوں سے متعلق اور بعض احادیث کو معلول ٹھہرانے میں ان سے صریح کوتاہیاں سرزد ہوئی ہیں اور اصول و فروع کے کئی مسائل میں ان سے لغزشیں ہوئی ہیں، لہٰذا ایسے مقامات میں بجائے علامہ ابن حزمؒ کی پیروی کے صحیح حدیث کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور جمہور سلفؒ و خلفؒ کا ساتھ دینا ہی باعث نجات ہے اور کامیابی صرف اسی پہلو میں بند ہے اس مختصر سی تمہید کے بعد ہم سہولت کے لیے اعتراضات کے نمبر قائم کر کے انکو نقل کرتے ہیں اور اس کے بعد ان کے مختصر باحوالہ جوابات عرض کرتے ہیں، غور و فکر کرنا قارئین کرام کا کام ہے۔

اعتراض اوّل :- حافظ ابن حزمؒ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی مذکور حدیث پہ کلام کرتے ہوئے لکھتے ہیں

ولم یر واحد ان فی عذاب القبر ترد الروح الی الجسد الا المنہال بن عمرو ولیس بالقوی (محلی جلد ۱ ص۲۲ طبع مصر الفصل فی الملل والاہواء والنحل ج۴ ص۶۵ طبع بیروت)

کہ کسی راوی نے عذاب قبر کے سلسلہ میں روح کے جسم کی طرف لوٹانے کا ذکر نہیں کیا مگر صرف منہالؒ بن عمروؒ نے اور وہ قوی نہیں۔

جواب :- اس اعتراض کی اصول حدیث کے رو سے کوئی وقعت نہیں کیونکہ ہم پہلے باحوالہ عرض کر چکے ہیں کہ منہالؒ بن عمروؒ ثقہ راوی ہیں اور ان کی روایت امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پہ صحیح ہے اور باحوالہ حضرات محدثین کرامؒ کے جم غفیر سے اس روایت کی تصحیح نقل کی جا چکی ہے، چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ علامہ ابن حزمؒ کے اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

واما المنہال فمن رجال البخاری وحدیث زاذان مما اتفق السلف والخلف علی روایتہ وتلقیہا بالقبول اھ (شرح حدیث النزول ص۵۱)

منہالؒ بن عمروؒ صحیح بخاری کے راوی ہیں اور زاذانؒ کی اس حدیث کے روایت کرنے اور اس کے قبول کرنے پر تمام حضرات سلفؒ و خلفؒ کا اتفاق ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ علامہ ابن حزمؒ کو جواب دیتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ :-

واما قوله ان الحديث لا يصح لتفرد المنهال بن عمرو وحده وليس بالقوي فهذا من مجازفته رحمه الله فالحديث صحيح لا شك فيه اھ

(كتاب الروح ص۵۶)

ابن حزمؒ کا یہ کہنا کہ یہ حدیث صحیح نہیں کیونکہ اس کے روایت کرنے میں منہالؒ بن عمروؒ متفرد ہیں تو یہ محض اٹکل پچو بات ہے اللہ تعالیٰ ابن حزمؒ پر رحم کرے یہ حدیث صحیح ہے اس میں کوئی شک نہیں۔

علامہ ابن حزمؒ نے منہالؒ بن عمروؒ کے تفرد کا جو دعوےٰ کیا ہے حافظ ابن القیمؒ اس کا جواب دیتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :-

فالمنهال احد الثقات العدول قال ابن معين المنهال ثقة وقال العجلي ثقة واعظم ما قيل فيه انه سمع من بيته صوت غناء وهذا لا يوجب القدح في روايته واطراح حديثه وتضعيف ابن حزم له لا شئ فانه لم يذكر موجبا لتضعيفه غير تفرده بقوله فتعاد الروح في جسده وقد بينا انه لم يتفرد بها بل قد رواها غيره فقد روى ماهو ابلغ منها او نظيرها كقوله فترد اليه روحه وقوله فتصير الى قبره فيستوي جالسا وقوله فيجلسانه وقوله فيجلس في قبره وكلها احاديث صحاح لا مغمز فيها

(كتاب الروح ص۵۹)

منہالؒ ثقہ اور عادل راویوں میں تھے، ابن معینؒ فرماتے ہیں کہ منہالؒ ثقہ ہے عجلیؒ کہتے ہیں کہ کوفی اور ثقہ تھے بڑا الزام جو ان کی طرف نسبت کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ان کے گھر سے گانے کی آواز آتی تھی لیکن یہ ان کی حدیث کے رد اور ترک کا موجب نہیں اور ابن حزمؒ کی اس تضعیف کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ انہوں نے تفرد کے بغیر تضعیف کی کوئی اور وجہ بیان نہیں کی مگر فتعاد الروح فی جسدہ کے قول میں منہالؒ متفرد بھی نہیں بلکہ ان کے علاوہ دیگر راویوں نے ان الفاظ کی مانند بلکہ اس سے زیادہ واضح الفاظ نقل کئے ہیں مثلاً یہ کہ میت کی روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے، اور یہ کہ روح قبر میں پہنچتی ہے سو میت اس وقت سیدھی بیٹھ جاتی ہے اور فرشتے اس کو بٹھلاتے ہیں اور اس کو قبر میں بٹھلایا جاتا ہے اور یہ سب صحیح حدیثیں ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی طعن نہیں ہے۔

خود حافظ ابن القیمؒ نے اس سے قبل اُن تمام روایات کو باحوالہ نقل کر کے اُن کی نشاندہی کی ہے جن میں یہ الفاظ آتے ہیں اور ان میں منہالؒ بن عمروؒ نہیں بلکہ دیگر راوی ہیں اور علامہ سُبکیؒ لکھتے ہیں کہ :-

Www.Aalehaq.Com

وقد تكلم فيه ابن حزم من جهة المنهال بن عمرو وهذا الكلام ليس بشيء لان المنهال بن عمرو روى له البخاري ووثقه غير واحد منهم ابن معين اھ

(شفاء السقام ص۱۵۱)

اس حدیث میں ابن حزم ؒ نے منہال ؒ بن عمرو ؒ کی وجہ سے کلام کیا ہے لیکن اس کلام کا کوئی اعتبار نہیں کیونکہ منہال ؒ سے امام بخاری ؒ نے احتجاج کیا ہے اور بیشمار حضرات محدثین کرام ؒ نے ان کی توثیق کی ہے جن میں امام ابن معین ؒ بھی ہیں۔

مولانا سید احمد حسن صاحب ؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ولما رأى ابن حزم حديث المنهال رادا على معتقده في انكار عذاب الاجساد في قبورها طعن فيه وطعنه مردود والحديث صحيح اھ

(تنقیح الرواۃ جلد ۱ ص۳۱۴)

جب ابن حزم ؒ نے دیکھا کہ منہال ؒ بن عمرو ؒ کی حدیث ان کے اس عقیدہ کے خلاف ہے کہ قبور میں اجسام کو عذاب ہو تو اس حدیث پر جرح شروع کر دی۔ مگر ان کی جرح مردود ہے اور یہ حدیث بالکل صحیح ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ ابن حزم ؒ نے پہلے یہ عقیدہ اختراع کیا کہ قبور میں مُردوں کے اجسام کو عذاب نہیں ہوتا کیونکہ اعادہ روح کے بغیر نرے جماد کو سزا دینے کا کیا معنیٰ؟ اور ان کے زعم فاسد میں اعادۂ روح کی کوئی روایت نہیں اگر ہے تو منہال ؒ بن عمرو ؒ کی روایت ہے اور اس روایت کو دیکھ کر وہ خاصے پریشان ہوئے ہیں جو ان کے باطل عقیدہ پر کاری ضرب لگاتی ہے اور اس مخترع عقیدہ کو بیخ و بن سے اکھاڑ کر رکھ دیتی ہے لیکن ان کی ذہانتِ طبع ان کے کام آگئی اور یہ کہہ کر گلو خلاصی چاہی کہ منہال ؒ بن عمرو ؒ ضعیف ہے اور متفرد بھی پھر بھلا اس کی روایت کا کیا اعتبار؟ جن کی زبان سے بڑے بڑے حضرات ائمہ دین ؒ۔ مجتہدین ؒ اور امام ترمذی ؒ نہیں محفوظ رہ سکے ان سے منہال ؒ بن عمرو ؒ کیونکر بچ سکتے تھے؟ لیکن آپ نے ملاحظہ کر لیا کہ حضرات محدثین کرام ؒ میں چوٹی کے بزرگ ہاتھ دھو کر ابن حزم ؒ کے پیچھے پڑھ گئے ہیں اور منہال ؒ کی تضعیف اور ان کے تفرد کا معقول جواب دے کر حدیث مذکور کی تصحیح کرتے ہیں اور زوردار الفاظ میں اہل حق کے منصور مسلک کی تائید کرتے ہیں اور اس سے بڑھ کر کسی مسئلہ کی تحقیق و تمحیص اور کیونکر ہو سکتی ہے۔ مگر نہ ماننے والے کو اس کے انکار اور ضد سے کون روک سکتا ہے جو ضد اور لا نسلّم کا ہی خوگر ہو سچ ہے کہ ؎

کون روکے گا اُسے پینے سے میخانے میں آج
ہاتھ جس کے گردنِ رطل گراں تک آ گئے!

اعتراض دوم: علامہ ابن حزم ؒ کا یہ اعتراض بھی ہے کہ:۔

ترکه شعبة وغیرہ وقال فیه المغیرة بن مقسم الضبی وهواحد الائمة ما جازت للمنهال بن عمرو قط شهادة فی الاسلام اھ

(بحوالۂ کتاب الروح ص۴۵)

منہالؒ بن عمروؒ کو امام شعبہؒ نے ترک کر دیا تھا اور مغیرہ بن مقسم الضبیؒ جیسے امام فرماتے ہیں کہ منہالؒ بن عمروؒ کی اسلام میں سرے سے شہادت ہی جائز نہیں ہے۔

(تو روایت کیونکر معتبر ہو گی؟)

جواب:۔ امام شعبہؒ کی منہالؒ بن عمروؒ کی روایت کو ترک کرنے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ ثقہ نہ تھے بلکہ اس کی وجہ جیسا کہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نقل کرتے ہیں یہ تھی کہ امام شعبہؒ نے فرمایا کہ میں نے منہالؒ بن عمروؒ کے گھر سے طنبور کی آواز سنی اس لیے میں نے ان کی روایت ترک کر دی ہے، محدث وہبؒ بن جریرؒ نے یہ قصہ سن کر امام شعبہؒ سے دریافت کیا فهلا سألته عسى كان لا يعلم آپ نے ان سے دریافت کیوں نہ کر لیا ممکن ہے یہ کارروائی ان کی لاعلمی میں ہوئی ہو، امام وہبؒ بن جریرؒ نے بجا فرمایا ہے کسی کے گھر سے طنبور اور ساز کی آواز کا بلند ہونا اس کی دلیل نہیں کہ صاحب خانہ اس کا مرتکب ہوا ہو سکتا ہے کہ وہ اس وقت گھر میں ہی موجود نہ ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آواز پڑوسی کے گھر سے بلند ہوئی ہو اور صاحب خانہ اس پر راضی نہ ہو اس سے ان کی ثقاہت وعدالت پر کیا اثر پڑ سکتا ہے؟ یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجرؒ نے یہ سارا افسانہ نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ امام ابوالحسنؒ بن القطانؒ نے یہ حکایت نقل کر کے لکھا ہے کہ:۔

ولم يصح ذلك عنه وجرحه بهذا تعسف ظاهر وقد وثقه ابن معين والعجلي وغيرهما

(تهذيب التهذيب جلد ۱۰ ص۳۲۰)

یہ کارروائی منہالؒ بن عمروؒ سے ثابت نہیں ہو سکی اور اس وجہ سے ان پر جرح کرنا کھلی زیادتی ہے حالانکہ امام ابن معینؒ اور عجلیؒ وغیرہ نے منہالؒ کو ثقہ کہا ہے۔

اور حافظ ابن القیمؒ اس افسانہ کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

وقد يمكن ان لا يكون ذلك بحضوره ولا اذنه ولا علمه وبالجملة فلا يرد حديث الثقات بهذا وامثاله۔ (تهذيب سنن ابي داؤد ج ۶ ص۱۴۰ طبع مصر)

ممکن ہے کہ یہ ساز وطرب والی کارروائی ان کی غیر حاضری میں ہوئی ہو اور ان کی اجازت اور علم کے بغیر صادر ہوئی ہو۔ الغرض ثقہ راویوں کی حدیث ایسی اور اس جیسی پادر ہوا باتوں سے رد نہیں کی جا سکتی۔

امام مغیرہؒ بن مقسمؒ سے اسی سے ملتی جلتی ایک رام کہانی حافظ ابن حجرؒ نے نقل کی ہے، اور پھر لکھا ہے کہ اس حکایت کا راوی محمد بن عمر خود قابل اعتماد نہیں فیہ نظر اس میں کلام ہے، بھلا ایسے نامعتبر راویوں

کی داستانوں سے ثقہ راویوں کو کیونکر مجروح قرار دیا جا سکتا ہے؟ الحاصل اس اعتراض میں بھی کوئی جان نہیں ہے اور یہ نرا لغو اعتراض ہے اگر ایسی بے بنیاد باتوں سے رُوات حدیث پر جرح قبول ہو تو حدیث کا خدا تعالیٰ ہی حافظ ہے، حضرات محدثین کرامؒ ایسے کمزور اعتراضات کے سامنے کبھی سپر نہیں ڈالتے سے

نہ ڈرلے ناخدا طوفاں میں بھی کچھ اہل ہمت کے
سفینے کھیلتے رہتے ہیں موجوں کی روانی میں

مؤلف ندائے حق ص ۲۱۴ میں لکھتے ہیں کہ۔ منہالؒ بن عمروؒ کی جرح میں ابن حزمؒ "متفرد" نہیں شعبہؒ۔ جوزجانیؒ، یحییٰ القطانؒ، احمد بن حنبلؒ، حاکمؒ، غلابیؒ، مغیرہ الضبیؒ سب آپ کو مجروح کہتے ہیں جوزجانیؒ کہتے ہیں۔ منہالؒ بن عمرو سئی المذہب ہے (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۲۰) الخ

الجواب:۔ ان تمام حضرات نے جس وجہ سے ان پر کلام کیا ہے اس میں مرکزی نقطہ یہ ہے کہ ان کے گھر سے ساز کی آواز آئی تھی امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ امام شعبہؒ نے ان کو ترک کر دیا تھا امام عبد الرحمٰنؒ بن ابی حاتمؒ اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ:۔

لانہ سمع من دارہ صوت قراۃ بالتطریب (تہذیب التہذیب ج ۱۰ ص ۳۱۹)

اس لیے کہ ان کے گھر سے ساز کے ساتھ پڑھنے کی آواز سنائی دی تھی۔

اور اس تمام افسانہ اور رام کہانی کو نقل کر کے حافظ ابن حجرؒ نے لم یصح عنہ ذلک فرما کر (کہ ان سے یہ کارروائی ثابت ہی نہیں ہے) اس کا رد کر دیا ہے ان حضرات محدثین کرامؒ میں سے کسی نے ان کو حدیث میں ضعیف نہیں کہا اور نہ اس وجہ سے ان کی روایت رد کی ہے اور نہ ان کو اس لحاظ سے مجروح کہا ہے یہ مؤلف ندائے حق کا بے جا تعصب اور ضد ہے کہ وہ معقول جواب اور جمہور کی توثیق کے بعد بھی اپنے باطل نظریہ پر قائم ہیں بڑے شوق سے قائم رہیں مرنے کے بعد انشاء اللہ تعالیٰ حقیقت سب منکشف ہو جائے گی۔

اعتراض سوم:۔ حافظ ابن القیمؒ، امام ابو حاتم روبستیؒ کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں کہ یہ روایت زاذانؒ نے حضرت براء بن عازبؓ سے نہیں سُنی لہٰذا یہ روایت منقطع ہے (تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۴ ص ۱۳۹)

جواب:۔ یہ اعتراض بھی بے معنی ہے، اوّلاً اس لیے کہ حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ابو عوانہ میں بھی مذکور ہے اور اس کی سند آخر میں اس طرح ہے عن زاذان سمعت البراءؓ الخ زاذان فرماتے ہیں کہ میں نے خود یہ حدیث حضرت براءؓ سے سُنی ہے (شرح حدیث النزول ص ۴۷

وتہذیب سنن ابی داؤد جلد ۷ ص۱۴۱ وکتاب الروح ص۵۹) اور مستدرک جلد ۱ ص۳۷ اور ص۳۸ میں بھی یہ روایت اس طرح ہے زاذان قال سمعت البراءؓ الخ اور ابو داؤد جلد ۲ ص۲۹۹ میں بھی زاذان قال سمعت البراءؓ الخ کے الفاظ ہیں جب زاذانؒ جو ثقہ اور ثبت راوی ہیں چلّا چلّا کر یہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ روایت حضرت براءؓ سے خود سُنی ہے تو پھر اس کے منقطع ہونے کا ناکام بہانہ کون سُنتا ہے؟ اور حافظ ابن تیمیہؒ کے حوالے سے یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ حافظ ابو عبد اللہؒ بن مندہ (جو الامام الحافظ الجوال محدث العصر ابو عبد اللہ محمدؒ بن الشیخ ابی یعقوبؒ الخ تھے تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص۲۲۰ المتوفی سنہ ۳۹۵ھ) اس حدیث کی سند کو متصل کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ:۔

ھذا الحدیث اسناد متصل مشھور الخ	اس حدیث کی سند متصل اور مشہور ہے۔

(شرح حدیث النزول ص۴۷)

اور حافظ ابن القیمؒ نے بھی یہ الفاظ حافظ ابن مندہؒ کے حوالے سے نقل کئے ہیں (دیکھئے کتاب الروح ص۵۹) وثانیاً اس روایت کو حضرت براءؓ بن عازبؓ سے تنہا زاذانؒ ہی روایت نہیں کرتے بلکہ راویوں کی اچھی خاصی جماعت اس کو روایت کرتی ہے۔ چنانچہ حافظ ابن مندہؒ فرماتے ہیں کہ:۔

رواہ جماعۃ عن البراءؓ۔ (شرح حدیث النزول ص۴۷ وکتاب الروح ص۵۹)	حضرت براءؓ سے ایک جماعت اس کو روایت کرتی ہے۔

اور پھر اس جماعت میں سے بعض مشہور راویوں کی نشاندہی کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قلت ھذا قد رواہ عن البراءؓ بن عازبؓ غیر واحد غیر زاذان منھم عدی بن ثابت ومحمد بن عُقبہ ومجاھد اھ	میں کہتا ہوں کہ حضرت براءؓ بن عازبؓ سے زاذانؒ کے علاوہ بھی متعدد راویوں نے یہ روایت کی ہے ان میں عدیؒ بن ثابتؒ، محمدؒ بن عقبہؒ اور مجاہدؒ بھی ہیں۔

(شرح حدیث النزول ص۴۹ واللفظ لہ و کتاب الروح ص۵۶)

اور پھر باقاعدہ انہوں نے ان راویوں کی روایت کی نشاندہی کی ہے، اس لیے یہ اعتراض بھی مردود ہے اور سرے سے قابلِ التفات ہی نہیں ہے۔

اعتراض چہارم ؛۔ حافظ ابن القیمؒ امام ابوحاتم لبستیؒ کا یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ بعض روایتوں میں اعمش اور المنہالؒ بن عمروؒ کے درمیان الحسن بن عمارہ ایک راوی آتا ہے اور وہ ضعیف ہے اور اس لحاظ سے اعمشؒ کی منہالؒ سے روایت منقطع ہے (محصلہ تہذیب سنن ابی داؤد جلد ۴ ص ۱۳۹)

جواب ؛۔ اس اعتراض میں بھی کوئی وزن نہیں اولاً اس لیے کہ حافظ ابن مندہؒ امام حاکمؒ علامہ ذہبیؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ وغیرہ حضرات محدثین کرامؒ اس حدیث کو متصل اور صحیح کہتے ہیں اور صحت حدیث کے لیے سند کا متصل ہونا اصول حدیث کے رُو سے بنیادی امر ہے لہٰذا اعمش عن المنہال الخ کی سند بالکل صحیح اور متصل ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ جس سند میں الحسنؒ بن عمارہؒ کا واسطہ آیا ہے اس کی سند صحیح ہے یا ضعیف؟ اگر صحیح ثابت ہو جائے تو اصول حدیث کے لحاظ سے یہ المزید فی متصل الاسانید کی قسم سے ہوگی اور اس سے حدیث کی صحت میں مطلقاً کوئی خرابی پیدا نہیں ہوتی اور اگر وہ سند ضعیف ہے تو یہ کسی کمزور اور ضعیف راوی کا وہم ہوگا اور کسی کمزور اور واہی راوی کی کارستانی سے صحیح حدیث اور متصل سند پر کیا زد پڑتی ہے؟ وثانیاً ؛۔ منہالؒ بن عمرو سے علاوہ امام اعمشؒ کے رواۃ حدیث کی ایک خاصی جماعت اس کو روایت کرتی ہے چنانچہ حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ ؛۔

انہ قد رواہ عن المنہال جماعۃ کما قالہ ابن عدی اھ (تہذیب سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۱۴۰)	یہ حدیث منہالؒ سے راویوں کی ایک خاصی جماعت نے روایت کی ہے جیساکہ محدث ابن عدیؒ نے اس کا ذکر کیا ہے۔

اگر راویوں کی اتنی بڑی جماعت میں ایک الحسنؒ بن عمارۃؒ بھی کسی طریق میں آگئے ہوں تو ان کی وجہ سے اس حدیث کی صحت اور سند کے اتصال پر کیا اثر پڑتا ہے؟ ان راویوں میں یونسؒ بن خبابؒ کا ذکر حافظ ابن القیمؒ نے کیا ہے (ملاحظہ ہو صفحہ مذکور) اور امام حاکمؒ نے بھی ان کا تذکرہ کیا ہے (مستدرک ج ۱ ص ۳۹) نیز امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ابو خالد الدالانیؒ، عمروؒ بن قیس الملائیؒ اور الحسنؒ بن عبید اللہ النخعیؒ بھی یہ روایت منہالؒ بن عمروؒ سے بیان کرتے ہیں (ایضاً ص ۳۹) الحاصل اس صحیح روایت کے سلسلہ میں جتنے اعتراضات کئے گئے ہیں ان میں کسی ایک میں بھی کوئی وزن نہیں، محض اعتراض کرنے سے کیا نقص اور عیب لازم آتا ہے؟ کیا آخر اس گیتی پر بسنے والوں میں کم بخت اور حرماں نصیب لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے لئے شریک اور اولاد تجویز نہیں کی؟ (معاذ اللہ تعالیٰ) اور کیا دریدہ دہن لوگوں نے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو (العیاذ باللہ تعالیٰ) ساحر، مجنون

اور کذاب وغیرہ نہیں کہا؟ پھر ان کم بختوں کی واہی تباہی باتوں سے ان نفوس قدسیہ کی بلند اور ارفع ہستیوں میں کیا کمی آگئی؟ غرضیکہ نرے اعتراضات سے کچھ نہیں بنتا جب تک کہ اس میں جان نہ ہو۔ ارباب باطن اس کو بخوبی سمجھتے ہیں کہ جہاں پھول ہوتے ہیں وہاں کانٹے بھی ہوتے ہیں اور اسی سے دنیا کی رونق ہے ؎

اگر کانٹے بھی شامل ہوں گلوں کے ہم نشینوں میں
حدِ تکمیل تک پہنچے گا دستورِ چمن بندی !

اعتراض پنجم :۔ حافظ ابن حزمؒ کا یہ خیال ہے کہ قبر میں نکیرین کا سوال اور عذابِ قبر تو حق ہے مگر یہ ساری کاروائی روح سے متعلق ہے اس میں روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا کیونکہ قیامت سے پہلے کسی کو حیات حاصل نہیں ہو سکتی چنانچہ انہوں نے اپنا یہ نظریہ ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

وان عذاب القبر حق ومسألة الارواح بعد الموت حق ولا یحیی احد بعد الموت الی یوم القیمة انتہی (محلی جلد ۱ ص ۲۱)	کہ عذاب قبر بھی حق ہے اور مرنے کے بعد ارواح سے فرشتوں کا سوال بھی حق ہے لیکن موت کے بعد قیامت تک کوئی شخص زندہ نہیں کیا جاتا۔

اور حافظ ابن القیمؒ علامہ ابن حزمؒ کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ اگر حضرت براءؓ بن عازبؓ کی حدیث کے پیشِ نظر قبر میں حیات تسلیم کر لی جائے تو یہ قرآنِ کریم کی نصوص کے خلاف ہے مثلاً ایک مقام پہ اس طرح ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَیْنِ وَاَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ الآیۃ (پ ۲۴۔ المومن۔ ۲)	وہ کہیں گے کہ اے ہمارے رب تو موت دے چکا ہم کو دوبارہ اور زندگی دے چکا ہم کو دوبارہ۔

اور دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

کَیْفَ تَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَکُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْیَاکُمْ ثُمَّ یُمِیْتُکُمْ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ۔ (پ ۱۔ بقرہ۔ ۳)	تم کیسے کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کا حالانکہ تم بے جان تھے پھر اس نے تمہیں زندہ کیا پھر وہ تمہیں مارے گا پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ دو دفعہ کی حیات اور دو دفعہ کی موت ہی قرآنِ کریم سے ثابت ہے اگر قبر میں بھی حیات تسلیم کی جائے تو بجائے دو دفعہ کے تین دفعہ کی حیات ثابت ہوگی اور چونکہ حضرت براءؓ کی روایت میں عود الروح الی البدن کے ساتھ قبر میں حیات ثابت ہوتی ہے لہٰذا یہ حدیث نص قرآنی کے خلاف ہونے کی وجہ سے قابلِ اخذ نہیں (ملخصہ کتاب الروح ص۵۱ وص۵۲ وتہذیب سنن ابی داؤد

جلد ۷ ص۱۳۱ یہ بحث حافظ ابن حزمؒ نے اپنی کتاب ملل ونحل جلد ۲ ص۲۱۵ تا ص۲۱۸ مترجم اردو دائرۃ المعارف حیدرآباد دکن میں اور جلد ۴ ص۸۹ عربی طبع مصر میں کی ہے)

جواب:۔ حافظ ابن حزمؒ کا یہ نظریہ ان کی ظاہریت کا شاخسانہ اور قلتِ تدبر کا نتیجہ ہے اوّلاً اس لیئے کہ ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ کے جملہ سے قطعیت کے ساتھ بعث یوم القیٰمہ کی حیات ہی مراد لینا متعین نہیں ہے بلکہ بعض حضرات مفسرین کرامؒ نے اس سے قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت کی حیات بھی مراد لی ہے چنانچہ علامہ ابو السعودؒ اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

ثُمَّ یُحْیِیْکُمْ بالنشور یوم ینفخ فی الصور او للسوال فی القبور و ایّا ماکان فھو متراخ من زمان الاماتۃ اھ (تفسیر ابو السعود جلد ۱ ص۶۲)

پھر وہ تمہیں زندہ کرے گا کا مطلب یہ ہے کہ نفخۂ ثانیہ کے بعد قبروں سے تمہیں نکالیگا، یا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ قبور میں سوال کے لیے تمہیں زندہ کریگا، کچھ بھی ہو یہ حیات زمانۂ امات کے بعد ہوگی۔

قاضی بیضاویؒ، امام رازیؒ، حافظ ابن کثیرؒ اور علامہ آلوسیؒ (وغیرہ) نے بھی اس جملہ کی تفسیر میں اوللسوال فی القبور وغیرہ کے الفاظ نقل کئے ہیں (ملاحظہ ہو بیضاوی ص۵۶ تفسیر کبیر جلد ۱ ص۱۵۱ تفسیر ابن کثیر جلد ۱ ص۶۷ اور روح المعانی جلد ۴ ص۲ اَحْیَیْتَنَا اثْنَتَیْنِ الآیۃ کی تفسیر میں یہ نقل کیا ہے) اور اس تفسیر کے لحاظ سے قیامت کے دن کی حیات ثُمَّ اِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ سے ثابت ہے غرضیکہ حیات فی القبر کی نفی پر ان آیات سے استدلال قطعی نہیں، بلکہ ان سے اثبات حیات فی القبر پر بھی استدلال کیا گیا ہے اور یہ استدلال علامہ ابن حزمؒ کے خلاف پڑتا ہے۔

امام ابوبکر الجصاص الرازی الحنفیؒ (المتوفی ۳۷۰ھ) شہداء کرامؓ کی حیات کے بارے میں لکھتے ہیں کہ

وقال الجمھور ان اللہ تعالیٰ یحییھم بعد الموت فینیلھم من النعیم بقدر استحقاقھم الی ان یفنیھم اللہ تعالیٰ عند فناء الخلق ثم یعیدھم فی الآخرۃ ویدخلھم الجنۃ لانہ اخبر انھم احیاء وذلک یقتضی انھم احیاء فی ھذا الوقت ولان تاویل من تاولہ علی انھم

جمہور فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ موت کے بعد ان کو زندہ کرتا ہے سو ان کو ان کے استحقاق کے مطابق راحت پہنچتی رہتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے فناء کرنے وقت ان کو بھی فنا کرے پھر ان کو آخرت میں لوٹائیگا اور ان کو جنت میں داخل کرے گا اور یہ بات اس کو چاہتی ہے کہ وہ اس وقت زندہ ہیں لہٰذا جن لوگوں نے اس کی یہ

احیاء فی الجنة یؤدی الی ابطال فائدته لان احدا من المسلمین لا یشك انهم سیکونون احیاء مع سائر اهل الجنة اذ الجنة لا یکون فیها میت

(احکام القرآن ج ۲ ص ۱۵ طبع مصر)

تاویل کی ہے کہ وہ جنّت میں زندہ ہیں وہ اس ارشاد کے فائدہ کو باطل کرنے کے درپے ہیں کیونکہ مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی اس میں شک نہیں کہ سب اہل جنت کی طرح حضرات شہدأ بھی زندہ ہوں گے کیونکہ جنت میں تو کوئی بھی مردہ نہ ہوگا۔

اس عبارت سے ذیل کے فوائد حاصل ہوتے ہیں (۱) جمہور کا یہ مسلک ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کو مرنے کے بعد زندہ کرتا ہے (۲) اور زندہ کر کے ان کو جس نعمت کے وہ مستحق ہوتے ہیں اس سے نوازتا ہے۔ (۳) شہداء کی یہ حیات اس وقت تک برقرار رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ مخلوق کو فنا نہ کر دے (۴) اس فنا کے بعد آخرت میں اللہ تعالیٰ دوبارہ شہداء کو زندہ کر کے جنت میں داخل کریگا (۵) اگر شہداء کی اس حیات سے مرنے کے بعد فوری حیات مراد نہ لی جائے تو (معاذ اللہ تعالیٰ) اللہ تعالیٰ کی خبر سچی نہیں رہتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خبر تو یہ دی ہے کہ شہداء زندہ ہیں اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ فی الحال زندہ ہوں (چونکہ روح پر موت نہیں آتی اس لیے موت اور پھر حیات یہ اجسام ہی سے متعلق ہے۔ صفدر) (۶) جن لوگوں نے اس کی یہ تاویل کی ہے کہ وہ قبر اور برزخ میں زندہ نہیں بلکہ جنت میں زندہ ہیں تو ان کی اس تاویل سے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا فائدہ ہی باطل ہو جاتا ہے کیونکہ مسلمانوں میں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اس پر یقین نہ رکھتا ہو کہ شہداء دیگر اہل جنت کی طرح زندہ ہوں گے کیونکہ جنت میں سرے سے موت ہی نہیں ہے۔ وثانیاً: ان آیتوں میں دو دفعہ کی جس حیات کا ذکر ہے وہ حیات مطلقہ، حیات کاملہ اور پوری حیات ہے اور ایسی حیات یا تو دنیا میں ہوتی ہے اور یا قیامت کے دن ہوگی اور اس حیات کی علامت یہ ہے کہ اس میں روح تمام بدن میں سرایت کئے ہوئے ہوتی ہے اور روح بدن کی تدبیر اور اس میں تصرف کرتی ہے اور ایسی مطلق اور کامل حیات میں بدن کو عادۃً خوراک، پانی اور لباس وغیرہ جملہ ضروریات کی حاجت پڑتی ہے اور بدن میں حس و حرکت ہوتی ہے اور وہ جنبش کرتا ہے جس کا بخوبی لوگ مشاہدہ کر سکتے ہیں اور اس کی حرکات محسوس ہو سکتی ہیں اور ایسی حیات صرف دو دفعہ ہوگی، دنیا میں اور آخرت میں رہی قبر اور برزخ کی حیات تو وہ مطلق اور کامل حیات نہیں بلکہ فی الجملہ اور نوع من الحیوٰۃ ہے اس میں روح کا اتصال ربط اور تعلق بدن عنصری کے اہم اجزاء کے ساتھ ہوتا ہے جن سے فہم و شعور اور ادراک ہو سکے اور قبر کی راحت و کلفت ادراک ہو سکے اور اس حیات میں بدن عنصری نہ تو خوراک اور لباس وغیرہ کا محتاج ہوتا ہے اور نہ ظاہری طور پر

حس و حرکت اور جنبش کرتا ہے جس کا مشاہدہ کیا جا سکے اور اسی معنیٰ کو نہ سمجھتے ہوئے معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں کو عذاب قبر اور راحتِ قبر کے بارے میں بڑی الجھنیں پیدا ہوئی ہیں مگر حقیقت کو وہ نہیں پا سکے اور اہلِ حق سنت کی پیروی کی بدولت اس تک پا گئے ہیں اور ان کے لیے اس میں کوئی دقّت باقی نہیں رہی چنانچہ حافظ ابن القیمؒ نے ابنِ حزمؒ کا یہ اعتراض نقل کر کے یہ جواب دیا ہے کہ

قلت ما ذكره ابو محمد فيه حق و باطل اما قوله من ظن ان الميّت يحيا في قبره فخطأ فهذا فيه اجمال ان اراد به الحياة المعهودة في الدنيا التي تقوم فيها الروح بالبدن وتدبره وتصرفه وتحتاج معها الى الطعام والشراب واللباس فهذا خطأ كما قال والحسّ والعقل يكذّبه كما يكذبه النص وان اراد به حياة اُخرى غير هذه الحيوٰة بل تعاد الروح اليه اعادة غير اعادة المألوفة في الدنيا ليسئال ويمتحن في قبره فهذا حق ونفيه خطأ وقد دل عليه النص الصحيح الصريح وهو قوله صلّى الله عليه وآله وسلّم فتعاد الروح في جسده اه (كتاب الروح ص۵۲)

میں کہتا ہوں کہ ابو محمد بن حزمؒ کے اس قول میں حق بھی ہے اور باطل بھی ان کا یہ کہنا کہ "جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ میّت قبر میں زندہ کی جاتی ہے غلط ہے"، اس میں اجمال ہے اگر ابن حزمؒ اس زندگی سے دنیا کی معہود زندگی مراد لیتے ہیں جس میں روح بدن میں قوام اور اس کی تدبیر اور تصرف کرتی ہے اور اس میں کھانے پینے اور لباس کی ضرورت پڑتی ہے تو ایسی حیات کا قول غلط ہے جیسا کہ ابن حزمؒ کہتے ہیں اور حس و عقل اور نص اس کی تکذیب کرتی ہے اور اگر قبر کی حیات سے اس معہود حیات کے علاوہ کوئی اور حیات مراد ہو جس میں روح بدن کی طرف لوٹائی جائے لیکن یہ اعادہ دنیا کی معہود زندگی کے اعادہ کے علاوہ ہو تاکہ قبر میں اس سے سوال اور امتحان ہو سکے تو ایسی حیات حق ہے اس کی نفی غلط ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی صحیح اور صریح حدیث اس پر دال ہے کہ روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔

اور اس فی الجملہ اور نوع من الحیوٰۃ کی مثال خود حافظ ابن القیمؒ یوں بیان کرتے ہیں۔

واذا كان النائم روحه في جسده وهو حي وحياته غير حياة المستيقظ فان النوم شقيق الموت فهكذا الميّت اذا اعيدت روحه الى جسده كانت له حال متوسطة

اور جب سونے والے آدمی کی روح اس کے جسم میں ہوتی ہے اور وہ زندہ ہوتا ہے لیکن اس کی زندگی بیدار آدمی کی زندگی سے متفاوت ہوتی ہے کیونکہ نیند موت کی بہن ہے سو اسی طرح جب مردہ کے جسم کی طرف اس کی

بین الحی وبین المیّت الذی لم ترد روحه الی بدنه کحال النائم المتوسطة بین الحی والمیّت فتأمل هذا یزح عنك اشکالات کثیرة الخ (کتاب الروح ص۵۳) .

روح لوٹائی جائے گی تو اس کی حالت زندہ اور اُس مُردہ کے درمیان درمیان ہوگی جس کی طرف اس کی روح نہیں لوٹائی گئی جیسے کہ خوابیدہ کی حالت زندہ اور مُردہ کے درمیان درمیان ہوتی ہے تو اگر اس مثال پر غور کریگا تو ان شاء اللہ تعالیٰ تیرے بہت سے اشکالات اس سے دُور ہو جائیں گے ۔

حافظ ابن القیمؒ کا مسلک :- اگرچہ سابق بیان کردہ حوالے ان کے مسلک کو بالکل واضح کرتے ہیں مگر چونکہ مؤلف ندائے حق (دیکھئے ص۱۶۲ وغیرہ) اور ان کے حواریوں کو حافظ ابن القیمؒ کے مسلک کے سمجھنے میں بڑی غلطی ہوئی ہے اور اُلٹا وہ ہمیں کوستے ہیں کہ ہم نے ان کے مسلک کو نہیں سمجھا اس لیے بہت ضروری ہے کہ ہم ان بزرگوں اور دوستوں کے نظریات بھی عرض کر دیں اور حافظ ابن القیمؒ کا صحیح مسلک بھی خود انہی کی عبارات میں عرض کر دیں تاکہ حقیقت بالکل بے نقاب ہو جائے ۔ ان بزرگوں اور دوستوں کے دعاوی یہ ہیں (۱) حافظ ابن القیمؒ جسد عنصری کے ساتھ روح کے تعلّق کے قائل نہیں ہیں (محصلہ تسکین القلوب ص۸۱) ۔ (۲) برزخ میں ارواح شہداء مثالی جسدوں میں نعیم جنّت کا لُطف اٹھاتی رہیں گی اور قیامت کے دن ان کو عنصری جسموں میں داخل کیا جائے گا ۔ (اقامۃ البرہان ص۱۱۹) ۔ (۳) شہداء کے ارواح کو بعد از فوات اجساد عنصری کے عوض میں اس سے بہتر نورانی اجساد مثالیہ عطا ہوں گے ۔ (ندائے حق ص۳۲۲) (۴) مؤلف ندائے حق نے (ص۱۶۲ اور ص۱۶۳ میں) سو۱۰۰ بزرگوں کے نام درج کئے ہیں ۔ جن میں ایک حافظ ابن القیمؒ بھی ہے پھر آخر میں لکھتے ہیں کہ یہ ۔ سو فیصدی علماء اس امر پر متفق ہیں کہ بعد از مرگ اس جسدِ عنصری کے ساتھ (سوائے تعلق مجبنتسہ کے) روح کا کچھ تعلق نہیں چہ جائیکہ داخل ہو بلکہ ارواح کو مثالی جسد عطا ہوتا ہے جس میں قیامِ قیامت تک رہ کر رُوح ثواب و عذاب پاتا رہتا ہے الخ اور ان بزرگوں اور دوستوں کو کتاب الروح کی دو عبارتوں سے مغالطہ ہوا ہے ۔ ایک ۱ یہ ہے کہ حضرات شہداء کرامؓ نے جب اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پیش کر دیں یہانتک کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے ان کو تلف کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عوض میں ان کو برزخ میں ان سے بہتر جانیں عطا فرمادیں جن میں قیامت تک رہیں گے اور ان ابدان کی وساطت سے ان کو جو نعمت حاصل ہوتی ہے وہ ارواح مجردہ کی نعمت سے زیادہ کامل ہے (کتاب الروح ص۱۲۲ و ندائے حق مترجماً ص۱۶۲) دوسری ۲ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے شہداء کے اکرام و اعزاز کا تتمہ یہ ہے کہ جو بدن انہوں نے اللہ تعالیٰ کی راہ میں ٹکڑے ٹکڑے کرائے اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے ان کو ان

سے بہتر بدن عطا فرمائے جو ان کی روحوں کی سواری ہوں تاکہ وہ پوری طرح جنت کی نعمتوں کا لطف اٹھا سکیں جب قیامت کا دن ہوگا تو ان کی روحیں انہی بدنوں میں لوٹا دی جائیں گی جن میں وہ دارِ دنیا میں رہتی تھیں (کتاب الروح صـ۱۴۱ اقامۃ البرہان صـ۱۱۶)۔

الجواب: ان بزرگوں اور دوستوں نے نفسِ مسئلہ پر بھی غور نہیں فرمایا اور حافظ ابن القیمؒ کی عبارت پر بھی غور نہیں فرمایا ورنہ مسئلہ اور حقیقت کی تہ تک پہنچنا ان کے لیے چنداں مشکل نہ تھا بات یوں ہے کہ صحیح احادیث میں آتا ہے کہ حضرات شہداء کرامؓ کی ارواح (فی حواصل طیر خضر وفی روایۃ اجواف) سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں جنت میں جہاں چاہیں سیر و سیاحت کر کے ان قندیلوں کی طرف لوٹ آتی ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکی رہتی ہیں لیکن ان پرندوں سے اجساد مثالیہ مراد لینا قطعاً غلط ہے۔ اولاً جو حضرات جسم مثالی کے قائل ہیں وہ اس جسم کو دنیا کے جسم کے مشابہ تسلیم کرتے ہیں۔ چنانچہ حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ۔ برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوگا۔ جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہے (یعنی مرد و عورت کالا اور گورا پتلا اور دبلا وغیرہ ہونے میں۔ صفدر) مگر اس سے زیادہ لطیف ہوتا ہے الخ (اشرف الجواب صـ۳۱۲ بحوالہ ندائے حق صـ۱۹۳) جنت کے پرندے کیسے ہی خوبصورت اور کتنے ہی خوشنما اور پیارے ہوں بہرحال انسان کی شکل و صورت کے تو نہیں ہوتے اور نہ انسان ان کے ہم شکل و ہم صورت ہوتا ہے پھر یہ کیوں کر تسلیم کر لیا جائے کہ وہ پرندے انسانوں کے لیے اجسام مثالیہ ہیں؟ وثانیاً: یہ پرندے ارواح کے لیے سواری ہیں جیسے دنیا میں انسان۔ گدھے۔ گھوڑے اور خچر وغیرہ پر سوار ہوتا ہے۔ یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ گدھا اور گھوڑا، وغیرہ انسان کا جسم مثالی ہے بلکہ وہ اس کے لیے سواری ہے اسی طرح وہ پرندے شہداء کرامؒ کے اعزاز و اکرام کے لیے سواری ہوتے ہیں جس طرح دنیا میں لوگ ہوائی جہاز کار اور بس وغیرہ کے اندر پیٹ میں) بیٹھکر مزے اور آرام سے سیر و سیاحت کرتا ہے اسی طرح جنت کے ان پرندوں کے پیٹ میں بیٹھ کر ارواح جنت کی سیر کریں گے اور خود حافظ ابن القیمؒ کی دیگر عبارات میں بھی اور خود اس عبارت میں بھی اس کی تصریح موجود ہے کہ۔ تکون مرکبا لارواحھم الخ (کتاب الروح صـ۱۴۱) کہ وہ پرندے شہیدوں کی ارواح کے لیے سواری ہوں اور ظاہر امر ہے کہ سواری کا جانور کسی طرح بھی سوار کا جسد مثالی نہیں ہوتا نہ شرعاً نہ عقلاً اور نہ عرفاً صحیح اور مرفوع روایات سے یہی ثابت ہے کہ شہداء کرامؓ کی ارواح سبز (یا بعض روایتوں میں سفید) رنگ کے پرندوں کے پیٹوں میں سوار ہو کر جنت میں سیر کرتی ہیں اور بعض موقوف آثار میں جو حضرت ابو الدرداءؓ، حضرت عبد اللہ بن عمرؓ حضرت قتادہؒ حضرت عکرمہؒ۔ حضرت

ابن شہاب زہریؒ اور حضرت ابوالعالیہؒ وغیرہ سے مروی ہیں (دیکھئے علی الترتیب شرح الصدور ص۹۹ و ص۱۰۲ و تفسیر ابن جریر ج۲ ص۲۹ و ج ۲ ص۳۹ ۔ و شرح الصدور ص۹۶ و الدر المنثور ج ۱ ص۵۵ ملتقطاً من اقامۃ البرہان ص۱۱۰ و ص۱۱۱ و ص۱۱۲) یہ آتا ہے کہ خود ارواح شہداء کرامؒ ان پرندوں کی شکل اختیار کر لیتی ہیں کسی اثر میں ھی طیر خضر آتا ہے، اور کسی میں کطیر خضر اور کسی میں فی صور طیر۔ الغرض صحیح اور مرفوع روایات کے پیشِ نظر یہ پرندے ارواح کے لیے سواری ہوں یا موقوف آثار کے مطابق یہ خود پرندوں کی شکل اختیار کر لیں کسی صورت میں بھی یہ روح کے لیے اجسام مثالیہ نہیں بنتے کہ روح ان میں داخل ہو کر یا ان سے متصل ہو کر راحت (یا کفار و عصاۃ کے لیے عذاب و سزا) پائے اور یہ پرندے ابدان عنصریہ کے نائب اور خلیفہ بن کر راحت (یا سزا) پائیں حضرات صوفیاء کرام جس کو جسد مثالی کہتے ہیں وہ اور شئے ہے یہ پرندے ہرگز ہرگز نہیں ہیں مؤلف ندائے حق نے (اور اسی طرح مؤلف اقامۃ البرہان وغیرہ نے) اسی مضمون کی روایات اور عبارات پیش کر کے سو بزرگوں کی گنتی پوری کر کے سو فیصدی بلکہ محض اپنی کم فہمی یا کرامت سے ان تمام حضرات کو اجسام مثالیہ کا قائل بنا دیا ہے جو حقیقت سے بالکل دور ہے اور یہ سو فیصدی حضرات جس کے قائل ہیں بحمد اللہ تعالیٰ ہم بھی اس کے قائل ہیں اور سر مو بھی ان کے مخالف نہیں مگر ان حضرات کا ایک حوالہ بھی آپ حضرات کو بال برابر بھی مفید نہیں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو سمجھ عطا فرمائے۔ وثانیاً یہ سبز (یا سفید) رنگ کے پرندوں کے مضمون کی یہ جملہ روایات و آثار حضرات محدثین کرامؒ فقہاء عظامؒ اور متکلمینؒ کے پیش نظر تھے پھر کیا وجہ ہے کہ انہوں نے ان روایات و آثار سے اجسام مثالیہ سمجھ کر باطل فرقوں کا جواب نہ دیا اور کیوں جسد عنصری کے ذرّات کے پیچھے پڑ گئے کیا باطل فرقوں کے اس سوال کے کہ جب مُردہ جلا دیا جائے یا اس کو درندے اور مچھلیاں وغیرہ کھا جائیں تو اس سے سوال نکیرین اور اس کو راحت یا کلفت کیسے ہوتی ہے؟ جواب میں ان حضرات کو یہ کہنا سہل نہ تھا کہ بدن عنصری جل گیا ہے تو کیا مضائقہ ہے بدن مثالی بصورت سبز یا سفید پرندہ تو موجود ہے آخر کیا وجہ ہے کہ وہ اس سہل ترین جواب کو چھوڑ کر مشکل میں پڑ گئے اور امکان بعید کو بھی نہ چھوڑا کہ خواہ بدن عنصری ریزہ ریزہ ہو جائے۔ روح کا کسی نہ کسی درجہ میں اس کے ساتھ تعلق ضرور ہوتا ہے گو ہمیں اس کا شعور نہ ہو سکے لہٰذا ان سو فیصدی کا مسلک بھی ان حضرات کو مفید نہیں ہو سکتا علاوہ ازیں یہ بات بھی ملحوظ خاطر ہے کہ جو حضرات اجسام مثالیہ کے ساتھ روح کا تعلق مانتے ہیں وہ اجسام عنصریہ سے بھی روح کا تعلق تسلیم کرتے ہیں حضرت تھانویؒ کا حوالہ پہلے گزر چکا ہے اور علامہ آلوسیؒ کا آگے آرہا ہے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ وثالثاً: یہ کہنا کہ حافظ ابن القیمؒ (اور ان کے استاد محترم حافظ ابن تیمیہؒ جیسا کہ مؤلف ندائے حق کا بے بنیاد دعویٰ ہے دیکھئے ص۱۹۴) جسد سے جسد مثالی مراد لیتے ہیں بالکل غلط اور ان پر سراسر

بہتان ہے ہم ان کی چند عبارات عرض کرتے ہیں غور سے ان کو دیکھیں کہ وہ حدیث میں وارد جسد سے کیا مراد لیتے ہیں

(۱) حافظ ابن القیمؒ اپنے اس دعویٰ کے ثبوت پر کہ جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے (تعاد روحہٗ فی جسدہٖ) حضرت براءؓ بن عازبؓ کی صحیح اور مرفوع حدیث کے علاوہ دیگر مرفوع احادیث بھی پیش کرتے ہیں جن میں سے ایک محدث کبیر الحافظ العالم عبدالرحمٰنؒ بن مندہؒ (المتوفی ۴۷۰ھ) کی سند سے حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ کی مرفوع طویل روایت نقل کرتے ہیں جس میں یہ بھی ہے کہ مرنے کے بعد جب روح کو جنت میں پہنچا دیا جاتا ہے اور وہاں وہ خوشیاں دیکھ لیتی ہے تو اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتے ہیں کہ اس کو زمین کی طرف لے جاؤ کیونکہ میں نے اسی سے انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے پھر دوبارہ نکالونگا۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلمؐ نے ارشاد فرمایا کہ۔

فوالذی نفس محمد بیدہٖ لھی اشد کراھیة لخروج منها حین کانت تخرج من الجسد وتقول این تذھبون بی الیٰ ذٰلك الجسد الذی کنت فیه؟ قال فیقولون انا مامورون بهذا فلا بد لك منه فیھبطون به علی قدر فراغھم من غسله واکفانه فیدخلون ذٰلك الروح بین جسدہٖ واکفانه۔ فدل ھذا الحدیث ان الروح تعاد بین الجسد والاکفان وھذا عود غیر التعلق الذی کان لها فی الدنیا بالبدن وھو نوع آخر وغیر تعلقها به حال النوم وغیر تعلقها به وھی فی مقرھا بل ھو عود خاص للمسئلة۔

(کتاب الروح ص۶۱ و ص۲۲۸)

اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے البتہ وہ روح جنت سے نکلنے کو اس سے بھی زیادہ ناپسند کرتی ہے جس طرح کہ اس نے بدن سے نکلنے کو ناپسند کیا تھا اور وہ روح کہتی ہے مجھے تم کہاں لے جاتے ہو؟ کیا اُس جسم کی طرف جس میں میں تھی؟ آپ نے فرمایا تو فرشتے کہتے ہیں کہ ہاں ہمیں اسی کا حکم ہے اور تیرے لیے بھی اس سے کوئی چارہ نہیں ہے سو وہ اس کو اُتار لاتے ہیں اتنے انداز کے بعد کہ لوگ میّت کے غسل اور کفن سے فارغ ہو جاتے ہیں پس وہ اس روح کو اس جسم اور اس کے کفن کے درمیان داخل کر دیتے ہیں (اور جب اس کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے تو حضرت براءؓ کی حدیث کے مطابق یہ روح اس کے جسم میں لوٹا دی جاتی ہے) پس یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ روح جسم اور اکفان کے درمیان لوٹائی جاتی ہے اور یہ لوٹانا اس تعلق کے علاوہ ہے جو روح کا دنیا میں (تصرف و تدبیر کے طور پر) جسم سے تھا یہ عود اور نوع کا ہے اور یہ ایسا تعلق بھی نہیں جو نیند کے حال میں تھا اور یہ ایسا تعلق بھی نہیں جو روح کا اپنے ٹھکانے میں تھا بلکہ یہ لوٹنا خاص طور پر سوال کے لیے ہے۔

اس حدیث اور حافظ ابن القیمؒ کے استدلال سے صاف ظاہر ہے کہ روح کا عود اس جسم کی طرف ہوتا ہے جس میں روح پہلے رہتی رہی اور وہ یقینی طور پر جسم عنصری و مادی ہے نہ کہ جسم مثالی۔

(۲) قبر کے عذاب کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

فکل من مات وھو مستحق للعذاب نالہ نصیبہٗ منہ قبر او لم یقبر فلو اکلتہ السباع او احرق حتّٰی صار رمادًا او نسف فی الھواء او صلب او غرق فی البحر وصل الی روحہ وبدنہ من العذاب ما یصل الی المقبور۔

(کتاب الروح ص۷۱)

ہر وہ شخص جس کی وفات ہوگئی اور وہ عذاب کا مستحق ہے تو اسکو عذاب کا حصہ ضرور پہنچتا ہے اس کو قبر میں دفن کیا جائے یا نہ دفن کیا جائے پس اگر اس کو درندے کھا گئے یا وہ جلا کر راکھ کر دیا گیا اور وہ راکھ ہوا میں اڑا دی گئی یا سولی پر لٹکا دیا گیا یا دریا میں ڈوب گیا تو ان سب صورتوں میں اس کی روح اور اس کے بدن کو وہ عذاب پہنچے گا جو قبر میں دفن کئے ہوئے کو پہنچتا ہے۔

مبتدی طالب علم بھی یہ جانتے ہیں کہ قبر میں جس بدن کو دفن کیا جاتا ہے اور اسی طرح درندے جس بدن کو کھاتے ہیں اور جس بدن کو جلا کر راکھ کر دیا جاتا ہے یا سولی پر لٹکایا جاتا ہے یا سمندر میں ڈوب جاتا ہے وہ صرف عنصری اور مادی بدن ہی ہوتا ہے مثالی بدن ہرگز نہیں ہوتا مگر حافظ ابن القیمؒ اس بدن کو بھی سزا بھگتے بغیر نہیں گوارا کرتے اور فرماتے ہیں کہ اس کو بھی باقاعدہ عذاب ہوتا ہے۔

(۳) احادیث کی روشنی میں ایک شخص کی وصیت کا کہ اس نے مرنے کے بعد اسے جلا کر راکھ کر دینے کی تاکید کی تھی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

فلم یفت عذاب البرزخ ونعیمہ لھذہ الاجزاء التی صارت فی ھذہ الحال حتّٰی لو علق المیّت علٰی رؤس الاشجار فی مھاب الریاح لاصاب جسدہٗ من عذاب البرزخ حظہٗ ونصیبہٗ ولو دفن الرجل الصالح فی اتون من النار لاصاب جسدہٗ من نعیم البرزخ وروحہ نصیبہٗ وحظہ فیجعل اللہ النار علٰی ھذا بردًا وسلامًا والھواء علٰی ذلک نارًا وسمومًا اھ

(کتاب الروح ص۹)

عذاب برزخ اور اسکی راحت سے یہ اجزاء بھی نہیں چھوٹ سکے جو اس حالت میں (راکھ) ہوگئے۔ یہانتک کہ اگر کسی میت کو سخت ہوا کے جھونکوں میں درختوں کی چوٹیوں پر بھی لٹکا دیا جائے تو اس کے جسم کو بھی عذاب برزخ کا حصہ اور نصیبہ ضرور پہنچے گا اور اگر کسی نیک آدمی کو آتش کدہ میں دفن کیا جائے تو لامحالہ اس کے جسم اور روح کو بھی برزخ کی راحت کا حصہ اور نصیبہ پہنچیگا پس اللہ تعالیٰ اس پر آگ کو ٹھنڈک اور سلامتی والی بنا دیں گے اور اس کے لیے ہوا کو آگ اور گرم لو کر دیں گے۔

یہ عبارت بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ جسم سے مراد جسم عنصری اور مادی ہے جس کو راکھ کیا جاتا ہے اور جس کو درختوں پر لٹکایا جاتا ہے اور جس کو لوہاروں کے بھٹہ اور آتش کدہ میں دفن کیا جاتا ہے مگر اس کے لیے بھی عذاب قبر اور راحت سے کوئی مخلص اور مفر نہیں ہے۔

(۴) ایک اور مقام پر یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

انه غیر ممتنع ان ترد الروح الی المصلوب والغریق والمحرق ونحن لا نشعر بها اذ ذلك الرد نوع آخر غیر المعهود فهذا المغمیٰ علیه والمسکوت والمبهوت احیاء وارواحهم معهم ولا نشعر بحیاتهم ومن تفرقت اجزاءه لا یمتنع علی من هو علی کل شیئ قدیر ان یجعل للروح اتصالاً بتلك الاجزاء علی تباعد ما بینها وقربه ویکون فی تلك الاجزاء شعور بنوع من الالم واللذة اھ

(کتاب الروح ص۸۹)

اس میں کوئی امتناع نہیں کہ سولی پر لٹکائے ہوئے اور غرق شدہ اور جلائے ہوئے کی طرف روح لوٹائی جائے لیکن ہم اس کا شعور نہیں کر سکتے اس لیے کہ روح کا لوٹایا جانا معہود طریقہ پر (جس کا ہمیں مشاہدہ اور شعور ہو) نہیں ہوتا بلکہ وہ اور نوع ہے مثلاً دیکھو کہ بیہوش آدمی اور سکتے والا اور مبہوت و حیران زندہ ہیں اور ان کی روحیں ان کی ساتھ ہوتی ہیں پر ہم ان کی حیات کو نہیں سمجھ سکتے اور اسی طرح جس کے اجزا متفرق ہو چکے ہوں اس ذات پر جو ہر چیز پر قادر ہے ممتنع نہیں کہ روح کا اتصال ان اجزاء کے ساتھ قائم کر دیں جو دور ہوں یا نزدیک اور ان اجزاء میں دکھ اور لذت کی نوع کا شعور پیدا ہو جائے۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول و مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح ہے کہ جس جسم کی بات ہو رہی ہے وہ جسم عنصری اور مادی ہی ہے۔

(۵) روح کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں کہ:

وان لها شانا غیر شان البدن وانها مع کونها فی الجنة فهی فی السماء وتتصل بفناء القبر وبالبدن فیه وهی اسرع شیئ حرکة وانتقالاً وصعوداً وهبوطاً اھ

(کتاب الروح ص۱۴۴)

روح کا معاملہ بدن کے معاملے کے علاوہ ہے اور باوجود اس کے کہ روح جنت میں ہوتی ہے اس کے باوجود وہ آسمان میں بھی ہوتی ہے اور قبر کے کنارے سے بھی متصل ہوتی ہے اور اس بدن سے بھی متصل ہوتی ہے جو قبر میں ہوتا ہے غرضیکہ روح حرکت انتقال چڑھنے اور اترنے میں سب چیزوں سے تیز تر ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ روح جنت اور آسمان میں ہوتے ہوئے بھی قبر میں بدن کے ساتھ بھی متصل ہوتی ہے یہ نہیں کہ جنت اور آسمان میں ہوتے ہوئے قبر میں بدن کے ساتھ اس کا کوئی تعلق اور اتصال نہ ہو بلکہ اس کا تعلق

بدستور رہتا ہے۔

(۶) فرماتے ہیں کہ روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی پانچ قسمیں ہیں جن کے احکام جدا جدا ہیں۔

الرابع تعلقها به فی البرزخ فانها وان فارقته وتجردت عنه فانها لم تفارقه فراقاً کلیا بحیث لا یبقیٰ لها التفات الیه البتة اھ (کتاب الروح صـ۵۲)

چوتھی قسم روح کا بدن سے برزخ میں تعلق ہے روح اگرچہ بدن سے جدا اور الگ ہوجاتی ہے لیکن وہ کلی طور پر جدا نہیں ہوتی بایں طور کہ روح کا بدن کے ساتھ کوئی ربط اور التفات ہی نہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ برزخ میں روح کا بدن سے تعلق جس درجہ کا بھی ہو ہوتا ضرور ہے اور بالکلیہ انقطاع نہیں ہوتا

(۷) امام ابن حزم ظاہری نے اعادۂ روح کی نفی پر یوں استدلال کیا تھا کہ اگر اعادہ تسلیم کرلیا جائے تو اس سے قرآن کریم کے مضمون کی مخالفت لازم آتی ہے جس میں دو دفعہ کی حیات اور دو ہی دفعہ کی موت کا ذکر ہے حافظ ابن القیم رح اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

واما استدلاله بقوله تعالیٰ قَالُوْا رَبَّنَا اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ فلا ینفی ثبوت هذه الاعادة العارضة للروح فی الجسد کما ان قتیل بنی اسرائیل الذی احیاه الله بعد قتله ثم اماته لم تکن تلك الحیاة العارضة له للمسئلة معتدا بها فانه حی لحظة بحیث قال فلان قتلنی ثم خرّ میتا علیٰ ان قوله ثم تعاد روحه فی جسده لا یدل علیٰ حیاة مستقرة وانما یدل علیٰ اعادة لها الیٰ البدن وتعلق به والروح لم تزل متعلقة ببدنها وان بلی وتمزّق۔

(کتاب الروح صـ۵۲ وصـ۵۳)

بہرحال ان کا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کہ وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دو مرتبہ مارا اور دو دفعہ زندہ کیا تو یہ استدلال روح کے جسم کی طرف عارضی طور پر (سوال وغیرہ کے لیے) اعادہ کی نفی نہیں کرتا جیسا کہ بنی اسرائیل کے مقتول (عامیل نامی شخص) اس کے قتل کے بعد اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا اور پھر اس کو مار دیا تھا یہ عارضی حیات جو محض سوال کے لیے تھی کوئی معتدبہ نہ تھی کیونکہ وہ ایک لحظہ کے لیے زندہ ہوا اور اس نے یہ کہا کہ مجھے فلاں نے قتل کیا ہے پھر مردہ ہوکر گر پڑا (اسی طرح سوال نکیرین کے وقت حیاۃ لوٹائی جاتی ہے پھر یہ کیفیت نہیں رہتی) علاوہ اس کے آپؐ کا یہ ارشاد کہ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے دائمی اور مستقر حیات پر دلالت نہیں کرتا یہ تو صرف اس پر دلالت کرتا ہے کہ روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور اس سے متعلق ہوتی ہے اور روح ہمیشہ بدن سے متعلق رہتی ہے اگرچہ وہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ ہوجائے۔

یہ عبارت بھی بالکل واضح ہے کہ روح کا اس بدن سے تعلق رہتا ہے جو عنصری ہے کیونکہ بوسیدہ اور ریزہ ریزہ

تو ہی ہوتا ہے۔ اور یہ تعلق بدستور ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ جسم عنصری ٹکڑے ٹکڑے اور ریزہ ریزہ ہو جائے اور ان کی اس عبارت میں پہلے جواب سے یہ بھی مترشح ہوتا ہے کہ سوالِ نکیرین کے وقت گو عارضی سہی مگر روح کے جسم کی طرف اعادہ کی وجہ سے حیات کاملہ اور مطلقہ حاصل ہو جاتی ہے جیسے مقتول بنی اسرائیل کو حاصل ہوئی تھی اور دوسرے جواب کے الفاظ بھی اس کے مؤید ہیں جیسا کہ اہل علم پر مخفی نہیں اور ساتھ ہی تصریح موجود ہے کہ روح کے بدن کی طرف لوٹنے اور روح کے ریزہ ریزہ سے تعلق میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے اور یہ صرف قیاسی بات ہی نہیں بلکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ثم تعاد روحه فی جسده اس پر دال ہے۔

(۷) زنادقہ اور ملاحدہ کے شبہات کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:-

واما عصرة القبر حتى تختلف بعض اجزاء الموتى فلا يرده حس ولا عقل ولا فطرة ولو قدر ان احدا نبش عن ميت فوجد اضلاعه كما هى لم تختلف لم يمنع ان تكون قد عادت الى حالها بعد العصرة فليس مع الزنادقة والملاحدة الا مجرد تكذيب الرسول (كتاب الروح ص۸۱)

بہرحال قبر کی تنگی بایں طور کہ مُردوں کے بعض اجزاء (مثلاً پسلیاں) آرپار ہو جاتے ہیں تو اس کو نہ تو حسّ اور عقل رد کرتی ہے اور نہ فطرت اور اگر یہ فرض کیا جائے کہ کسی نے میّت کی قبر اکھاڑی اور اس کو مُردہ کی پسلیاں ویسے ہی نظر آئیں جیسے تھیں جو آر پار نہیں ہوئیں تو اس میں کوئی مانع نہیں کہ وہ قبر کی تنگی کے بعد اسی حالت پر لوٹ گئی ہوں جیسے پہلے تھیں الغرض زندیقوں اور ملحدوں کے پاس اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ وہ جناب رسول خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تکذیب کرتے ہیں۔

پوچھیے حافظ ابن القیمؒ (رئیس المؤحدین) سے کہ حضرت آپ کو کیا مصیبت پڑی ہے کہ آپ زنادقہ اور ملاحدہ کے ساتھ جسم عنصری کے اعضاء کے آرپار ہونے اور حسّی قبر اور گڑھے کے بارے میں اُلجھ رہے ہیں ان کو قبر اکھاڑنے کے بغیر یوں کیوں نہیں فرما دیتے کہ بھیّا زندیق! قبر تو اس گڑھے کا نام ہی نہیں ہے اور نہ پسلیاں جسم عنصری کی آرپار ہوتی ہیں یہ معاملہ تو غیر محسوس برزخ اور جسد مثالی کا ہے۔ اے بھیّا ملحد! تم نے وہ کب دیکھا ہے جس کے بارے میں خواہ مخواہ ہم سے اُلجھ رہے ہو۔

(۸) حافظ ابن القیمؒ نے برزخ کے بارے میں شاذ اقوال اور ان کے قائلین کی نشاندہی کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے

وان البدن لا ينعم ولا يعذب فجميع هولاء الطوائف ضلال فى امر البرزخ اهـ

(ان کا یہ بھی خیال ہے) کہ بدن کو نہ راحت ملتی ہے اور نہ سزا مگر یہ تمام فرقے برزخ کے معاملہ میں گمراہ ہیں۔

(کتاب الروح ص۶۳)

(۹) حافظ ابن القیمؒ نعیم قبر اور عذاب قبر کے بارے بعض فرقوں کا مسلک بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

هل النعيم والعذاب يقع على اجزاء الجسد او جزء منه اما عجب او غيره فيخلق الله فيه الالم واللذة اما بواسطة رد الحيوٰة اليه كما قاله بعض ارباب هٰذا القول او بدون رد الحيوٰة كما قاله آخرون منهم فهؤلاء عندهم لا عذاب فی البرزخ الا علی الاجساد ومقابلهم من يقول ان الروح لا تعاد الی الجسد بوجه ولا تتصل به والعذاب والنعيم علی الروح فقط والسنة الصريحة المتواترة ترد قول هؤلاء وهؤلاء وتبيّن ان العذاب علی الروح والجسد مجتمعين ومنفردين۔

(کتاب الروح ص۱۴۲)

کیا راحت و عذاب تمام اجزاء جسم پر واقع ہوتے ہیں یا اسکی جزو پر؟ دُم گزہ پر یا اس کے علاوہ؟ بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس میں الم اور لذت پیدا کر دیتا ہے یا تو زندگی لوٹا کر جیساکہ اس نظریہ کے بعض ارباب کا قول ہے۔ یا بغیر ردِّ حیات کے جیساکہ ان میں سے بعض کا قول ہے۔ سو ان کے نزدیک برزخ میں عذاب صرف اجسام پر ہوتا ہے اور ان کے مقابل کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ روح جسم کی طرف کسی طرح بھی نہیں لوٹائی جاتی اور نہ اس کے ساتھ اتصال ہوتا ہے اور تکلیف و راحت صرف روح کو ہوتی ہے اور سنت صریحہ متواترہ ان کا قول بھی رد کرتی ہے اور ان کا بھی اور واضح کرتی ہے کہ عذاب روح اور جسم دونوں پر ہوتا ہے اجتماعاً بھی اور انفراداً بھی۔

موصوف کی باقی عبارت تو بالکل واضح ہے مگر آخر کا جملہ مجتمعین و منفردین قابل تشریح ہے۔ حافظ ابن القیمؒ اور ان کے شیخ امام ابن تیمیہؒ کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ قبر اور برزخ میں راحت و تکلیف روح اور بدن دونوں کے لیے تسلیم کرتے اور اس پر اپنے معلومات کی بنا پر زبردست دلائل پیش کرتے ہیں جن میں سے بعض قارئین کرام نے ملاحظہ کر لیے ہیں لیکن ان کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر احیاناً روح بدن سے الگ بھی ہو جائے تو اُس حال میں انفرادی طور پر روح کو عذاب ہوتا ہے (اور غالباً ایسی ہی عبارات سے بعض حضرات کو ان کے اقوال سے شبہ ہوا ہے)۔

چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

بل العذاب والنعيم على النفس والبدن جميعًا باتفاق اهل السنة والجماعة تنعم النفس وتعذب عليهما تعذب منفردة عن البدن وتنعم وتعذب متصلة

بلکہ عذاب و راحت اہل السنۃ والجماعۃ کے اتفاق سے روح اور بدن دونوں پر وارد ہے روح کو بدن سے الگ بھی سزا اور راحت ہوتی ہے اور بدن کے ساتھ متصل ہو کر بھی اور

بالبدن والبدن متصل بها فيكون النعيم والعذاب عليهما فى هذه الحال مجتمعين كما تكون على الروح منفردة عن البدن۔ (كتاب الروح ص۶۲)

بدن روح کے ساتھ متصل ہوتا ہے تو اس حال میں راحت و عذاب دونوں پر اجتماعی صورت میں ہوتا ہے جیسا کہ یہ کارروائی روح پر بدن سے الگ ہونے کی صورت میں بھی ہوتی ہے۔

اور خود حافظ ابن القیمؒ باطل اقوال نقل کرنے اور ان کے رد کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

فلتعلم ان مذهب سلف الامة وائمتها ان الميّت اذا مات يكون فى نعيم او عذاب وان ذلك يحصل لروحه وبدنه وان الروح تبقى بعد مفارقة البدن منعمة او معذبة وانها تتصل بالبدن احيانًا ويحصل له معها النعيم والعذاب الخ (كتاب الروح ص۶۳ و ص۶۴)

تو جان لے کہ سلفِ اُمّت اور اس امت کے اماموں کا مذہب یہ ہے کہ میّت کو راحت اور سزا ہوتی ہے اور یہ اس کے روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے اور روح کو بدن سے جدا ہونے کے بعد بھی راحت و سزا ہوتی ہے اور روح بدن کے ساتھ بھی احیاناً متصل ہوتی ہے **اس** حالت میں بدن اور روح دونوں کو راحت و سزا ہوتی ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ علمی طور پر بڑی شخصیتیں ہیں اور ہم ان کا احترام کرتے ہیں لیکن باوجود کمال جستجو اور تفحّص کے ہمیں کوئی ایسی صحیح اور صریح روایت یا کوئی ایسی قابلِ قبول عقلی دلیل نہیں مِل سکی جس سے یہ ثابت ہو کر قبر میں راحت و تکلیف شروع ہونے کے بعد روح کی بدن یا بدن کے (ریزہ ریزہ) اجزاء سے جدائی اور علیحدگی بھی ہوتی ہے اگر ان حضرات کے نزدیک کسی وقت روح کی بدن سے کلیتہً جدائی کی کوئی دلیل ہے جس کی بنا پر وہ افتراق کے قائل ہیں تو ان کے نزدیک صرف اس حالت میں روح کو بدن سے الگ تسلیم کر کے بھی سزا و راحت ہو سکے گی ورنہ یہ دونوں بزرگ اہل السنت والجماعت کا اجماع اور ائمہ کرامؒ کا اتفاقی نظریہ یہ بتاتے ہیں کہ عذاب و راحت کے سلسلہ میں بدن اور روح دونوں شریک ہیں اور اس پر وہ احادیث صریحہ اور متواترہ کا حوالہ بھی دیتے ہیں جس میں کوئی شک نہیں۔

(۱۰) یہی حافظ ابن القیمؒ عذاب و نعیم اور سوال قبر پر طویل بحث کرتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں کہ:۔

ومعلوم ان هذا كله للجسد بواسطة الروح الخ (كتاب الروح ص۷۲)

یہ ایک معلوم بات ہے کہ یہ ساری کارروائی جسم کے لیے ہے مگر بواسطہ روح۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم و مدلول کے لحاظ سے بالکل واضح اور روشن ہے۔

یہ سب عبارات حافظ ابن القیمؒ کی مشہور اور معتبر کتاب کتاب الروح کی ہیں جو بالفاظہا ہم نے عرض کر دی ہیں

ان کی موجودگی میں یہ دعوے کرنا کہ حافظ ابن القیمؒ قبر میں بدن سے روح کے اتصال اور تعلق کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ بدن اور جسد سے بدن مثالی مراد لیتے ہیں یا یہ کہ شہداء کرامؓ کو سواری کے طور پر جو پرندے مرحمت ہوتے ہیں ان کے نزدیک وہ ابدان مثالیہ ہیں یا یہ کہ وہ عود الروح الی البدن کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ حسّی قبر اور گڑھے کو قبر کہتے ہی نہیں یا یہ کہ وہ عود الروح الی البدن کی وجہ سے علم و شعور اور الم و راحت کے ادراک کے درجہ میں بھی فی الجملہ حیات کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ جسم عنصری کے ذرّات اور ریزوں سے روح کے تعلق کے قائل نہیں یا یہ کہ وہ بدن سے روح کے کلیۃً انقطاع کے قائل ہیں یا یہ کہ وہ ارواح کو علیین جنت اور آسمانوں یا سجین ہی میں تسلیم کرتے اور ان کا تعلق ابدان یا ان کے ذرّات سے تسلیم نہیں کرتے یا یہ کہ وہ عذاب و راحت ہمہ وقت صرف روح کے لیے تسلیم کرتے ہیں۔ یہ اور اس قسم کی تمام وہ غلط باتیں جو ان کی طرف منسوب کی جاتی ہیں ان واضح اور صریح عبارات کے پیش نظر سراسر باطل ہیں مشہور ہے ؏ شنیدہ کے بود مانند دیدہ۔

اور شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ علامہ ابن حزمؒ وغیرہ کے اس نظریہ کی پرزور تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال والسوال للبدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمهور وقابلهم آخرون فقالوا السوال للروح بلا بدن وهذا قاله ابن میسرۃ وابن حزمؒ وکلاهما غلط والاحادیث الصحیحۃ تردہ ولو کان ذٰلک علی الروح فقط لم یکن للقبر بالروح اختصاص اھ

(شرح حدیث النزول ص۵۱ وکتاب الروح ص۶۳)

صحیح اور متواتر حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور روح کے بغیر بدن سے سوال کا لوگوں میں صرف ایک طائفہ قائل ہے، لیکن جمہور اس کے منکر ہیں اور ان کے مقابلہ میں کچھ اور لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور بدن کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا یہ ابن میسرہؒ اور ابن حزمؒ کا قول ہے مگر یہ دونوں قول باطل ہیں اور صحیح حدیثیں ان کو رد کرتی ہیں۔ اور اگر یہ کارروائی صرف روح ہی کو پیش آتی تو روح کے قبر کے ساتھ اختصاص کا کوئی معنی نہ ہوتا۔

نواب صدیق حسن خان صاحبؒ اسی عبارت کے پیش نظر لکھتے ہیں کہ:۔

احادیث متواترہ اند بر آنکہ عود می کند روح بسوئے بدن وقت سوال و ایں تعلق ہمیشہ می ماند اگرچہ جسد جاں دریدہ و متفرق و منقسم گردد و سوال بدن بلا روح قول طائفہ است و جمہور انکارش کردہ اند و دیگر در برابر ایشاں گویند کہ سوال روح را بلا بدن است و ایں غلط فاحش است ورنہ قبر را بداں اختصاص۔

نہ باشد (التنکیت فی شرح اثبات التثبیت ص۲۳ طبع سنہ ۱۲۹۲ھ)

اور عذاب اور نعیم قبر پر بحث کرتے ہوئے حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعًا باتفاق اهل السنة والجماعة اهـ (شرح حدیث النزول ص۵۱ وکذا فی کتاب الروح ص۶۳)

بلکہ عذاب اور راحت و آرام روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتا ہے اور تمام اہل السنت والجماعت کا اس پر اتفاق ہے۔

اور عذاب قبر کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ولهذا صار بعض الناس الی ان عذاب القبر انما هو علی الروح فقط کما یقوله ابن میسرة وابن حزم وهذا قول منکر عند عامة اهل السنة والجماعة وصار آخرون یحتجون بالقدرة وبخبر الصادق ولا ینظرون الی ما یعلم بالحس والمشاهدة وقدرة الله حق وخبر الصادق حق لکن الشأن فی فهمه واذا عرف ان النائم یکون نائمًا وتقعد روحه وتقوم وتمشی وتذهب وتتکلم وتفعل افعالًا وامورًا باطن بدنه مع روحه ویحصل لبدنه وروحه بها نعیم وعذاب مع ان جسده مضطجع وعینیه مغمضة وفمه مطبق واعضائه ساکنة وقد یتحرک بدنه لقوة الحرکة الداخلة وقد یقوم ویمشی ویتکلم ویصیح لقوة الامر فی باطنه کان هذا مما یعتبر به امر المیت فی قبره فان روحه تقعد وتجلس وتسأل وتنعم وتعذب وتصیح

اور بعض لوگ اس طرف گئے ہیں کہ عذاب قبر صرف روح کو ہوتا ہے جیسا کہ ابن میسرہؒ اور ابن حزمؒ کہتے ہیں اور یہ قول اکثر اہل سنت والجماعت کے نزدیک مردود ہے اور دوسرے حضرات اللہ تعالیٰ کی قدرت اور مخبر صادق کی خبر سے احتجاج کرتے ہیں اور حس اور مشاہدہ کی طرف وہ نہیں دیکھتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بھی حق ہے اور صادق کی خبر بھی حق ہے لیکن معاملہ اس کے سمجھنے کا ہے اور جب یہ بات سمجھ میں آسکتی ہے کہ سونے والا خوابیدہ ہوتا ہے اور اس کی روح بیٹھتی اور اٹھتی چلتی اور پھرتی، بولتی اور کئی قسم کے افعال اور معاملات بدن کے اندر ہی کرتی ہے اور اس کے بدن اور روح کو راحت و کلفت حاصل ہوتی ہے حالانکہ اس کا جسم پڑا رہتا ہے اور اس کی آنکھیں اور منہ بند ہوتا ہے اور اس کے اعضاء ساکن ہوتے ہیں اور کبھی داخلی حرکت کی قوت کی وجہ سے بدن بھی حرکت کرتا ہے اور کبھی اٹھتا اور چلتا ہے اور کبھی بولتا اور آواز کرتا ہے کیونکہ اندر خاصی قوت ہوتی ہے اس سے قبر میں میت کا معاملہ بھی بآسانی سمجھا جا سکتا ہے کہ اس کی روح اٹھائی اور بٹھائی جاتی ہے اور اس سے سوال

وذٰلك متصل ببدنه مع كونه مضطجعًا فى قبره اهـ

(شرح حديث النزول ص۸۸)

کیا جاتا ہے اور اس کو راحت و تکلیف حاصل ہوتی ہے اور وہ آواز سنتی ہے اور روح بدن سے متصل ہوتی ہے حالانکہ بدن قبر میں پڑا رہتا ہے۔

اور نیز حافظ ابن تیمیہؒ اختلاف اضلاع کی حدیث نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ:۔

فقد صرّح الحديث باعادة الروح الى الجسد وباختلاف اضلاعه وهٰذا بيّنٌ فى ان العذاب على الروح والبدن مجتمعين۔

(فتاوى ج۴ ص۲۸۹ ومثله فى كتاب الروح ص۶۶)

بلاشبہ اس حدیث میں روح کے جسم کی طرف اعادہ اور پسلیاں آر پار ہونے کی تصریح ہے اور اس میں بالکل روشن دلیل ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں پر ہوتا ہے

ان صریح اقتباسات سے یہ معاملہ واضح ہوجاتا ہے کہ قبر میں روح کا جسم کے ساتھ اتصال ربط اور تعلق تو ہوتا ہے لیکن اکثر اوقات جسم بالکل ساکن اور ساکت رہتا ہے اور بایں ہمہ عذاب و آرام بدن اور روح دونوں کو حاصل ہے جیسے سونے والے کا معاملہ ہے کہ بظاہر اس کا جسم اور اعضاء تو ساکن رہتے ہیں لیکن خواب میں اس کی روح جو خوشی اور غمی دیکھتی ہے اس سے بدن کو بھی راحت و تکلیف حاصل ہوتی ہے ہاں زیادہ خوشی اور غمی کی وجہ سے اس کا بدن حسّی طور پر بھی روح کی طرح اس خوشی اور غمی کے آثار سے حسًّا متاثر ہوتا ہے احتلام کی صورت میں لذت اور خوف و ہراس اور مار پٹائی کی وجہ سے بدن پر تکلیف ظاہر ہوتی ہے جیسا کہ امام غزالیؒ اور حافظ ابن الہمامؒ وغیرہ کی عبارات سے اس کی مزید تشریح اپنے مقام پر آئے گی انشاء اللہ تعالیٰ۔

امام سیوطیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وقال ابن تيميةؒ الاحاديث متواترة على عود الروح الى البدن وقت السؤال وسؤال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن الزاغونى وحكى عن ابن جرير وانكره الجمهور وقابلهم آخرون فقالوا السؤال للروح بلا بدن قاله ابن حزم و آخرون منهم ابن عقيل وابن الجوزى وهو غلط والا لم يكن للقبر بذلك اختصاص انتهى۔

ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ سوال کے وقت روح کے بدن کی طرف لوٹنے کی حدیثیں متواتر ہیں روح کے بغیر بدن سے سوال ایک طائفہ کا قول ہے جن میں ابن زاغونی بھی ہیں اور ابن جریر (الکرّامی) سے بھی اس کی حکایت کی گئی ہے مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے اور ان کے مقابلہ میں کچھ اور لوگ ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ سوال بدن کے بغیر صرف روح سے ہو ہے ابن حزمؒ ابن عقیلؒ اور ابن الجوزیؒ وغیرہ کچھ اور لوگوں نے ایس ہی کہا ہے لیکن ان کا یہ خیال غلط ہے اگر معاملہ صرف روح

(شرح الصدور ص۶ طبع مصر)

کا ہی ہوتا تو پھر قبر سے اس کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔

مؤلف ندائے حق نے (ص۱۹ میں) ابن حزمؒ ابن الجوزیؒ اور ابن عقیلؒ کا یہ حوالہ تو دیا ہے مگر افسوس ہے کہ وہ غلط کے الفاظ سے آخر تک بالکل ہضم کر گئے ہیں ابن الزاغونی کا نام علی بن عبید اللہ کنیت ابو الحسن اور فقہی نسبت الفقیہ حنبلی ہے حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وله تصانيف فيها اشياء من بحوث المعتزلة يصرح بها لكونه نصرها وما هذا من خصائصه بل قلّ من امعن النظر في علم الكلام الا واداه اجتهادهٗ الى القول بما يخالف محض السنة ولهذا ذم علماء السلف النظر في علم الاوائل فان علم الكلام مولد من علم الحكماء الدهرية اه (لسان الميزان ج ۴ ص۲۴۳)

ان کی کئی تصانیف ہیں جن میں معتزلہ کی ابحاث سے کئی چیزیں درج ہیں جن کی وجہ سے علماء نے ان کو بدعتی قرار دیا ہے کیونکہ انہوں نے ان ابحاث میں معتزلہ کی تائید کی ہے اور یہ صرف انہی کی خصوصیات میں سے نہیں بلکہ ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہوں نے علم کلام کی گہرائیوں میں نگاہ دوڑائی ہو اور انکے اجتہاد نے انہیں خالص سنت کی مخالفت تک نہ پہنچایا ہو اسی لیے علماء سلف نے پہلے لوگوں کے علم میں نظر کرنیکی مذمت کی ہے کیونکہ ان کا علم کلام حکماء دھریہ کے علم سے پیدا ہوا ہے۔

(اسی ابن زاغونی کا سہارا مؤلف ندائے حق اور اقامۃ البرہان نے (ملاحظہ ہو ص۲۶) لیا ہے فوا اسفا۔

علامہ داؤدؒ بن سلیمان البغدادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وان عذاب القبر حق وانه على الروح والجسم الذى فيه الحد (المنحة الوهبية ص۳ طبع استنبول)

بلاشبہ قبر کا عذاب حق ہے اور یہ عذاب روح اور اس جسم پر ہوتا ہے جس جسم کو لحد اور قبر میں دفن کیا جاتا ہے۔ (یعنی جسد عنصری)

اور قاضی محمدؒ بن علی الشوکانیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۵۰ھ) حیات فی القبور کی بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وقد وردت بذلك احاديث كثيرة بلغت حد التواتر (نيل الاوطار ج۴ ص۹۷)

کہ اس کے بارے میں بکثرت حدیثیں وارد ہوئی ہیں جو تواتر کے درجہ کو پہنچتی ہیں۔

ایک طرف ان حضرات کی یہ صریح عبارات بھی ملاحظہ فرمائیں اور دوسری طرف مؤلف اقامۃ البرہان کا یہ باطل نظریہ بھی دیکھتے جائیں وہ لکھتے ہیں:۔

باقی انبیاء علیہم السلام شہداء کرام اور مومنین کو برزخ میں جو نعیم و راحت حاصل ہوتی ہے وہ صرف ان کی روحوں کو ہے ابدان عنصریہ اس میں شریک نہیں ہیں انتہیٰ بلفظہ (اقامۃ البرہان ص۱۹۸) لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

امام قاسم بن قطلوبغا الحنفیؒ (المتوفی ۸۷۹ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

قال الامام القونویؒ اختلفوا فی انه یخلق فیه حیٰوۃ مطلقة کحیاته قبل الموت او حیٰوۃ بقدر مایحسّ الالم والصحیح هذا اھ (شرح المسائرۃ للقطلوبغا جلد۲ ص۱۱۶ طبع مصر)

امام قونویؒ فرماتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ کیا مردہ میں حیات مطلقہ پیدا کی جاتی ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھی یا اس قدر حیات اس میں پیدا کی جاتی ہے جس سے دکھ او غیرہ کا احساس کر سکے؟ صحیح بات دوسری ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ قبر میں مُردہ کو مطلق اور کامل حیات حاصل نہیں ہوتی جیسی حیات موت سے پہلے اس کو دنیا میں حاصل تھی بلکہ اس انداز کی حیات اس کو حاصل ہوتی ہے جس سے عذاب و کلفت کا احساس ہو سکے یہی وجہ ہے کہ ہم نہ تو اس حیات کا احساس کر سکتے ہیں اور نہ اس کی پوری حقیقت کا ادراک کر سکتے ہیں،

علامہ سید محمود آلوسی مفتی بغداد الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۷۰ھ) اپنی بے نظیر تفسیر میں شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

واختلف فی هذه الحیٰوۃ فذهب کثیر من السلف الی انها حقیقة بالروح والجسد ولکنا لاندرکها فی هٰذه النشأۃ اھ (روح المعانی جلد۲ ص۱۷)

اور اس حیات کے بارے میں اختلاف کیا گیا ہے اور بلاشبہ بہت سے سلف صالحینؒ اس طرف گئے ہیں کہ یہ حقیقۃً حیات جو روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہوتی ہے لیکن ہم اس دور اور حالت میں اس کا ادراک نہیں کر سکتے۔

مطلب واضح ہے کہ قبر کی زندگی اگر مطلق اور کامل زندگی ہوتی جس طرح دنیا میں ہوتی ہے تو اس کا ادراک تو ہر شخص کر سکتا ہے مگر چونکہ وہ حیات اس معہود حیات سے متفاوت ہے اور ایک گونہ اور نوع من الحیوٰۃ ہے۔ اس لیے ہمارے ادراک سے وہ بالاتر ہے ہاں احیاناً کسی کو اس کا ادراک کرا دیا جائے تو اس کا کون منکر ہے؟ جس طرح قبر کی حیات اہل دنیا کے احساس و ادراک سے بالاتر ہے اسی طرح ان کی راحت و کلفت بھی اہل دنیا کی نگاہوں سے اوجھل رہتی ہے وہ اگر آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر بھی دیکھیں تو ان کو اس کا مشاہدہ نہیں ہو سکتا۔

علامہ سیّد محمود آلوسی الحنفیؒ مفتی بغداد نے پہلے یہ لکھا تھا۔

وعندی ان الحیاۃ فی البرزخ ثابتة لکل من یموت من شهید وغیره وان الارواح وان کانت جواهر قائمة بانفسها مغایرۃ لمایحس به من البدن

اور میرے نزدیک حیات فی البرزخ ثابت ہے ہر مرنے والے کے لیے شہید ہو یا غیر شہید اور ارواح اگرچہ جواہر قائم بنفسہا ہیں اس محسوس بدن کے علاوہ اور مغایر لیکن ان کے ایک بدن

كن لا مانع من تعلقها ببدن برزخي مغاير لهذا البدن الكثيف الى ان قال واما القول بحياة هذا الجسد الرميم مع هدم بنيته وتفرق اجزائه و ذهاب هيئته وان لم يكن ذلك بعيدًا عن قدرة من يبدأ الخلق ثم يعيده لكن ليس اليه كثير حاجة ولا فيه مزيد فضل ولا عظيم منة بل ليس فيه سوى ايقاع ضعفة المؤمنين بالشكوك والاوهام و تكليفهم من غير حاجة بالايمان بما يعدون قائله من سفهه الاحلام۔

(روح المعانی ج۲۲ ص۲۱)

برزخی سے تعلق ہونے سے کوئی مانع نہیں (پھر آگے فرمایا) اور لیکن قول کرنا ساتھ حیات اس جسم رمیم کے باوجود اسکی بنیاد ٹوٹ پھوٹ جانے کے اور اس کے اجزاء کے بکھر جانے کے اور اس کی ہیئت (کذائیہ) کے چلے جانے کے اگرچہ اس اللہ کی قدرت سے بعید نہیں جو پہلی پیدائش کر رہا ہے اور پھر (روز محشر میں) اسی کو لوٹائے گا اور انہیں بوسیدہ ہڈیوں کو زندہ کریگا لیکن نہ تو اس قول کیطرف کوئی بڑی حاجت ہے اور نہ اس قول میں کوئی بڑی فضیلت ہے اور نہ (شہداء پر) بڑا احسان بلکہ اس قول میں اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ کمزور ایمان والوں کو شکوک اور اوھام میں ڈال دیں اور بلا ضرورت ان کو تکلیف دیں ایسی چیز کے ماننے کی جس کے قائل کو وہ بے وقوف قرار دیتے ہیں۔

اس عبارت کا یہ ترجمہ بلفظہٖ ہم نے تسکین القلوب ص۹۵ و ص۹۶ سے نقل کیا ہے اور روح المعانی کی یہ عبارت نقل کرنے کے بعد مؤلف تسکین القلوب نے راقم کو بلا وجہ خوب کوسا ہے اور لکھتے ہیں کہ مولوی صاحب ناظرین کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لیے اس عبارت کو ہضم کر گئے اور یہ مغالطہ دیا کہ صاحب روح بھی مولوی صاحب کا ہم نوا ہے (تسکین القلوب ص۹۷) بے شک علامہ آلوسیؒ کا پہلے یہی نظریہ تھا لیکن تحقیق کے بعد اس کو ترک کر کے انہوں نے بعد کو جمہور کا ساتھ دیا ہے اور حضرات صوفیہ اور جمہور کے قول میں تطبیق دی ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

وتحقيقه في شرح الشمائل للعلامة ابن حجرؒ ثم اعلم ن اتصال الروح بالبدن لا يختص بجزء دون جزء بل هي متصلة مشرقة على سائر اجزائه ون تفرقت وكان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب ولعل هذا الاشراق على الاجزاء الاصلية لانها التي يقوم بها الانسان من قبره يوم القيمة على ما اختاره جمع واعلم ايضًا ان الروح على القول بتجردها لا مستقر لها بل لا يقال انها داخل العالم

اس کی تحقیق علامہ ابن حجرؒ کی شرح شمائل میں ہے پھر تو جان لے کہ روح کا بدن کے ساتھ اتصال یوں مختص نہیں کہ کسی ایک جزو کے ساتھ ہو اور دوسری سے نہ ہو بلکہ یہ بدن کے تمام اجزاء کے ساتھ متصل ہے اور اس کا تمام اجزاء پر پرتو پڑتا ہے اگرچہ وہ اجزاء متفرق ہو چکے ہوں اور ایک جزو مشرق میں اور دوسری مغرب میں ہو اور شاید کہ روح کا یہ پرتو اصلی اجزاء پر ہو کیونکہ یہی وہ اجزاء ہیں جن کے ساتھ انسان قیامت کے دن قبر سے اٹھے گا۔ جیسا کہ ایک بڑی جماعت نے اس کو اختیار کیا ہے (مولوی عبدالحق حقانیؒ فرماتے

او خارجه کما سمعت وانما المستقر حینئذٍ البدن الذی تتعلق به وقد نص بعض الصوفیة علی انه لا مانع من ان تتعلق نفس ببدنین فاکثر بل هو واقع عندهم وذکر بعضهم ان احد البدنین هو البدن الاصلی والآخر مثالی یظهر للعیان علی وجه خرق العادة الخ۔

(روح المعانی ج۱۵ ص۱۶۳)

ہیں۔ انسان کے اجزاء اصلیہ وہی ذرات ہیں کہ جو حضرت آدمؑ کی پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے ...... پس روح کا تعلق بعد از مرگ انہی اجزاء اصلیہ و ذرات کے ساتھ ہے عقائد اسلام بحوالہ ندائے حق ص۱۹۲ اور نیز تو جان لے کہ اس قول کی بنا پر کہ روح مجرد ہے اس کا کوئی ٹھکانہ نہیں بلکہ یوں نہیں کہا جا سکتا کہ وہ عالم میں داخل ہے یا اس سے خارج ہے جیسا کہ تو نے سنا اور پختہ بات ہے کہ روح کا مستقر اس وقت وہ بدن ہے جس سے اس کا تعلق ہے اور بعض حضرات صوفیاء کرامؒ نے اس کی تصریح کی ہے کہ کوئی مانع نہیں کہ روح دو بدنوں (بدن عنصری و بدن مثالی) اور ان سے زیادہ سے متعلق ہو بلکہ ان کے نزدیک یہ واقع اور ثابت ہے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے کہ دو بدنوں میں سے ایک بدن اصلی (عنصری و مادی) ہے اور دوسرا مثالی ہے جو خرق عادت کے طور پر مشاہدہ کے لیے بھی ظاہر ہو جاتا ہے

علامہ آلوسیؒ کی اس عبارت سے صراحت سے معلوم ہوا کہ بدن اصلی (عنصری) کے ساتھ روح کا باقاعدہ تعلق رہتا ہے اگرچہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے اور ایک جزو مشرق میں اور دوسری مغرب میں چلی جائے لہٰذا ان کی پہلی عبارت سے ان کا مختار مذہب یہ ثابت کرنا (جیسا مؤلف تسکین القلوب نے ص۷۶ میں کیا ہے) کہ وہ روح کے بدن مثالی ہی سے تعلق کے قائل ہیں اور بدن عنصری و خاکی سے تعلق کے قائل نہیں ہیں بالکل غلط ہے اگر ان کا پہلا نظریہ یہی تھا تو اس عبارت سے ان کا رجوع الی قول الجمہور ثابت ہے جیسا کہ پوشیدہ نہیں ہے پھر آگے اپنی تحقیق یہ لکھی ہے کہ روح اور نفس ایک ہی شئے ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

البحث الثالث اختلف الناس فی الروح والنفس هل هما شیئ واحد ام شیئان؟ فحکی ابن زید عن اکثر العلماء انهما شیئ واحد فقد صح فی الاخبار اطلاق کل منهما علی الآخر وما اخرجه البزار بسند صحیح عن ابی هریرةؓ رفعه ان المؤمن ینزل به الموت ویعاین ما یعاین

تیسری بحث لوگوں نے اس امر میں اختلاف کیا ہے کہ کیا روح اور نفس دونوں ایک شئے ہے یا دو ہیں؟ ابن زیدؒ نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے کہ وہ دونوں ایک شئے ہے بلاشبہ حدیثوں میں ایک کا دوسرے پر اطلاق صحیح اور ثابت ہے محدث بزارؒ نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع روایت کی تخریج کی ہے

لو خرجت نفسه والله تعالیٰ یحب لقاءہ وان
ومن تصعد روحها الی السماء فتاتیه ارواح المومنین
یستخبرونه عن معارفه من اهل الدنیا الحدیث
اهر فی ذلك اھ

(روح المعانی ص۱۵۷)

کہ مومن پر جب موت آتی ہے اور معائنہ کرتا ہے ان چیزوں کا جن کا بھی معائنہ کرتا ہے تو وہ ان کو پسند کرتا ہے کہ اس کا نفس نکلے اور اللہ تعالیٰ اس کی ملاقات کو پسند کرتا ہے اور مومن کی روح جب آسمان کی طرف جاتی ہے تو اس کے پاس مومنوں کی ارواح آتی ہیں اور وہ دنیا میں اپنے پہچاننے والوں کے بارے میں اس سے سوال کرتی ہیں الحدیث اس سے بالکل ظاہر ہے کہ نفس اور روح ایک شئی ہے۔

حافظ ابن القیم رحؒ نے فرمایا کہ جمہور کا یہی قول ہے کہ نفس اور روح دونوں ایک ہی شئی ہے (کتاب الروح ص۲۶۴)

غرض قبر اور برزخ میں راحت اور تکلیف روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے لیکن دُنیا والے اس کا مشاہدہ نہیں کر سکتے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۱۷۶ھ) اپنی بلند پایہ کتاب حجۃ اللہ البالغہ باب اختلاف احوال الناس فی البرزخ میں لکھتے ہیں کہ:۔

ویؤمروا بالتعذیب او التنعیم فیراھم المتبلی عیانا وان کان اھل الدنیا لا یرونھم عیانا اھ

(حجۃ اللہ البالغہ جلد ۱ ص۳۶ طبع مصر)

فرشتوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ انکو عذاب یا راحت پہنچائیں۔ مبتلیٰ بہ آنکھوں سے ان فرشتوں کو دیکھتا ہے لیکن اہل دنیا ان کو مشاہدۃً نہیں دیکھ سکتے۔

حیات فی القبور اور حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ

قبر کی زندگی کے بارے میں حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کا مسلک بعض حضرات نے غلط سمجھا ہے۔ اور بے جا مغالطہ دینے کی کوشش کی ہے اور ان کی ایک مجمل عبارت۔ ودر قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست الخ سے غلط مطلب اخذ کیا ہے (ملاحظہ ہو تسکین القلوب ص۹۳ و ندائے حق ص۲۳۶) اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حضرت شاہ صاحبؒ ہی کی چند عبارات عرض کر دیں تاکہ حقیقت بالکل کھل کر سامنے آجائے اور علمی و تحقیقی طور پہ کسی قسم کی کوئی الجھن باقی نہ رہے غور و فکر کرنا آپ کا کام ہے۔

(۱) روافض نے دیگر منکرین کی طرح عذاب قبر کے بارے ایک اعتراض کیا ہے جس کا جواب حضرت شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں سوال و جواب دونوں ان کے الفاظ میں ملاحظہ فرمائیں۔

نیز گویند کہ ما می بینیم شخصی را کہ مُردہ بر زمین افتادہ است
مصلوب بر جذع مدتے براں جذع ماندہ تا آنکہ اجزاء

اور وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ہم ایک شخص کو زمین پر مُردہ پڑا ہوا دیکھتے ہیں یا کسی کو کافی مدت تک سُولی پہ لٹکایا ہوا دیکھتے

او ہمہ متلاشی شدہ وہرگز درو ے حیاتے وقیامے و قعودے وتحرکے وکلامے وسوالے وجوابے وچیزے از آثار ایں اُمور دریافتہ نشدہ بلکہ بر سینۂ او چند دانہ خردل پاشیدہ ایم و آں دانہ ہا را بحال خود یافتہ ایم و نیز کافر را بعد از موت تجسّس کردیم و دست رسانیدیم اصلاً اثر احراق درو ے نمی بینیم جواب ایں شُبہ از تقریر سابق معلوم شد کہ اللہ تعالیٰ روح آں میّت را بقدریکہ ادراک وتالّم وتلذذ ازو حاصل شود ببدنے از ابدان عنصریہ موجودہ یا مثالیہ مخترعہ متعلق میسازد وایں کار سرانجام میفرماید ومحسوس نبودن ایں حرکات دلالت بر عدم وقوع آنہا نمیکند زیرا کہ ذوات واشخاص ملائکہ وجن را بحواس ادراک نمیکنیم چہ جائے حرکات و معہذا واقع است بلا شُبہ عند الملیّین ونیز نائم درخواب خود می بیند کہ با زنے خوش شکل جماع میکند ومعانقہ وبوس وکنار ہمہ بعمل مے آرد حتّٰی کہ انزال واحتلام ہم میشود وتلذذ ہم بر میدارد واثر ایں اُمور دیگراں بر بدن او ادراک نمیکنند ونیز حکماء وفلاسفہ باعانت روحانیاتِ کواکب وحرکات آنہا قائل اند وہیچکس را محسوس نمی شود چنانچہ از ثابت بن قُرّہ در بابِ ثانی نقل آں گذشت وخدائتعالیٰ قادر است بر آنکہ دانہائے خردل را بہیئت خود بحالش باقی دارد وروح آں میّت را باوصف تعلقے کہ ببدن خود پیدا کردہ منعّم ومعذّب کردہ اند بنہایت کار استبعاد است وَهُوَ لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِنْ جُوعٍ

ہیں یہاں تک کہ اس کے تمام اجزاء بکھر جاتے ہیں اور اس میں زندگی۔ کھڑے ہونے۔ بیٹھنے۔ حرکت کرنے کلام اور سوال کرنے و جواب دینے وغیرہ اُمور میں سے کسی کا ہرگز کوئی نشان نہیں پایا جاتا بلکہ ہم نے اس کے سینے پر رائی کے چند دانے بکھیرے لیکن ان دانوں کو اسی حالت میں ہم نے پایا اور نیز کافر کی موت کے بعد ہم نے اس کے جسم کو ٹٹولا اور ہاتھ اس کے بدن تک پہنچایا لیکن اس میں جلانے کا ہرگز کوئی اثر ہم نے نہیں دیکھا۔ (اندریں حالات عذاب قبر کا کیا مطلب) اس شُبہ کا جواب پہلے بیان سے معلوم ہو گیا ہے کہ اللہ تعالےٰ اس میّت کی روح کو اس انداز سے کہ ادراک اور تکلیف اور لذت اس سے حاصل ہو اور ابدان عنصریہ میں سے موجود بدن کے ساتھ یا مثالی مخترع بدن کے ساتھ متعلق کر دیتا ہے اور اس کام کو سرانجام دیتا ہے اور ان حرکات کا محسوس مشاہد نہ ہونا اس پر دلالت نہیں کرتا کہ یہ واقع نہ ہوں کیونکہ فرشتوں اور جنّات کی شخصیتوں کا احساس ہم نہیں کرتے چہ جائیکہ ان کی حرکات کا احساس ہو لیکن بایں ہمہ تمام ملّتوں میں بلا شُبہ ان کا وجود مسلّم ہے اور نیز خواب دیکھنے والا نیند کی حالت میں دیکھتا ہے کہ وہ کسی خوبصورت عورت سے جماع کرتا ہے اور اس کو گلے لگاتا ہے اور بوس وکنار وغیرہ سب کام کرتا ہے حتّٰی کہ انزال واحتلام بھی ہوتا ہے اور وہ لذت بھی اٹھاتا ہے لیکن دوسرا اس کے بدن پر ان اُمور کا اثر وادراک نہیں کرتے اور نیز حکماء اور فلاسفہ ستاروں کی روحانیات کی اعانت اور

(تحفہ اثنا عشریہ ص۳۸۴ و ص۳۸۵ طبع لکھنؤ)

حرکات کے قائل ہیں لیکن کسی کو وہ محسوس نہیں ہوتیں جیسا کہ باب دوم میں قرہ بن ثابت سے اس کی نقل گذر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ رائی کے دانوں کو اپنی حالت پر باقی رکھے اور اس میت کی روح کا اس کے اپنے بدن کے ساتھ اس انداز سے تعلق پیدا کر دے کہ اس کو راحت و عذاب ہو زیادہ سے زیادہ یہ کارروائی ایک بعید سی معلوم ہوگی لیکن یہ استبعاد نہ تو بعید سمجھنے والے کو جھوٹا کرتا ہے اور نہ علمی بھوک دور کرتا ہے؛

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ راحت و عذاب قبر کے سلسلہ میں جو شبہ پیش کیا گیا ہے اس کے جواب میں ایک شق یہ بھی ہے کہ میت کی روح کا اس کے بدن عنصری کے ساتھ تعلق قائم کیا جاتا ہے اور اس تعلق کی بنا پر اس کو قبر کی راحت و تکلیف کا احساس ہوتا ہے اور دوسروں کو اس کا احساس نہ ہونا اس کے عدم وقوع کی دلیل نہیں اور اس بات کو پھر موصوفؒ نے خواب اور احتلام کی کثیر الوقوع صورت کے ساتھ سمجھانے کی سعی فرمائی ہے ان کی اس صریح عبارت کی موجودگی میں یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے نزدیک روح کا بدن کے ساتھ بالکل کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ایک غیر ذمہ دارانہ حرکت اور خالص مغالطہ ہے جسکی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

(۲) و مقام علیین بالائے ہفت آسمان است و پائین آں متصل سدرۃ المنتہیٰ است و بالائے آں متصل بپایۂ راست عرش مجید و ارواح نیکاں بعد از قبض دراں جا میرسند و مقرباں یعنی انبیاء و اولیاء دراں مستقر می مانند و عوام و صلحاء را بعد از نویسانیدن و رسیدن تا صحائف اعمال برحسب مراتب در آسمان دنیا یا درمیان آسمان و زمین یا در چاہ زمزم قرار می دہند و تعلقے بہ قبر نیز ایں ارواح را میباشد کہ بحضور زیارت کنندگان و اقارب و دیگر دوستاں بر قبر مطلع و مستانس میگردند زیرا کہ روح را قرب و بعد مکانی مانع ایں دریافت نمیشود

اور علیین کا مقام سات آسمانوں کے اوپر ہے اور اس کا زیرین حصہ سدرۃ المنتہیٰ سے متصل ہے اور اس کا بالائی حصہ عرش مجید کے دائیں پائے کے ساتھ متصل ہے اور نیک لوگوں کی ارواح کو قبض کرنے کے بعد وہاں پہنچایا جاتا ہے اور مقربین یعنی حضرات انبیاء کرام و اولیاء عظام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح کا مستقر بھی وہی ہے اور عام صلحاء کو وہاں پہنچانے اور ان کے نامہ اعمال لکھنے کے بعد حسب مراتب آسمان دنیا میں یا آسمان و زمین کے درمیان یا زمزم کے کنوئیں میں ٹکاتے ہیں اور ان ارواح کا قبر کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے کہ جو لوگ ان کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور جو ان کے اقارب اور دوسرے دوست حاضر ہوتے

ومثال آں در وجود انسانی روح بصری است کہ ستارہ ہائے ہفت آسمان را درون چاہ میتواند دید اھ

(تفسیر عزیزی پارہ عم یتساءلون ص۱۲۵ طبع حیدری بمبئی)

ہیں اُن کی آمد سے وہ مطلع اور ان سے مانوس ہوتے ہیں کیونکہ روح کیلئے قُرب اور بُعد مکانی اس دریافت سے مانع نہیں ہے، اور اس کی مثال وجود انسانی میں روح بصری ہے کہ (رصدگاہ کے) کنوئیں میں ساتوں آسمانوں کے ستارے دیکھے جاسکتے ہیں۔

اس عبارت سے بھی معلوم ہوا کہ ارواح کا ٹھکانا کہیں بھی ہو مگر ان کا قبور کے ساتھ بھی تعلق ہوتا ہے اور روح کے قُرب بُعد سے اس پہ کوئی زد نہیں پڑتی۔

(۳) مُردوں کو قبر میں دفن کرنے کی تائید اور جلانے کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

ونیز در سوختن بآتش تفریق اجزائے بدن است کہ بسبب آں علاقۂ روح از بدن انقطاع کلی مے پذیرد و آثار ایں عالم باں روح کمتر میرسد و کیفیات آں روح بایں عالم کمتر سرایت میکند و در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا میباشند علاقہ روح با بدن از راہ نظر و عنایت بحال میماند و توجہ روح بزائرین و مستأنسین و مستفیدین بسہولت میشود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہا و تلاوت قرآن مجید چوں دراں بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع میشود پس سوختن گویا روح را بے مکان کردن است و دفن کردن گویا مکنے برائے روح ساختن الخ

(تفسیر پارہ عم ص۹۱ و ص۹۲ طبع مذکور)

اور نیز آگ میں جلانے سے بدن کے اجزاء متفرق ہوجاتے ہیں اور اس وجہ سے روح کا تعلق بدن سے کلی طور پر منقطع ہوجاتا ہے اور اس جہان کے آثار اس روح تک بہت کم پہنچتے ہیں اور اس روح کی کیفیات اس جہان تک کم سرایت کرتی ہیں اور دفن کرنے میں چونکہ بدن کے اجزاء بتمامہا یکجا ہوتے ہیں اس لیے روح کا بدن کے ساتھ تعلق از راہ نظر و عنایت اپنے حال پر رہتا ہے اور روح کی توجہ زیارت کرنے والوں اور اُنس حاصل کرنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف آسانی سے ہوتی ہے کہ چونکہ بدن کا مکان متعین ہے اس لیئے گویا روح کا مکان بھی متعین ہے اور اس جہان کے آثار مثلاً صدقات اور دعائیں اور تلاوت قرآن کریم جب اُس خطہ میں ہوگی جہاں بدن مدفون ہے تو سہولت سے نافع ہوگی پس جلانے میں گویا روح کو بے مکان کرنا ہے اور دفن کرنے میں گویا رُوح کے لیے جگہ اور مسکن بنانا ہے

اس سے بھی یہ بات آشکارا ہوگئی کہ جب تک بدن باقی رہتا ہے روح کا بدن عنصری کے ساتھ تعلق اور ربط بھی باقی رہتا ہے۔ اور جلانے کی صورت میں چونکہ بدن کے اجزاء بالکل متفرق ہوجاتے ہیں اس لیے روح کا تعلق بھی اس بدن سے کلیۃً منقطع ہوجاتا ہے اور اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ روح کا اصل ٹھکانہ جہاں بھی ہو مگر قبر میں

بدن بھی اس کے لیے ایک مکان کی حیثیت رکھتا ہے گویا روح اپنے اس تعلق کی وجہ سے مکین ہے اور بدن اس کے لیے مکان ہے اور مردہ کو جلانے کی صورت میں گویا روح کو بے مکان کرنا ہے اور چونکہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ابدان مبارکہ کا اصلی صورت میں موجود ہونا نصِّ حدیث سے ثابت ہے اور بعض شہداء اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے اجسام کا موجود ہونا مشاہدہ سے ثابت ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ ان کی ارواح مبارکہ کا تعلق ان کے اجسام عنصریہ سے نہ ہو کیونکہ :۔ ؎

دل ہو اور اس میں درد محبت کہیں نہ ہو
غیرت کا ہے محل کہ مکاں ہو مکیں نہ ہو

(۴) ایک مقام پر طویل بحث کے ضمن میں یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ :۔

زیراکہ ارواح را تعلق بہ بدن خود کہ در قبر مدفون است البتہ میباشد زیراکہ مدت دراز دریں بدن بودہ اند۔
(فتاوی عزیزی ج ۱ ص ۱۲۲ طبع مجتبائی دہلی)

اس لیے کہ ارواح کا اپنے ابدان کے ساتھ جو قبر میں مدفون ہیں یقیناً تعلق ہوتا ہے کیونکہ مدت دراز تک وہ ارواح ان ابدان میں رہ چکی ہیں۔

یہ عبارت بھی اپنے مدلول کے لحاظ سے واضح ہے کہ ابدان کے ساتھ قبور میں ان کی ارواح کا تعلق ایک یقینی امر ہے اور ظاہر امر ہے کہ موت سے پہلے جن اجسام کے ساتھ ارواح کا تعلق تھا وہ تو اجسام عنصریہ ہی تھے نہ کہ مثالیہ اور اختراعیہ اور انہی اجسام کو قبور میں دفن کیا جاتا ہے اور انہی کے ساتھ ارواح کا تعلق بھی البتہ یقینی بات ہے

(۵) توسّل اور شفاعت باہل القبور کے سلسلہ میں بحث کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ :۔

وبالجملہ بعد ازاں کہ ثابت شد کہ روح باقی است و اورا تعلقے خاص باجزاء بدن بعد مفارقت ازوی و تغیّر کیفیّت وی نیز باقیست کہ بداں علم و شعور بزائران قبر و احوال ایشاں دارد و ارواح کُمّل کہ در حین حیات ایشاں بسبب قرب مکانت و منزلت از رب عزت کرامات و تصرفات و امداد داشتند بعد از ممات چوں ہماں قرب باقی اند نیز تصرفات دارند چنانچہ در حین تعلق کلی بجسد داشتند یا بیشتر ازاں انکار استمداد ازوچنیں صحیح نمی نماید مگر آنکہ از اول منکر

اور خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ روح باقی ہے اور اس کا ایک خاص تعلق اجزاء بدن کے ساتھ اس سے مفارقت اور تغیّر کیفیّت کے بعد بھی باقی ہے کہ اس تعلق کی وجہ سے اس میں علم و شعور پیدا ہوتا ہے جس سے قبر کی زیارت کرنے والوں اور ان کے احوال سے آگاہی ہوتی ہے اور کامل لوگوں کی ارواح جن کو اللہ تعالیٰ کے ہاں زندگی میں تقرّب و منزلت حاصل تھی اور کرامات و تصرفات و امداد کرتے تھے انکو بعد از وفات بھی یہ تقرب حاصل ہوتا ہے اور تصرفات کرتے ہیں جس طرح کہ وہ اس وقت کرتے تھے جب کہ ان کے ابدان کے ساتھ ارواح کا کلی تعلق تھا یا اس سے بھی بڑھ کر

شوند ای تعلق روح را بہ بدن بالکلیہ و بجمیع وجوہ بعد مفارقت وزوال علاقۂ حیاتے و آں خلاف منصوص است و برایں تقدیر زیارت و رفتن بقبور ہمہ لغو و بے معنی گردد و آں امرے دیگر است کہ عامۂ اخبار و آثار دال برخلاف آنست ونیست صورت استمداد مگر ہمیں کہ محتاج طلب کند حاجت خود از جناب عزت الٰہی بتوسل روحانیہ بندہ کہ مقرب و مکرم درگاہ والا است و گوید خداوندا ببرکت ایں بندہ کہ تو رحمت و اکرام کردۂ او را برآوردہ گرداں حاجت مرا یا ندا کند آں بندۂ مقرب و مکرم را کہ اے بندۂ خدا و ولی وے شفاعت کن مرا و بخواہ از خدا تعالیٰ مطلوب مرا تا قضا کند حاجت مرا پس نیست بندہ درمیان مگر وسیلہ و قادر و معطی و مسئول پروردگار است تعالیٰ شانہ و دروے ہیچ شائبۂ شرک نیست چنانچہ منکر وہم کردہ و آں چناں است کہ توسل و طلب دعا از صالحان و دوستان خدا در حالت حیات کند و آں جائز است باتفاق پس آں چرا جائز نباشد فرقے نیست در ارواح کاملان در حین حیات و بعد از ممات مگر بترقی کمال اھ (فتاوی عزیزی ج ۲ ص ۱۰۸ طبع مجتبائی دہلی)

امداد حاصل کرنے کا انکار کرنے کی کوئی صحیح وجہ معلوم نہیں ہوتی مگر یہ کہ پہلی بات سے انکار کر دیا جائے اور یہ کہا جائے کہ روح کا تعلق بدن سے بالکلیہ نہیں اور بدن سے مفارقت کے بعد تمام وجوہ سے زندگی کا تعلق زائل ہو چکا ہے اور یہ منصوص کے خلاف ہے اور اس تقدیر پر قبور کی زیارت اور وہاں جانا سب لغو اور بے معنی ہو جائے گا اور یہ ایک دوسری بات ہے کہ عام اخبار اور آثار اس کے خلاف ہیں اور مدد طلب کرنے کی صورت اس کے سوا کچھ نہیں کہ محتاج اپنی حاجت اللہ تعالیٰ سے طلب کرے اس روحانی توسل کے ذریعہ کہ مقبول بندہ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں حاصل ہے اور یوں کہے کہ اے پروردگار اس بندہ کی برکت سے جس پر تو نے رحمت و نوازش فرمائی ہے میری حاجت پوری کر یا یوں کہے کہ اے بندۂ خدا اور اللہ تعالیٰ کے ولی میرے حق میں سفارش کر اور اللہ تعالیٰ سے میرے لیے دعا کر کہ وہ میری حاجت کو پورا کر دے پس بندہ اس صورت میں صرف وسیلہ ہے اور قادر اور دینے والا اور جس سے سوال کیا گیا ہے صرف پروردگار ہے جل شانہ اور اس صورت میں شرک کا کوئی شائبہ موجود نہیں ہے جیسا کہ منکر کو وہم ہوا ہے اور اس قسم کا توسل اور طلب دعا صالحین اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے زندگی میں بالاتفاق جائز ہے پس بعد از وفات کیوں جائز نہیں؟ کیونکہ کامل لوگوں کی ارواح میں زندگی اور بعد از وفات بجز اس کے اور کوئی فرق نہیں کہ مرنے کے بعد ارواح کو ترقی ہوتی ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ روح کا وہ کلی تعلق جو جسم کے ساتھ دنیا میں تھا (یا قیامت کے دن ہوگا) اگرچہ موت کے بعد وہ تو باقی نہیں رہا مگر روح کا بدن سے بلکہ بدن کے اجزاء سے ایک ایسا تعلق بدستور باقی رہتا ہے

جس سے علم و شعور وغیرہ حاصل ہوتا ہے اور برعکس اس کے اگر یہ دعوےٰ کیا جائے کہ روح کا بدن کے ساتھ کسی قسم کا کوئی تعلق باقی نہیں رہتا تو یہ دعوےٰ خلافِ منصوص ہے اور ایک اور مقام پہ تحریر فرماتے ہیں کہ :۔

بالجملہ انکار شعور و ادراک اموات اگر کفر نباشد در الحاد بودن او شبہ نیست (فتاویٰ عزیزی ج ۱ ص ۸۸)

حاصل کلام یہ ہے کہ اگر اموات کے ادراک و شعور کا انکار کفر نہ ہو تو اس کے الحاد ہونے میں تو کوئی شبہ ہی نہیں ہے۔

تصویر کا دوسرا رُخ :۔ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب کی کتابوں میں ایسے الفاظ اور عبارتیں بھی ملتی ہیں جن سے نظر بہ ظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وفات کے بعد روح کا بدن سے تعلق نہیں رہتا اور عذاب و راحت روح کو حاصل ہے چنانچہ ایک مقام پہ لکھتے ہیں کہ :۔

معذب روح است نہ بدن تا بقائے بدن شرط تعذیب باشد (تفسیر عزیزی پارہ تبارک ص ۱۳۳ طبع لاہور)

سزا روح کو دی جاتی ہے نہ کہ بدن کو تاکہ بدن کا باقی رہنا سزا دینے کے لیے شرط ہو۔

اور ایک اور مقام پہ لکھتے ہیں کہ :۔

ارواح را بعد موت فنا نیست بلکہ انقطاع تعلق بہ بدن است الخ (فتاویٰ عزیزی ج ۲ ص ۱۰۵)

اور ارواح کے لیے موت کے بعد فنا نہیں بلکہ بدن سے انقطاعِ تعلق ہوتا ہے۔

اور ایک اور مقام پہ لکھتے ہیں کہ :۔

بلکہ تحقیق آنست کہ معنی حیات تعلق روح بہ بدن است و در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست بلکہ بقائے شعور و ادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودہ اند پس حمل حیات قبر بر مجازیت متعین است لاغیر۔ (تفسیر عزیزی ص ۱۶۰ بر حاشیہ قرآن کریم و تسکین القلوب ص ۹۳)

بلکہ تحقیق یہ ہے کہ حیات کا معنیٰ روح کا بدن سے تعلق ہے اور قبر میں اصلاً روح کا بدن سے یہ تعلق نہیں بلکہ شعور و ادراک بدن سے مفارقت کے بعد بھی روح میں باقی رہتا ہے اور اسی کو حیات سے تعبیر کرتے ہیں پس قبر کی حیات کو مجاز پہ حمل کرنا متعین ہے اس کے سوا کچھ نہیں۔

الجواب :۔ زیادہ قرینِ قیاس یہی بات ہے کہ ہم ان عبارات کو خود موصوفؒ کی اپنی عبارات کی روشنی میں حل کریں نہ یہ کہ ان میں رنگ و معنی اپنی طرف سے بھریں یہ بات تو ان کی سابق واضح عبارات میں گذر چکی ہے کہ آپ ارواح کا تعلق اجسام عنصریہ سے مانتے ہیں بلکہ اجزاء بدن کے بکھر جانے اور متفرق ہونے کے بعد بھی وہ روح کا جسم سے تعلق مانتے ہیں اور اسی ایک گونہ تعلق کی وجہ سے وہ عند القبور سفارش کے بھی قائل ہیں اور یہ سارا قصہ اس بدن

کا تسلیم کرتے ہیں جس بدن میں دنیا کے اندر روح رہ چکی ہے اور جو بدن قبر میں دفن کیا جاتا ہے اور اس بدن سے تعلق کے نہ ماننے کو خلاف منصوص فرماتے ہیں اس پوری بحث کو ملحوظ رکھنے کے بعد ان کی ان بالا (اور اسی مضمون کی دیگر) عبارات کے دو[۲] جواب ہیں۔ اول[۱] یہ کہ روح کا بدن کے ساتھ تعلق تین قسم کا ہے نباتی[۱]۔ نفسانی[۲] اور حیوانی[۳] نباتی کا یہ مطلب ہے کہ بدن اس تعلق سے بڑھتا ہے (اَنْبَتَهَا نَبَاتًا قرآن کریم کے الفاظ ہیں) اور اس تعلق کی وجہ سے بدن محتاج خوراک ہو اور حس و حرکت اس میں محسوس ہو اور یہ تعلق دنیا کی حقیقی حیات میں ہوتا ہے (یا قیامت کو ہوگا) بایں طور کہ روح بدن میں علیٰ وجہ الکمال والتمام داخل ہو کر بدن میں تصرف کرے کہ اس کی حرکات حس و مشاہدہ میں آسکیں اور بدن کی تدبیر کرے جس سے بدن جسمانی خوراک کا محتاج ہو اور اس خوراک کے بعد بدن میں نشوونما ہو جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا قبر میں اس قسم کا تعلق روح کا جسم سے نہیں ہوتا بلکہ وہاں تو فی الجملہ تعلق ہوتا ہے جس سے ادراک و شعور پیدا ہو اور جس سے راحت و الم محسوس ہو سکے اور اس تعلق کے لیے بدن کا صحیح و سلامت رہنا بھی کوئی شرط نہیں وہاں اگر کوئی بدن محفوظ ہو تو اس کا انکار بھی جہالت ہے۔ بلکہ بدن کے اجزاء پریشان اور ذرات سے بھی یہ تعلق قائم ہوتا ہے ہاں مگر روح کا بدن سے دنیوی خوراک حاصل کرنے اور نشوونما کے سلسلہ میں اصلاً اور بالکل کوئی تعلق نہیں ہوتا باقی ادراک و شعور والا تعلق بدستور ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرت شاہ صاحبؒ منکرین عذاب قبر کو جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

جوابش آنکہ در قبر احیاء و اماتت حقیقیہ نیست بسبب انعکاس اشعہ روح بر بدن تعلقے پیدا میشود کہ تغذیہ و تنمیہ بدن ہمراہ آں نمی باشد تا معنی حیات متحقق باشد بلکہ آں تعلق شبیہ است بہ تعلق عاشق بمعشوق یا مالک بمملوک یا صاحب خانہ بخانہ کہ آلۂ تعذیب و تنعیم میتواند شد

(تحفہ اثنا عشریہ ص ۲۸۲)

اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں زندہ کرنا اور مارنا حقیقی نہیں (بلکہ) بدن پہ روح کی شعاعوں کے عکس اور پرتو پڑنے کے سبب سے روح کا بدن کے ساتھ ایک تعلق پیدا ہو جاتا ہے کہ حاجت خوراک اور بدن کی نشوونما اس کے ساتھ نہیں ہوتی تاکہ (حقیقی) حیات کا معنی متحقق ہو بلکہ یہ تعلق اس تعلق کے مشابہ ہے جو تعلق عاشق کو معشوق سے یا مالک کو غلام سے یا صاحب خانہ کو گھر سے ہوتا ہے کہ یہ چیزیں عذاب و راحت پہنچانے کا آلہ ہیں۔

مطلب واضح ہے کہ قبر میں جو حیات حاصل ہوتی ہے وہ حقیقی اور کامل حیات نہیں جس میں روح کا بدن کے ساتھ ایسا تعلق ہو کہ خوراک (حسی) کی ضرورت ہو اور بدن میں نشوونما پیدا ہو بلکہ یہ تعلق صرف اس ڈھنگ کا ہے

کہ جس میں بدن روح کے لیے راحت وتکلیف کا آلہ بنے جیسے معشوق کی تکلیف سے عاشق کو اور مملوک کی اذیت سے مالک کو یا مثلاً گھر کے جل جانے کی وجہ سے صاحب خانہ کو تکلیف ہوتی ہے یہی حال روح وبدن کا ہے کہ اصل راحت وکلفت جو کچھ بھی ہے اور جتنی کچھ بھی ہے وہ تو روح کو ہے لیکن اس میں اس کا آلہ بدن ہے اور پھر آگے اسی بحث میں لکھتے ہیں ۔

واما عقلی پس گویند کہ سوال وجواب وتکلم ولذت والم وادراک ہمہ موقوف بر حیات است وحیات با فساد بنیہ وبطلان مزاج ممکن نیست پس ایں امور میت را ممکن نیست جوابش آنست کہ میت بایں معنیٰ بدن است نہ روح وفساد بنیہ وبطلان مزاج بر بدن واقع شدہ است نہ بر روح آرے روح را برائے تالّم وتلذذ جسمانی واعمال حواس تعلقے ببدن خودش یا ببدن دیگر مثالی ورا تعلق تدبیر وتصرف وتغذیہ وتنمیہ خواہند داد وحاصل آنکہ چوں روح از بدن جدا شد قوائے نباتی از وجدا میشود نہ قوائے نفسانی وحیوانی واگر وجود قوای نفسانی وحیوانی فیضاناً یا بقاءً مشروط باشد با وجود قوای نباتی ومزاج لازم آید کہ ملائکہ را شعور وادراک حسّی وحرکت وغضب ودفع منافر نباشد پس حال ارواح در عالم قبر مثل حال ملائکہ است کہ بتوسط شکلے وبدنے کار میکنند ومصدر افعال حیوانی ونفسانی میگردند بے آنکہ نفس نباتی ہمراہ داشتہ باشند الخ

(تحفۂ اثنا عشریہ صـ۲۸۴)

اور بہر حال عقلی طور پر وہ یوں اعتراض کرتے ہیں کہ سوال وجواب اور بولنا اور لذت اور دکھ اور ادراک وغیرہ تمام امور حیات پر موقوف ہیں اور حیات بدن کے فاسد ہو جانے اور مزاج کے باطل ہو جانے کے بعد ممکن نہیں ہے پس یہ امور میت کے لیے کیسے ممکن ہو سکتے ہیں؟

اس کا جواب یہ ہے کہ میت اس معنیٰ میں بدن ہے نہ کہ روح اور بدن کا فساد اور مزاج کا بطلان سب کچھ بدن پر واقع ہوتا ہے نہ کہ روح پر ہاں روح کا جسمانی دکھ اور لذت اٹھانے اور حواس کے اعمال کے لیے اپنے بدن کے ساتھ یا بدن مثالی کے ساتھ ایک تعلق ہوتا ہے لیکن یہ تعلق اس تعلق کے علاوہ ہے جس سے بدن کی تدبیر اور تصرف اور خوراک رسانی اور نشوونما ہو اور اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب بدن سے روح الگ ہو جاتی ہے تو نباتی (بڑھنے اور نشوونما والی) قوتیں اس سے جدا ہو جاتی ہیں نفسانی اور زندگی کی قوتیں اس سے جدا نہیں ہوتیں اور اگر نباتی قوتیں فیضان وبقا میں نفسانی اور حیوانی قوتوں کے لیے شرط ہوں تو لازم آئے گا کہ فرشتوں کو شعور وادراک حس وحرکت اور غصہ اور نفرتوں کو دور کرنے کا شعور نہ ہو سو روح کا عالم قبر میں وہی حال ہے جو فرشتوں کا ہے کہ کسی شکل اور بدن کے واسطہ سے کام کرتے ہیں اور ان حیوانی اور نفسانی افعال کے لیے صادر ہونے کی جگہ ہیں بغیر اسکے کہ نباتی نفس اپنے ساتھ رکھتے ہوں ۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحبؒ جسم سے روح کے جس تعلق کی نفی فرما رہے ہیں وہ تعلق نباتی ہے۔ نفسانی اور حیوانی کی نفی نہیں فرما رہے۔

دوم: حضرت شاہ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ جب تک بدن مادی اور عنصری موجود ہو تو اس وقت تک روح کا تعلق اسی سے قائم رہتا ہے لیکن جب بدن عنصری ہی قائم نہ رہے (مثلاً یہ کہ اس کو جلا کر راکھ کر دیا گیا ہو) تو اس صورت میں سزا و راحت روح کو ہوتی ہے اور اس خاص صورت میں روح کا بدن مثالی سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے اور اس صورت میں چونکہ مادی اور عنصری بدن ہی باقی نہیں رہا اس لیے روح کا اس سے سرے سے کوئی تعلق نہیں رہتا اور غالباً یہ ان اقوام کے بارے میں ہو سکتا ہے جن کو درندے وغیرہ کھا لیں یا جن کو جلا کر راکھ کر دیا جائے (گو اس راکھ کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ سے انسان بنا کر اس کے ساتھ روح کا تعلق قائم کر سکتا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم کی روایت میں تصریح ہے اور وہ اس کتاب کے ص۱۰۴ میں مذکور ہے) بخلاف ان اقوام کے جو مردوں کو دفن کرتی ہیں وہاں اور نہ سہی تو آدمی کی ریڑھ کی ہڈی کا نچلا حصہ جس کو حدیث میں عجب الذنب (دُم گزہ) سے تعبیر کیا گیا ہے وہ تو بہر حال قائم ہی رہتا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ بدن کے اجزاء کے تفرق کے بعد بھی روح کا تعلق ان سے مانتے ہیں۔ کما مرّ۔ چنانچہ وہ تصریح فرماتے ہیں کہ :-

واین ہم در صورتے است کہ آں بدن قائم باشد و مدفون والاّ عذاب و نعمت روح را است کہ نفس مجرد است و بدن حقیقی او روح ہوائی است و روح را تعلیق میکنند ببدنے دیگر از عالم مثال با مرکب از اجزاء جمادات بہیئتے و شکلے کہ بینندہ را امتیاز درمیان آں بدن و بدن دنیاوی حاصل نہ شود و این از باب تناسخ نیست زیرا کہ حقیقت تناسخ انتقال روح است از تدبیر بدنے بتدبیر بدنے دیگر بطریق تغذیہ و تنمیہ و این تعلیق محض است بنا بر ایلام و تلذیذ اھ

(تحفہ اثنا عشریہ ص۳۸۲)

اور یہ (تعلق روح کا بدن سے) بھی اس صورت میں ہے کہ بدن قائم ہو اور مدفون اور اگر ایسا نہیں تو عذاب و نعمت روح ہی کو ہے کیونکہ وہ نفس مجرّد ہے اور اس کا حقیقی بدن ہوائی روح ہے اور روح کا عالم مثال کے ایک اور بدن سے تعلق قائم کر دیا جاتا ہے جو اجزاء جمادات سے اس صورت و شکل سے مرکب ہے کہ دیکھنے والے کو اس بدن اور اس دنیوی بدن میں امتیاز حاصل نہیں ہوتا اور یہ تناسخ کی قسم سے نہیں ہے کیونکہ تناسخ کی حقیقت یہ ہے کہ روح ایک بدن کی تدبیر سے دوسرے بدن کی تدبیر کی طرف انتقال کرے لیکن بطور خوراک دینے اور نشو و نما کے اور یہ تعلق تو محض تکلیف اور لذت پہنچانے کے لیے ہے نہ کہ تدبیر کیلئے تو تناسخ کیسے ؟)

اس عبارت کے پیشِ نظر مطلب یہ ہو گا کہ جبتک مادی وعنصری بدن قائم ہے روح کا تعلق اس سے وابستہ رہتا ہے لیکن صرف نفسانی اور حیوانی درجہ میں نہ کہ نباتی حیثیت سے اور جب یہ بدن قائم نہ رہے تو پھر یہ تعلق بدن مثالی کے ساتھ قائم کر دیا جاتا ہے تو جہاں حضرت شاہ صاحبؒ یہ فرماتے ہیں کہ روح کا بدن سے سرے سے اصلاً کوئی تعلق نہیں اور روح کا تعلق بدن مثالی سے قائم کر دیا جاتا ہے تو یہ اس صورت سے مختص ہے جس میں بدن اصلی اور عنصری باقی نہ رہے۔

حضرت شیخ عبدالحق الدھلوی الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ حضرات علماء نے

واختلاف کردہ اند کہ عذاب در قبر بزندہ گردانیدن یت است یا در مقابلہ داشتن روح باوے یا بنوعی دیگر کہ پروردگار تعالیٰ خواہد وما را بدریافتِ کہ حقیقت آں راہ نباشد وحق آنست کہ باحیاء است چنانکہ ظاہر احادیث دال است براں اھ

شعة اللمعات باب اثبات عذاب القبر ج ۱ ص ۱۲ طبع نولکشور لکھنؤ)

اس میں اختلاف کیا ہے کہ عذاب قبر مُردہ کو زندہ کر کے دیا جاتا ہے یا روح کو اسکے مقابل رکھکر (اس کی شعاعوں سے) اس میں حیات پیدا کر کے یا کسی اور نوع سے جس کو پروردگار ہی جانتا ہے؟ اور ہمارے لیے اس کی حقیقت کی تہ تک پہنچنے کی کوئی راہ نہیں ہے اور حق یہ ہے کہ زندہ کر کے اسے عذاب دیا جاتا ہے جیسا کہ احادیث کا ظاہر اس پر دال ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانیؒ سے سوال ہوا۔

وسُئل عن الروح هل تلبس حينئذٍ الجثة كما انت فاجاب نعم لكن ظاهر الخبر انها تحل فی نصفه الاعلى انتهٰى

(شرح الصدور ص ۶۰ طبع مصر)

کہ (عذاب وراحت کے وقت) روح کا جسم سے کوئی تعلق ہوتا ہے جیسا کہ (زندگی میں) تھا؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہاں تعلق ہوتا ہے لیکن ظاہر حدیث اس کو چاہتی ہے کہ روح نصف اعلیٰ میں داخل ہوتی ہے (کیونکہ دل اور دماغ وغیرہ جو محل علم وشعور اور فہم وخطاب ہیں اسی نصف اعلیٰ میں ہوتے ہیں) اس پر حضرت ملا علی ن القاریؒ کی گرفت بھی اسی کتاب میں مذکور ہے۔

الغرض حضرت براءؓ بن عازبؓ کی مذکور حدیث میں عود الروح الی البدن کے ساتھ قبر میں جو حیات ثابت ہے وہ حق اور صحیح ہے لیکن دنیوی زندگی کی طرح محسوس حیات نہیں بلکہ نوع من الحیوٰۃ ہے اور ایسی حیات کے تسلیم کرنے سے قرآن کریم کی کسی نص کی مخالفت لازم نہیں آتی اور نہ یہ حیات کسی دیگر عقلی اور نقلی دلیل کے خلاف ہے یہ علامہ ابن حزم اور ابن میسرہؒ وغیرہ کی کوتاہ فہمی کا نتیجہ ہے کہ وہ اس کو نصوص قرآنیہ کے خلاف سمجھتے ہیں اور

یہ مخالفت محض ان کے اذہان تک محدود ہے خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں۔

ع یہ اپنی حد نظر ہے کسی کی دید کہاں۔

ہاں بعض حضرات کا یہ نظریہ بھی ہے کہ نکیرین کے سوال کے وقت روح بدن میں لوٹائی جاتی ہے پھر بلا تکلیف نکال لی جاتی ہے لیکن معہذا میت میں ایسا ادراک و شعور باقی رہتا ہے کہ جب بھی کوئی اس کی زیارت کو آتا ہے تو وہ اس کو (اس کے سلام و کلام کے لب و لہجہ سے) پہچان لیتی ہے۔

چنانچہ حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں۔

المنکر والنکیر یأتیان المیّت فیرسل فی ذٰلك المیّت الروح ثم یقعد فاذا سُئِل رُسلت روحه بلا الم ونؤمن بان المیّت یعرف من یزوره اذا اتاه وآکده یوم الجمعة بعد طلوع الفجر قبل طلوع الشمس۔

(تحریرات حدیث ص۲۵۷)

منکر و نکیر میت کے پاس آتے ہیں تو اس میت میں روح ڈال دی جاتی ہے پھر اس کو بٹھایا جاتا ہے جب اس سے سوال ہو چکتا ہے تو اس کی روح بلا تکلیف کے نکال لی جاتی ہے اور ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ جب میت کے پاس کوئی شخص زیارت کرنے کو آتا ہے تو وہ اس کو پہچان لیتی ہے خصوصا جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد اور طلوع آفتاب سے پہلے۔

قارئین کرام! آپ اس مفصل اور مدلل باحوالہ بحث سے بخوبی یہ معلوم کر چکے ہیں کہ قبر میں نکیرین کے سوال کے وقت اور اسی طرح قبر کی راحت و عذاب کے سلسلہ میں جمہور فقہاءؒ اور متکلمینؒ کے نزدیک روح کا بدنِ مادی اور عنصری سے باقاعدہ تعلق اتصال اور ربط ہوتا ہے اگرچہ اس کے اجزاء ریزہ ریزہ اور ذرہ ذرہ ہو کر بکھر جائیں اور بقول علامہ آلوسیؒ ایک جزو مشرق میں اور دوسری مغرب میں چلی جائے اور روح کا بدن سے یہ اتصال علم۔ ادراک اور شعور تک ہی محدود رہتا ہے جسم میں تدبیر اور جسم کے نشو و نما سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ دنیا میں ہوتا تھا اور سابق پیش کردہ حوالے اس کا واضح اور بیّن ثبوت ہے۔ بشرطیکہ کوئی حکم ربّانی کی اتباع کرنا چاہے۔ ؎

بقائے دائمی کا لطف ہوتا ہے اُسے حاصل
ضروری جس نے سمجھا اتّباعِ حکمِ ربّانی

باب سوم

آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ حضرت براءؓ بن عازبؓ کی روایت کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور یہ روایت مام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کی شرط پر صحیح ہے اور سو فیصدی حضرات محدثین کرامؒ اس کو صحیح کہتے ہیں اور عذاب قبر اور راحت قبر اور نکرین کے سوال کے سلسلہ میں اس روایت کو اہل السنت والجماعت کے استدلال کی بنیاد قرار یتے ہیں اور مبتدعین کے خانہ ساز عقائد کے قلع قمع کے لیے اس کو حجت قاطعہ سمجھتے ہیں۔ ضرورت تو نہیں کہ اس حدیث کے بعد کسی اور حدیث کا تذکرہ کیا جائے۔ مگر ہم محض تکمیلِ بحث کے لیے اس حدیث کے تین شاہد عرض کرتے یں جن کو امام قرطبیؒ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ وغیرہ نے حضرت براءؓ کی مذکور حدیث کی تائید و تقویت کے لیے پیش کیا ہے۔

شاہد اوّل

حافظ ابن القیمؒ، امام ابو عبداللہ عبدالرحمٰن ابن مندہؒ (المتوفی ۴۷۰ھ) جو المحدث۔ الحافظ اور العالم تھے کے والے سے سند کے ساتھ حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ سے روایت نقل کرتے ہیں جس کے آخر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بھی ہے کہ:۔

ثـ يقول لهٰذه النفس الطيبة ادخلوها جنة وأروها مقعدها من الجنة واعرضوا عليها ما اعددت لها من الكرامة والنعيم ثـم ذهبوا بها الى الارض فانى قضيت انى نها خلقتهم وفيها اعيدهم ومنها اخرجهم

پھر اللہ تعالیٰ اس پاکیزہ روح کے بارے میں فرماتا ہے کہ اس کو جنت میں داخل کر دو اور اس کا وہ ٹھکانا جو جنت میں ہے اس کو دکھا دو اور اس پر عزت اور خوشی کی وہ چیزیں پیش کرو جو میں نے اس کے لیے تیار کی ہیں پھر اس کو زمین کی طرف لیجاؤ کیونکہ میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ میں نے

تارةً اُخریٰ فوالذی نفس محمد بیدہ لھی اشد کراھیہ للخروج منھا حین کانت تخرج من الجسد وتقول این تذھبون بی الی ذالک الجسد الذی کنت فیہ ؟ قال فیقولون انا مأمورون بھذا فلا بدلک منہ فیھبطون بہ علی قدر فراغھم من غسلہ واکفانہ فیدخلون ذلک الروح بین جسدہ واکفانہ ۔ فدل ھذا الحدیث ان الروح تعاد بین الجسد والاکفان وھذا عود غیر التعلق الذی کان لھا فی الدنیا بالبدن وھو نوع آخر اھ

(کتاب الروح ص۶۱ و ص۶۲)

جس طرح انکو زمین سے پیدا کیا ہے، اسی طرح ان کو زمین کیطرف لوٹاؤنگا اور اسی سے انکو نکالوں گا سو اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی جان ہے البتہ وہ روح وہاں سے نکلنے کو اتنا ہی ناپسند کرتی ہے جتنا اس نے جسم سے نکلنے کو ناپسند کیا تھا اور وہ روح کہتی ہے کہ مجھے کہاں لے جاتے ہو؟ کیا اس جسم کی طرف لیجاتے ہو جس میں میں تھی؟ آپ نے فرمایا کہ وہ فرشتے کہتے ہیں ہمیں یہی حکم ملا ہے اور تیرے لیے اس سے کوئی چارہ نہیں، پس اس کو نیچے اُتار لاتے ہیں اس اثناء میں لوگ میّت کے غسل اور کفن سے فارغ ہو چکتے ہیں پس وہ فرشتے اس کی روح کو اس کے جسم اور کفن میں داخل کر دیتے ہیں۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ روح جسم اور کفن کے اندر لوٹا دی جاتی ہے لیکن یہ لوٹانا اس تعلق کے علاوہ ہے جو روح کا جسم سے دنیا میں تھا بلکہ یہ ایک اور نوع کا تعلق ہے"

حضرت عبداللہ رضؓ بن عباسؓ کی یہ روایت بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے لیکن بقول حافظ ابن القیمؒ یہ اعادہ اور تعلق اس طرح کا نہیں جس طرح کہ دنیا میں تھا بلکہ اس کی نوعیّت جدا ہے اور اس حدیث سے بھی ثابت ہوا کہ جسد سے جسد مثالی مُراد نہیں بلکہ وہ جسد مراد ہے جس میں دُنیا میں روح تھی اور وہ یقیناً جسم عنصری اور مادی ہے مثالی ہرگز نہیں اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ میّت کے غسل اور کفن پہنانے کے وقت تک روح اس کے کفن اور جسم کے درمیان تک لوٹا دی جاتی ہے اور حضرت براءؓ کی سابق حدیث کے مطابق جب مُردہ کو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو اس کی روح اس کے بدن کی طرف لوٹا دی جاتی ہے۔ جس سے اس کو سوال نکرین کے وقت فہم و شعور حاصل ہو جاتا ہے گویا تدریجاً تدریجاً باذن خداوندی روح یہ مراحل طے کرتی ہے۔

شاہد دوم

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ مسند احمد وغیرہ کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مومن اور کافر کی روح کے اخراج کے بارے میں تفصیل بیان

فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ مومن کی روح کے لیے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اس کو تقرب خداوندی حاصل ہوتا ہے اور کافر کی روح کے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے آخر میں فرمایا کہ:۔

فترسل بین السماء والارض فتصیر الی قبرہ فیجلس الرجل الصالح فی قبرہ غیر فزع الحدیث	سو اس کی روح آسمان و زمین کے درمیان ارسال کی جاتی ہے پس وہ قبر میں پہنچ جاتی ہے تو نیک آدمی اپنی قبر میں بلا کسی خوف و گھبراہٹ کے بیٹھ جاتا ہے۔

(شرح حدیث النزول ص۵ و کتاب الروح ص۶)

ان حضرات نے یہ حدیث ان الفاظ سے نقل کی ہے لیکن مسند احمد ج ۲ ص ۳۶۴ میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے فترسل من السماء ثم تصیر الی القبر فیجلس الرجل الصالح الحدیث یعنی اس کی روح آسمان سے نیچے چھوڑ دی جاتی ہے تو پھر وہ قبر کی طرف رجوع اور میلان کرتی ہے پس نیک آدمی کو بٹھایا جاتا ہے۔

اس روایت کے متعلق حافظ ابن تیمیہؒ اور علامہ ابن القیمؒ دونوں لکھتے ہیں کہ:۔

وقال الحافظ ابو نعیم الاصفہانی ہذا حدیث متفق علی عدالۃ ناقلیہ اھ	حافظ ابو نعیم الاصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے تمام رواۃ کی عدالت حضرات محدثین کرامؒ کے نزدیک ایک اتفاقی امر ہے۔
(شرح حدیث النزول ص۵ و کتاب الروح ص۶)	

اِس روایت سے بھی معلوم ہوا کہ روح کا تعلق بدن کے ساتھ قبر میں قائم کر دیا جاتا ہے اور اس تعلق کی وجہ سے سوالِ قبر اور باقی اُمور انجام پذیر ہوتے ہیں۔

شاہد سوم

امام قرطبیؒ، حافظ ابو نعیمؒ کے حوالہ سے حضرت جابرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالے علیہ وسلم نے مومن اور کافر کی موت کا اور ان کی ارواح کے اخراج کا تذکرہ فرمایا اس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔

حتیٰ یدخل حفرتہ، وترد الروح الی جسدہ الحدیث (مختصر تذکرۂ قرطبیؒ ص۲۳ طبع مصر)	یہاں تک کہ مُردہ کو اس کی قبر میں داخل کیا جاتا ہے اور اس کی روح اس کے جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

حضرت عبد اللہؓ بن عباسؓ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت جابرؓ کی یہ مرفوع روایتیں جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان پاک سے صادر ہوئی ہیں، حضرت براءؓ بن عازبؓ کی سابق حدیث کی مؤید ہیں ان تمام روایات میں اس کی تصریح موجود ہے کہ قبر میں مُردہ کی طرف اس کی روح لوٹائی جاتی ہے اور منکرین کے

سوال اور عذابِ قبر اور راحتِ قبر میں جسم کی روح سے مشارکت ہوتی ہے یہ جملہ امور نہ تو صرف بدن سے متعلق ہوتے ہیں اور نہ محض روح سے بلکہ دونوں سے وابستہ ہوتے ہیں اور جمہور اہل السنت والجماعت کا یہی مسلک ہے اور یہی حق اور صحیح ہے جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وغیرہ کے حوالوں سے آپ معلوم کر چکے ہیں یہ کہنا کہ اعادۂ روح الی الجسد کا کوئی ثبوت نہیں یا اس کے ثبوت پر کوئی روایت موجود نہیں سراسر باطل اور محض خود فریبی ہے اور دلائل صحیحہ اس بے بنیاد نظریہ کے خلاف ہیں اور براہین واضحہ کی رہنمائی سے یہ باطل نظریہ یکسر محروم ہے اور

جو قافلہ بے خضر سرِ راہ گزر ہے　　ہر گام پہ وہ ٹھوکریں کھاتا ہی رہے گا ؎

اس لیے ضروری ہے کہ صحیح حدیث اور حضرات سلف صالحینؒ کے ذکر کردہ زرّیں اقوال کو اپنا مشعلِ راہ بنایا جائے اور اسی کے دامنِ تحقیق سے وابستہ رہ کر حق کا ساتھ دیا جائے اور اسی میں اپنی دنیوی اور اخروی کامیابی کا راز سمجھا جائے بھلا غور فرمائیے کہ حدیث اور حضرات سلفؒ کی تحقیق سے اعراض و اغماض کر کے حق کہاں مل سکتا ہے؟ اور نجات کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ ہر مسلمان کو حق کا دلدادہ بنائے اور حق ہی اس کا اوڑھنا اور بچھونا ہو آمین ثم آمین۔ حق پر قائم رہنا ہی مومن کے امتحان و آزمائش کا معیار ہے۔ ؎

خدا دے کر مصائب بس اسی کو آزماتا ہے　　کرانا ہے وہ جن سے دینِ قیّم کی نگہبانی

باب چہارم

اس باب میں بعض حضرات ائمہ دینؒ، محدثینؒ، متکلمینؒ اور فقہاء کرامؒ کی بعض عبارتیں عرض کی جاتی ہیں ے قبر میں اعادۂ روح کے بارے میں حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اہل السنت کا منصور مسلک واضح ے واضح تر ہو جاتا ہے جس میں کسی منصف مزاج کو شک و شبہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، امام الائمہ حضرت وحنیفہ نعمانؒ بن ثابتؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وعادة الروح الی العبد فی قبرہ حق۔

قبر میں روح کا بندے کی طرف لوٹایا جانا حق ہے۔

قہ الاکبر مع الشرح لعلی ن القاریؒ ص۱۲۰

طبع کانپور)

اس کی شرح میں حضرت ملا علی ن القاری الحنفی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) ارقام فرماتے ہیں کہ:۔

وعادة الروح ای ردّھا او تعلقھا الی العبد
ی جسدہ بجمیع اجزائہ او ببعضھا مجتمعة
متفرقة فی قبرہ حق اھ (ص۱۲۰)

اور روح کا لوٹانا یعنی اس کا مکمل طور پر رد کرنا یا اس کا تعلق بندے کی طرف یعنی اس کے جسم کی طرف تمام اجزاء بدن میں یا بعض میں عام اس سے کہ اس کے اجزاء مجتمع ہوں یا متفرق اس کی قبر میں حق ہے۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں۔

علم ان اھل الحق اتفقوا علی ان اللہ یخلق
لمیت نوع حیوٰة فی القبر قدر مایتألم و

تو جان لے کہ اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ قبر میں میت کے اندر ایک گونہ زندگی پیدا کر دیتا ہے جس سے

يتلذذ ولكن اختلفوا في انه هل يعاد الروح اليه؟ والمنقول عن ابي حنيفة التوقف الا ان كلامه هٰهنا يدل على اعادة الروح اذ جواب الملكين فعل اختياري فلا يتصور بدون الروح اھ (شرح فقه اكبر ص۱۲۱)

وہ تکلیف اور لذّت محسوس کرتا ہے لیکن اس میں اختلاف ہے کہ کیا روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے؟ امام صاحب سے اس سلسلہ میں توقّف نقل کیا گیا ہے لیکن ان کا کلام اس جگہ اعادہ روح پر دلالت کرتا ہے کیونکہ فرشتوں کو جواب دینا ایک اختیاری فعل ہے اور بدون روح کے اس کا تصوّر نہیں ہو سک

اعادۂ روح کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ روح کا تعلق بحالہٖ جسم سے ہو جیسا کہ دُنیا میں تھا یا آخرت میں ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے اگر حضرت امام صاحبؒ سے توقف کا قول کسی معتبر طریقہ سے ثابت ہے تو اس سے یہی پہلی صورت مراد ہوگی اور پہلے امام نوویؒ کے حوالہ سے عرض کیا جا چکا ہے کہ حق یہ ہے کہ قبر میں اعادۂ روح کی یہ صورت نہیں ہو اور دوسری صورت یہ ہے کہ اعادۂ روح سے فی الجملہ تعلق مراد ہو جیسا کہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور حافظ ابن القیمؒ کی صر عبارات کے حوالہ سے یہ بات پہلے نقل کی جا چکی ہے اور یہ اعادہ صحیح اور صریح احادیث سے ثابت ہے اس میں کوئی شک نہیں اور حضرت امام ابو حنیفہؒ نے خود اپنی کتاب "فقہ الاکبر" میں اس اعادۂ روح کی تصریح کر دی ہے لہٰذا اس نقد کے ہوتے ہوئے توقف کے اُدھار کو کون مانتا ہے؟ علاوہ ازیں بہت ممکن ہے کہ امام صاحبؒ کا توقف روح کے اعادہ اور عدم اعادہ سے متعلق نہ ہو بلکہ یہ توقف کل بدن یا بعض بدن کے متعلق ہو چنانچہ ملا علی القاری لکھتے ہیں کہ:

ولعل توقف الامام في ان الاعادة متعلق بجزء البدن او كله اھ (مرقات جلد ۱ ص۱۹۸)

اور شاید کہ امام صاحبؒ کا توقف اس بارے میں ہو کہ اعادہ جزء بدن سے متعلق ہے یا کل بدن سے؟

رہا یہ شُبہ کہ فقہ اکبر تو امام صاحبؒ کی تصنیف ہی نہیں جیسا کہ بعض حضرات کو یہ مغالطہ ہوا ہے تو یہ نرا شبہ ہے کی تاریخ کی واضح شہادتیں اس پر قائم ہیں اور علماء اسلام کا جمّ غفیر اس بات کو تسلیم کر چکا ہے کہ فقہ اکبر حضرت امام صاحب کی تصنیف ہے اس لیے یہ شبہ بھی کوئی معنٰی اور وزن نہیں رکھتا۔ مقدمہ البیان الازہر میں ہم نے اس پر بقدر ضرورت بحث کر دی ہے یہ معتزلہ کے مخترعات میں سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ الفقہ الاکبر امام صاحبؒ کی نہیں بلکہ ابو حنیفہ البخ کی ہے (مفتاح السعادۃ ج ۲ ص ۲۹) غرضیکہ قبر میں اعادۂ روح کے بارے میں حضرت امام ابو حنیفہؒ کا یہ حوالہ صحیح اور نص صریح ہے لا

امام اہل سنت حضرت امام احمد بن حنبلؒ (المتوفی ۲۴۱ھ) اپنی کتاب الصلوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

والايمان بالحوض والشفاعة والايمان بمنكر و

حوض کوثر، شفاعت، منکر و نکیر، عذاب قبر، ملک الموت

نکیر وعذاب القبر والایمان بملك الموت بقبض الارواح ثم ترد فی الاجساد فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحید۔ اھ

(کتاب الصلوٰۃ ص۵۳ طبع قاھرہ)

کے ارواح کو قبض کرنے پھر ارواح کے قبروں میں جسموں کی طرف لوٹائے جانے پر ایمان لانا ضروری ہے اور اس پر بھی ایمان لانا لازم ہے کہ قبر میں ایمان و توحید کے بارے میں سوال ہوتا ہے۔

ان صریح عبارات سے معلوم ہوا کہ قبر میں عود الروح الی الجسد کا عقیدہ صرف بعد کے مقلدین حضرات ہی کا اختیار کردہ نہیں بلکہ حضرات ائمہ اربعہؒ میں سے حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ بھی صاف لفظوں میں اس کا اقرار کرتے ہیں ان میں سے ایک بزرگ اس کو حق اور دوسرے ایمان سے تعبیر کرتے ہیں قطع نظر صحیح احادیث کے علماء احناف کے لیے تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کا ارشاد بھی کافی تھا، حالانکہ یہ مسئلہ نرے اجتہاد پر مبنی نہیں بلکہ اس کی بنا صحیح اور صریح احادیث پر ہے جیسا کہ آپ ملاحظہ کر چکے ہیں اگرچہ حضرت امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کی اس بارے میں صراحت نظر سے نہیں گذری لیکن صحیح اور صریح حدیث کے خلاف کب وہ نظریہ قائم کر سکتے تھے لہٰذا ان کی تحقیق بھی یہی سمجھنی چاہیئے کہ اعادہ روح حق ہے۔

حضرت امام محی الدین یحییٰؒ بن شرفؒ بن حسن۔ النووی الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۶۷۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

اعلم ان مذھب اھل السنة اثبات عذاب القبر وقد تظاھرت علیه دلائل الکتاب و السّنة قال الله تعالیٰ النّار یعرضون علیھا غدوا وعشیًا الآیة و تظاھرت به الاحادیث الصحیحة عن النبی صلی الله علیه وسلّم من روایة جماعة من الصحابةؓ فی مواطن کثیرة ولا یمتنع فی العقل ان یعید الله تعالیٰ الحیٰوة فی جزء من الجسد ویعذبه واذا لم یمنعه العقل وورد الشرع به وجب قبوله واعتقاده الیٰ ان قال ثم المعذب عند اھل السّنة الجسد بعینه او بعضه بعد اعادة الروح

تو جان لے کہ اہل السنت والجماعت کا مذہب یہ ہے کہ قبر کا عذاب حق ہے اور اس پر کتاب و سنت کے روشن دلائل ثابت ہیں مثلاً قرآن کریم میں ہے کہ آل فرعون صبح و شام آگ پر پیش کئے جاتے ہیں اور بہت سے مقامات پر حضرات صحابہ کرامؓ کی خاصی جماعت نے آنحضرت صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم سے اس پر صحیح احادیث بھی روایت کی ہیں اور عقل بھی اس کو ممتنع نہیں سمجھتی کہ اللہ تعالیٰ جسم کی کسی جزء میں زندگی لوٹائے اور اس کو سزا دے اور جب عقل بھی اس کو ممتنع نہیں سمجھتی اور شرع میں بھی اس کا ثبوت ہے تو اس کو قبول کرنا اور اس پر اعتقاد کرنا واجب ہے پھر آگے فرمایا کہ پھر اہل السنّت کے نزدیک بعینہٖ جسد

اليه اوالى جزأ منه وخالف فيه محمد بن جرير وعبد الله بن كرام وطائفة فقالوا لا يشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون فى الحى قال اصحابنا ولا يمنع من ذلك كون الميّت قد تفرقت اجزاءُه كما نشاهده فى العادة اواكلته السباع اوحيتان البحراونحو ذلك فكما ان الله تعالى يعيده للحشر وهو سبحانه وتعالى قادر على ذلك فكذا يعيد الحيوة الى جزء منه وان اكلته السباع والحيتان اھ

(شرح مسلم جلد ۲ صـ ۳۸۵ و صـ ۳۸۶)

عنصری یا اس کی جزء کو سزا دی جاتی ہے اور اس میں محمد بن جریر اور عبداللہ بن کرام اور ایک گروہ مخالف ہے وہ کہتے ہیں کہ عذاب کے لیے اعادۂ روح شرط نہیں ہے لیکن ہمارے اکابر کہتے ہیں کہ یہ بالکل باطل ہے کیونکہ درد اور اس کا احساس زندہ ہی کو ہو سکتا ہے اور ہمارے بزرگ ہی فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی ممانعت نہیں کہ میّت کے اجزاء بکھر جائیں جیسا کہ عادۃً ہم اس کا مشاہدہ کرتے ہیں یا اس کو درندے کھا جائیں یا مچھلیاں ہڑپ کر جائیں یا اسی طرح کی کوئی اور صورت پیش آجائے تو جیسے کہ اللہ تعالیٰ میدان محشر میں جسم کو لوٹانے پر قادر ہے، اسی طرح جسم کی کسی جزء میں زندگی لوٹانے پر بھی قادر ہے اگرچہ اس کو درندے اور مچھلیاں کھا جائیں

تنبیہ

محمد بن جریر سے اس مقام پر وہ محمدؒ بن جریر طبریؒ مراد نہیں جو مشہور مفسر، محدث اور مؤرخ تھے، جن کی وفات سنہ ۳۱۰ھ میں ہوئی بلکہ یہ محمد بن جریر طبری کرامی ہے جو کرّامیہ فرقہ کا روح رواں تھا (ملاحظہ ہو۔ عبدالحکیمؒ علی الخیالی صـ ۱۱۸)

محمد بن جریر الطبریؒ کے بارے میں مؤلف ندائے حق صـ ۲۱۶ میں مستقل عنوان قائم کرکے لکھتے ہیں کہ ابن جریر دو ہیں ایک سنّی دوسرا شیعہ یہ تیسرا کرّامی کہاں سے نکل آیا؟ یہ آپ کی تحریر سے معلوم ہوا پھر اس کی وفات کی تعیین کیوں نہیں؟ جناب یہ محمد بن جریر سُنّی ہیں نبراس صـ ۲۲۳ میں ہے واجاب الصالحی من المعتزلة وبعض الكرّاميّة والامام ابن جرير الطبري من اهل السنة بان الميّت يعذب بعذاب بلا حياةٍ وقال المحققون هذه سفسطة اور نظم الفرائد حاشیۂ شرح عقائد نسفیہ صـ ۱۷۴ میں مرقوم ہے وذهب الصالحی من المعتزلة وابن جرير وطائفة من الكراميّة الى انه بلا احياء الميّت اور خیالی ہیں وابن جریر الطبری کے بعد وطائفة کا لفظ کاتب سے رہ گیا ہے اور خیالی پڑھنے والے پر مخفی نہیں کہ کئی جگہ متن اور حاشیہ میں غلطیاں ہیں جو کاتب کی بے پرواہی سے ہوگئی ہیں اور ہر کتاب

میں ہوتی ہیں کوئی کتاب غلطیوں سے خالی نہیں (محصلہ)

الجواب: ابن جریر کرّامی کا ذکر راقم نے از خود نہیں کیا بلکہ فاضل اجل نکتہ رس محقق عالم حضرت مولانا محمد عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی رح (المتوفی ۱۰۶۷ھ) کے حوالہ سے کیا ہے جنکو علماء کرام اور خصوصاً مدرسین حضرات بخوبی جانتے ہیں بلاشبہ کاتب بھی انسان ہوتے ہیں اور ان سے کتابت میں غلطیاں بھی ہو جاتی ہیں اور عبارات بھی چھوٹ جاتی ہیں جیسا کہ ابن کثیر کے ایک نسخہ میں ایک عبارت چھوٹ گئی ہے اور باقی نسخوں میں موجود ہے کما مرّ لیکن غلطی کی نشاندہی کے لیے بھی دلیل درکار ہوتی ہے محض دعویٰ سے کچھ نہیں بنتا ہاں صاحب نبراس نے امام ابن جریر الطبری کو اس مقام پر من اہل السنۃ لکھا ہے اور صاحب نبراس حضرت مولانا عبدالعزیز فرہارویؒ بڑے ذہین وسیع النظر اور مصنف عالم تھے مگر مَنْ ذَا سَلِمَ مِنَ الوَہْم۔ وہم سے کون بچا ہے؟ یہ ان کا وہم ہے محمد بن جریر سے اس مقام میں ابن جریر سُنّی مراد نہیں بلکہ یہ کرّامی ہی ہے اور اس میں حضرت مولانا سیالکوٹی کی رائے درست ہے راقم کے پیش نظر الخیالی کے دو نسخے ہیں اور دونوں میں الکرامی کا لفظ موجود ہے آپ نے تمام دنیا کے ابن جریر نامی راویوں کا تھوڑا ہی احاطہ کر لیا ہے کہ یہ الکرامی آپ کے لیے کوئی نرالی بات ہو علم بڑا وسیع ہے یہ نہیں کہ جس چیز کا علم مجھے اور آپ کو نہ ہو تو وہ ہوتی ہی نہیں یقین جانیئے یہ ابن جریر سُنّی نہیں ہیں اس لیے کہ محمد بن جریر الطبری سُنّی اپنی مشہور تفسیر ابن جریر میں يُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ الآیۃ کی تفسیر میں پُرزور دلائل سے قبر میں مُردہ کے لیے اعادۃ الروح الی الجسد کے طور پر حیات ثابت کرتے ہیں اور حضرت براءؓ بن عازبؓ کی روایت سند کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے

وذكر قبض روح المؤمن فتعاد روحه في جسده ويأتيه الملكان فيجلسانه في قبره فيقولان من ربك الحديث	مومن کی روح کے قبض کرنے کا ذکر فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ پھر اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اس کو قبر میں بٹھاتے ہیں سو وہ کہتے ہیں تیرا رب کون ہے؟
(تفسیر ابن جریر ج ۱۳ ص ۲۱۴)	

پھر اس کی چار سندیں اور بیان کی ہیں پھر ص ۲۱۷/۱۳ میں الگ سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے اور پھر ص ۲۱۸/۱۳ میں الگ سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے جس میں آتا ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم وذكر الكافر حين تقبض روحه قال فتعاد روحه في جسده الحديث	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کافر کی روح کے قبض کرنے کے سلسلہ میں فرمایا پس اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے

اور ان روایات کو نقل کر کے وہ قبر میں حیات ثابت کرتے ہیں اور حیات بھی بایں طور کہ روح کا جسم کی طرف اعادہ ہوتا ہے اس کے برعکس ایک حوالہ بھی انہوں نے ایسا نقل نہیں کیا جس سے یہ ثابت ہو کہ قبر میں روح کا جسم سے کوئی تعلق نہیں ہوتا جیسا کہ کرّامیہ کا مذہب ہے پھر کیسے اس سُنّیؒ مفسّرؒ کو محض اپنی ہوائے نفسانی کے تحت بیک جنبش قلم کرّامی سمجھ لیا جائے اور کرامی کو سُنّیؒ بنا دیا جائے یہ بات بھی طلبہ کرام سے مخفی نہیں کہ وطائفة کا لفظ واو عطف کے ساتھ لفظ ابن جریرؒ پر عطف بھی ہو لہٰذا اس کے چھوٹ جانے سے بھی ابن جریرؒ کا تسنّن ہونا ثابت نہیں ہوتا جیساکہ ظاہر ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی الشافعیؒ (المتوفی سنہ ۸۵۲ھ) لکھتے ہیں کہ:-

وقد اخذ ابن جرير وجماعة من الكرّامية من هذه القصة ان السوال فى القبر يقع على البدن فقط وان الله تعالى يخلق فيه ادراكاً بحيث يسمع ويعلم ويلذّ ويألم وذهب ابن حزم وابن هبيرة[1] الى ان السوال يقع على الروح فقط من غير عود الى الجسد وخالفهم الجمهور فقالو اتعاد الروح الى الجسد اوبعضه كماثبت فى الحديث ولوكان على الروح فقط لم يكن للبدن بذٰلك اختصاص ولايمنع من ذلك كون الميّت قدتتفرق اجزاءُه لان الله تعالى قادر على ان يعيد الحيواة الى جزء من الجسد ويقع عليه السوال كما هو قادر على ان تجمع اجزائه' والحامل للقائلين

بے شک اس واقعہ سے ابن جریرؒ اور کرّامیّہ کی ایک جماعت نے یہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس بدن میں ایسا ادراک پیدا کر دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ سنتا اور جانتا اور لذت اور درد محسوس کرتا ہے اور ابن حزمؒ اور ابن ہبیرہؒ کا مذہب یہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسم کی طرف نہیں لوٹائی جاتی لیکن جمہور ان کی مخالفت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض حصہ کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ حدیث سے ثابت ہے اور اگر یہ کارروائی محض روح سے وابستہ ہوتی تو بدن کی اس میں کوئی خصوصیت نہ ہوتی (حالانکہ بدن اس میں ملحوظ ہے) اور اس میں کوئی امتناع نہیں کہ کبھی میت کے اجزاء بالکل بکھر جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بدن کے ایک حصہ کی طرف روح لوٹا دے

---

[1] دیگر متعدد کتابوں میں ابن میسرہؒ آیا ہے۔ فتح الباری میں ابن ہبیرہ ہے۔ اغلب ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اور صحیح ابن میسرہ ہی ہے واللہ اعلم ۱۲-

بان السوال يقع على الروح فقط ان الميت قد يشاهد فى قبره حال المسئلة لا اثر فيه اقعاد ولا غيره ولا ضيق فى قبره ولا سعة وكذلك غير المقبور كالمصلوب وجوابهم ان ذلك غير ممتنع فى القدرة بل له نظير فى العادة و هو النائم فانه يجد لذةً والماً لا يدركه جليسه بل اليقظان قد يدرك الماً ولذةً لما يسمعه او يفكر فيه ولا يدرك ذالك جليسه وانما اتى الغلط من قياس الغائب على الشاهد واحوال ما بعد الموت على ما قبله والظاهر ان الله تعالى صرف ابصار العباد واسماعهم عن مشاهدة ذلك وستره عنهم ابقاءً عليهم لئلا يتدافنوا وليست للجوارح الدنيوية قدرة على ادراك امور الملكوت الا من شاء الله تعالى وقد ثبتت الاحاديث بما ذهب اليه الجمهور كقوله انه يسمع خفق نعالهم وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله يسمع صوته، اذا ضربه بالمطراق وقوله يضرب بين اذنيه وقوله يقعدانه وكل ذالك من صفات الاجساد و ذهب ابو الهذيل ومن تبعه، الى ان الميت لا يشعر بالتعذيب ولا بغيره الا بين النفختين قالوا وحاله كحال النائم والمغشى عليه لا يحس بالضرب ولا بغيره الا بعد الافاقة والاحاديث

اور اس سے سوال ہو جیسا کہ وہ تمام اجزاء کے جمع کرنے پر قادر ہے جو لوگ سوال قبر صرف روح کے لیے مانتے ہیں اس کا باعث ان کے نزدیک یہ ہے کہ میت کو کبھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ اس میں اٹھانے وغیرہ کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور نہ اس کی قبر میں تنگی اور فراخی نظر آتی ہے اور اسی طرح بعض مُردوں کو بجائے دفن کرنے کے سُولی پر لٹکا دیا جاتا ہے ان کے اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ بعید نہیں بلکہ اس کی ایک نظیر موجود ہے جو عادتاً وقوع میں آتی ہے وہ یہ کہ خوابیدہ شخص لذّت اور دکھ محسوس کرتا ہے اور اس کے پہلو میں دوسرا شخص اس کو محسوس نہیں کر سکتا بلکہ بیدار آدمی بھی کبھی تکلیف اور لذت محسوس کرتا ہے کیونکہ اس نے کوئی بات سُنی ہوتی ہے یا محوِ فکر ہوتا ہے اور دوسرے اس کو محسوس نہیں کر سکتے یہ ساری غلطی اس لیے سرزد ہوئی ہے کہ غائب (یعنی اُمورِ برزخ) کو حاضر پر قیاس کر لیا گیا ہے اور ما بعد الموت کے حالات کو زندگی کے حالات پر قیاس کر لیا گیا ہے اور ظاہر بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کی نگاہوں اور ان کے کانوں کو اس کے مشاہدہ سے روک دیا ہے اور ان پر شفقت کرتے ہوئے یہ اُمور ان سے پوشیدہ رکھے ہیں تاکہ وہ مُردوں کو دفن کیے بغیر ہی نہ چھوڑ دیں اور دنیا کے اعضاء کو یہ قدرت ہی نہیں کہ اس جہان کے امور کا ادراک کر سکیں مگر جن کے متعلق اللہ تعالیٰ چاہے اور یہ تمام احادیث اُسی مسلک کے ثبوت پر موجود ہیں جو جمہور نے اختیار کیا ہے مثلاً آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ میت قبر سے لوٹنے والوں کی جوتیوں کی کھٹکھٹاہٹ

الثابتة فی السوال حالة تولی اصحاب المیت عنه ترد علیهم انتهی بلفظه۔

(فتح الباری ج ۳ ص۲۲۴ طبع مصر)

سنتی ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ قبر کی تنگی کی وجہ سے اس کی پسلیاں آرپار ہو جاتی ہیں اور آپ کا یہ ارشاد کہ جب اس کو ہتھوڑا اور گرز ماری جاتی ہے تو (ثقلین کے بغیر دوسری مخلوق کو) اس کی آواز سُنائی دیتی ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ اس کے دو کانوں کے درمیان ضرب لگائی جاتی ہے اور آپ کا یہ ارشاد کہ فرشتے اسکو بٹھاتے ہیں اور یہ سب کے سب اُمور اجسام کی صفات ہیں (نہ کہ ارواح کی) اور ابوالہذیل اور اس کے پیرو اس طرف گئے ہیں کہ نفخۂ اُولیٰ اور نفخۂ ثانیہ کے درمیان میّت کو عذاب وغیرہ کسی چیز کا شعور نہیں ہوتا یہ لوگ کہتے ہیں کہ میت کا حال اس شخص کے حال کے مناسب ہے جو سویا ہو یا اس پر غشی طاری ہو وہ افاقہ سے پہلے مار وغیرہ کسی چیز کا احساس نہیں کرتا لیکن وہ حدیثیں جو دفن میّت کے وقت لوگوں کی واپسی کے وقت میّت سے سوال کے بارے میں آئی ہیں ان کے خلاف ہیں اور ان کا رد کرتی ہیں۔

نوٹ ہم نے فتح الباری کی اس مقام پر پوری عبارت نقل کردی ہے مؤلف ندائے حق کا ص۲۲۹ و ص۲۳۰ میں یہ شکوہ کرنا کہ ہم نے جو عبارت خلاف مطلب تھی وہ چھوڑ دی ہے نرا بہتان ہے یہاں حافظ ابن حجرؒ نائم کے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں اور اس کو صحیح سمجھتے ہیں اس کی تردید نہیں کرتے۔

اور علامہ بدر الدین العینی الحنفیؒ (المتوفی ۸۵۵ھ) لکھتے ہیں۔

ولا بُعد فی رد الحیوٰة الی بعض اجزاء البدن فیختص بالاحیاء والمسائلة والعذاب وان لم یکن ذلك مشاهدًا لنا اهـ

(عمدة القاری ج ۸ ص۱۴۷ طبع مصر)

اور اس میں کوئی بُعد نہیں کہ بدن کے بعض اجزاء کی طرف زندگی لوٹائی جائے اور وہی بعض اجزاء حیات اور قبر کے سوال اور عذاب سے مختص ہوں اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ عینیؒ کے نزدیک بھی فی الجملہ اعادۂ روح الی البدن میں کوئی بعد نہیں

اگرچہ اس کا مشاہدہ ہمیں نہ ہو سکے بلکہ وہ اسی کو اکثر اہل السنة کا قول بتاتے ہیں چنانچہ وہ سماع موتیٰ کی بحث کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ :-

واجيب عن الآية بان الذی يسمعهم هو الله تعالیٰ والمعنی انه صلی الله عليه وسلّم لا يسمعهم ولكن الله تعالیٰ احياهم حتّٰی سمعوا كما قال قتادةؒ وقال السهيلیؒ وعائشه رض لم تحضر وغيرها ممن حضر احفظ للفظه وقد قالوا له، اتخاطب قومًا قد جيفوا فقال ما انتم باسمع لما اقول منهم واذا جاز ان يكونوا فی تلك الحالة عالمين جاز ان يكونوا سامعين اما باذان رؤسهم اذا قلنا ان الارواح تعاد الی اجساد عند المسئالة وهو قول الاكثر من اهل السنة واما باذان القلب والروح علی مذهب من يقول يتوجه السوال الی الروح من غير رجوع منه الی الجسد او الی بعضه اه

(عمدة القاری ج ۸ ص ۳۰۹ طبع مصر)

اس آیت کریمہ کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سُناتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم نے انکو نہیں سُنایا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا حتّٰی کہ انہوں نے سُن لیا جیسا کہ قتادہؒ نے فرمایا ہے امام سُہیلیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رض (بدر کے موقع پر) حاضر نہ تھیں اور ان حضرات نے جو وہاں موجود تھے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے الفاظ کو خوب یاد رکھا ہے اور انہوں نے آپ سے کہا بھی کہ حضرت! آپ ایسے لوگوں سے خطاب کرتے ہیں جو مردار اور بدبودار ہو چکے ہیں آپ نے فرمایا کہ جو کچھ میں کہتا ہوں وہ تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں اور جب یہ جائز ہے کہ وہ اس حالت میں جاننے والے ہیں تو یہ بھی جائز ہے کہ وہ سُننے والے بھی ہوں یا تو سر کے کانوں سے جب ہم یہ کہیں کہ قبر میں سوال کے وقت ارواح کو اجسام کی طرف لوٹایا جاتا ہے جیسا کہ اکثر اہل السنة والجماعة کا قول ہے اور یا وہ دل اور روح کے کانوں سے سُنتے جیسا کہ ان لوگوں کا مذہب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قبر میں سوال روح سے ہوتا ہے بغیر اسکے کہ اس کو جسم یا اس کے بعض حصہ کی طرف لوٹایا جائے۔

علامہ عبدالرؤف المناویؒ (المتوفی سنہ ۱۰۳۱ھ) تحریر فرماتے ہیں کہ :-

زاد فی حديث، البراءؓ فتعاد روحه فی جسده ظاهره فی جميع الجسد لكن سئل الحافظ عن ذلك فاجاب بان ظاهر الخبر انها تحل فی النصف الاعلیٰ انتهی قلت ويمكن ان يقال قوة حلولها فی النصف، الاعلیٰ يوسع اللحد حتّٰی يجلس فيه زاد

حضرت براءؓ کی حدیث میں فتعاد روحه فی جسده کی زیادت بھی ہے اس کا ظاہر اس کو چاہتا ہے کہ روح کا اعادہ سب جسم میں ہوتا ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ سے سوال کیا گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ ظاہر خبر اس کو چاہتا ہے کہ روح کا حلول نصف اعلیٰ میں ہوتا ہے انکی بات ختم ہوئی میں کہتا ہوں ممکن ہے یہ کہا جائے

فى رواية فتعاد روحه فى جسده وظاهره فى كله ونقله المصنف فى ارجوزته عن الجمهور ولكن قال ابن حجر ظاهر الخبر فى النصف الاعلى وجمع بان مقرها فى النصف الاعلى ولها اتصال بباقيه وقيل وجزم به القاضى اهـ

(فیض القدیر ج ۲ ص ۳۷۲ و ص ۳۷۳ طبع مصر)

کہ نصف اعلیٰ میں روح کے حلول کی قوت ہوتی ہے جس سے لحد میں وسعت ہوتی ہے اور مردہ قبر میں بیٹھ جاتا ہے اس میں فتعاد روحه فى جسده کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ سب بدن میں روح کا اعادہ ہوتا ہے مصنف نے اپنے رجزوں میں اس کو جمہور سے نقل کیا ہے لیکن ابن حجرؒ کہتے ہیں کہ ظاہر خبر نصف اعلیٰ کو چاہتی ہے اور تطبیق یوں دی گئی ہے کہ روح کا مقر نصف اعلیٰ ہے لیکن اس کا باقی بدن سے بھی اتصال ہوتا ہے اور کہا گیا ہے کہ قاضی (ابوبکر الباقلانیؒ) نے اسی پر جزم کیا ہے۔

حافظ ابن حجرؒ نے اگرچہ یہ دعویٰ کیا ہے (جیسا کہ اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے) کہ روح بدن کے نصف اعلیٰ میں لوٹائی جاتی ہے اور علامہ مناویؒ نے اس کی جمع و تطبیق کی صورت بھی پیدا کر دی ہے لیکن حضرت ملا علی ن القاریؒ حافظ ابن حجرؒ کی تردید کرتے ہیں چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:۔

فتعاد روحه فى جسده ظاهر الحديث ان عود الروح الى جميع اجزاء بدنه فلا التفات الى قول البعض بان العود انما يكون الى البعض ولا الى قول ابن حجر الى نصفه فانه لا يصح ان يقال من قبل العقل بل يحتاج الى صحة النقل انتهى۔

(مرقات ج ۴ ص ۲۵ طبع ملتان)

فتعاد روحه فى جسده کی حدیث کا ظاہر اسی کو چاہتا ہے کہ روح کا اعادہ تمام بدن کی طرف ہوتا ہے لہذا ان بعض لوگوں کے قول کی طرف کوئی توجہ نہیں کی جا سکتی جو یہ کہتے ہیں کہ عود روح بعض بدن کی طرف ہوتا ہے اور نہ ابن حجرؒ کے قول کی طرف التفات کیا جا سکتا ہے جس میں نصف بدن کی طرف عود کا ذکر ہے کیونکہ یہ محض عقلاً کہنا درست نہیں بلکہ اس میں صحت نقل کی ضرورت ہے (جو مفقود ہے)

نیز حضرت ملا علی ن القاریؒ لکھتے ہیں کہ:۔

قال العسقلانى فى فتاوٰه ارواح المومنين فى عليين وارواح الكفار فى سجين ولكل روح بجسدها اتصال معنوى لا يشبه الاتصال فى الحيوٰة الدنيا بل اشبه شئ به حال النائم

(ابن حجر) عسقلانیؒ نے اپنے فتاویٰ میں کہا ہے کہ مومنوں کی ارواح علیینؐ میں اور کافروں کی سجین میں رہتی ہیں بایں ہمہ ہر ایک روح کا تعلق معنوی اپنے جسم سے بھی ہے لیکن یہ دنیوی زندگی کے اتصال کے مشابہ نہیں یہ سونے والے کے حال کے

وان كان هو اشد من حال النائم اتصالا وبهذا يجمع بين ما ورد ان مقرها فی علیین او سجين وبين ما نقله ابن عبد البر عن الجمهور انها عند افنية قبورها قال ومع ذلك فهی ماذون لها فی التصرف وتأوی الی محلها من علیین وسجين قال واذا نقل الميت من قبر الی قبر فالاتصال المذكور مستمر وكذا لو تفرقت الاجزاء اھ

زیادہ مشابہ ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ اتصال ہے اور اسی سے تطبیق ہو جائے گی اس میں کہ ارواح کا مقر علّیین یا سجّین ہے اور اس میں جو ابن عبد البرؒ نے نقل کیا ہے کہ ارواح قبروں کے کناروں پر ہوتی ہیں مع ہذا ان کو آنے جانے کی اجازت ہوتی ہے اور وہ اپنے محل علّیین یا سجّین میں بھی پہنچ جاتی ہیں ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ جب میّت کو ایک قبر سے دوسری قبر تک منتقل کیا جاتا ہے اور اسی طرح جب اس کے اجزاء متفرق ہو جاتے ہیں تو روح کا یہ اتصال بدستور باقی رہتا ہے۔

(مرقات ج ۴ ص ۲۵ طبع ملتان)

یہ اتصال محض معنوی بیرونی اور اشراقی اتصال ہی نہیں بلکہ یہ اتصال حیات کا ہے جیسا کہ خود حافظ ابن حجرؒ فرع نعال کی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ :-

فيه ان الميت يحيا فی قبره للمسألة خلافا لمن ردّه واحتج بقوله تعالی قَالُوْا رَبَّنَآ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَاَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ الاٰية قال فلو كان يحيی فی قبره للزم ان يحيی ثلاث مرات ويموت ثلاثا وهو خلاف النص والجواب بان المراد بالحيٰوة فی القبر للمسألة ليست الحياة المستقرة المعهودة فی الدنيا التی تقوم فيها الروح بالبدن وتدبيره وتصرفه وتحتاج الی ما يحتاج اليه الاحياء بل هی مجرد اعادة لفائدة الامتحان الذی وردت به الاحاديث الصحيحة فهی اعادة عارضة كما حيی خلق لكثير من الانبياء لمسألتهم لهم عن اشياء ثم عادوا موتی اھ

اس میں دلیل ہے کہ میت کو قبر میں سوال کے لیے زندہ کیا جاتا ہے برخلاف اس کے جس نے اس کو رد کیا ہے اس نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے استدلال کیا ہے کہ وہ (کافر قیامت کے دن) کہیں گے اے ہمارے رب تو نے دو مرتبہ ہمیں مارا اور دو مرتبہ زندہ کیا اگر قبر میں بھی زندگی ہو تو لازم آتا ہے کہ وہ تین مرتبہ زندہ کیا جائے اور تین مرتبہ مرے اور یہ نص کے خلاف ہے اس کا جواب یہ ہے کہ قبر میں سوال کے لیے جو حیات ہوتی ہے وہ دنیا کی مستقر اور معہود حیات کی طرح نہیں ہے جس میں روح بدن کی مقوّم اور اس میں تدبیر اور تصرف کرتی ہے اور اس کو اس چیز کی حاجت نہیں ہوتی جس کے زندہ (خوراک وغیرہ کے) محتاج ہوتے ہیں بلکہ یہ محض اعادہ ہے جس کا فائدہ وہ امتحان ہے جس کے بارے حدیثیں وارد ہوئی ہیں اور یہ اعادہ عارضی ہوتا ہے جیسا کہ

(فتح الباری ج ۳ ص ۴۸۴)

بہت سے لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لئے زندہ کئے گئے تاکہ ان سے کچھ اشیاء کے بارے سوال ہو سکے اس کے بعد وہ پھر مر گئے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر کی زندگی دنیا کی معہود زندگی کی طرح نہیں جس میں روح بدن کے لیے مقوم اور اس کی مدبر اور اس میں متصرف ہو اور بدن اس حیات کے ساتھ ان محسوس اشیاء کا محتاج ہو جن کا دنیا میں محتاج تھا بلکہ یہ اعادہ عارضی اور امتحان کے لیے ہے جیسا کہ صحیح احادیث اس پہ دال ہیں اور یہ حیات دنیا اور آخرت کی معہود اور کامل حیات نہیں جس سے آیت کریمہ اَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ الآیۃ کی مخالفت لازم آئے چونکہ حافظ ابن حجرؒ قبر میں ثواب و عذاب کا جسم اور روح دونوں پہ مترتب ہونا تسلیم کرتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ان کی عبارت عرض کی جا چکی ہے اس لیے ان کے نزدیک یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ سوال کے بعد پھر اس کو بالکل بے روح اور بے جان بنا دیا جاتا ہے کیونکہ بغیر فی الجملہ حیات کے ثواب و عذاب اور راحت والم کس پہ؟ بلکہ اس کا مطلب یہ لینا چاہیئے کہ ان کے نزدیک سوال کے وقت تو بالجملہ اور کامل حیات ہوتی ہے پھر یہ کامل اور عارضی حیات ختم ہو جاتی ہے اور فی الجملہ اور ایک گونہ حیات باقی رہ جاتی ہے ان کی عبارت کے آخری حصہ کما حی خلق الخ سے مغالطہ نہیں ہونا چاہیئے اس میں تشبیہ صرف حیات عارضہ سے ہے اور ثم عادوا موتیٰ دنیا میں بطور معجزہ عارضی طور پر زندہ ہونے والوں سے متعلق ہے نہ کہ اہل قبور سے جیسا کہ کسی بھی اہل فہم سے یہ بات مخفی نہیں ہے۔

حافظ ابن القیمؒ لکھتے ہیں کہ:-

ان مذهب سلف الامة وائمتها ان الميت اذا مات يكون فى نعيم او عذاب وان ذٰلك يحصل لروحه وبدنه اه

(كتاب الروح ص۶۳)

بلاشبہ امت کے اسلاف اور ہمارے ائمہ کا یہ مذہب ہے کہ جب کسی شخص کی وفات ہو جاتی ہے تو وہ راحت اور عذاب میں مبتلا ہوتا ہے اور یہ راحت و تکلیف اس کی روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتی ہے۔

یہ عبارت بھی اس امر پہ نص صریح ہیں کہ عذاب و راحت کے سلسلہ میں بدن کا روح سے تعلق ہوتا ہے حضرت مولانا سید احمد حسن صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

ومذهب اهل السنة اثبات عذاب القبر خلافا للخوارج والمعتزلة وبعض المرجئة

اہل سنت کا مذہب یہ ہے کہ وہ عذاب قبر کو تسلیم کرتے ہیں بخلاف خوارج معتزلہ اور بعض مرجئہ کے کہ وہ اس

انهم نفوا ذلك واحاديث الباب ترد ليهم ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه بعد اعادة الروح اليه وما قيل ان سوال في القبر يقع على البدن فقط وقال بعضهم يقع على الروح فقط فيرد عليهم قوله صلى الله عليه وسلم تعاد روحه في بعض روايات اھ (تنقیح الرواۃ جلد ا ص۳۱ و ص۳۲)

کی نفی کرتے ہیں لیکن عذاب قبر کے باب کی حدیثیں ان کے خلاف پڑتی ہیں پھر اہل سنت کے نزدیک عذاب جسد عنصری کو ہوتا ہے مگر اعادہ روح کے بعد باقی جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد جو بعض روایتوں میں آتا ہے کہ اس کی روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے ان اقوال کو رد کرتا ہے۔

علم عقائد کے مسلّم امام علامہ صدر الدین علی بن محمد الاذرعی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة اھ (شرح عقیدۃ الطحاوی ص۳۳۰ طبع مکہ مکرمہ)

اور اسی طرح اہل سنت والجماعت کے اتفاق سے عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ عذاب قبر روح اور بدن دونوں کو ہوتا ہے اور اس پہ تمام اہل سنت والجماعت متفق ہیں اس میں ان کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ علامہ آلوسی الحنفیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

والجمهور على عود الروح الى الجسد او بعضه وقت السوال على وجه لا يحس به اهل نيا الا من شاء الله تعالى منهم ووراء ذلك مذاهب فمذهب ابن جرير وجماعة من كرامية ان السوال في القبر على البدن فقط ان الله تعالى يخلق فيه ادراكا بحيث يسمع و علم ويلذ ويألم وعلى هذا المذهب يمكن ن يقال ما قيل على الاول ومذهب ابن حزم وابن ميسرة انه على الروح فقط ومذهب

جمہور (اہل السنت) اس کے قائل ہیں کہ روح کو پورے جسم یا بعض جسم کی طرف سوال کے وقت ایسے انداز سے لوٹایا جاتا ہے جس کو اہل دنیا محسوس نہیں کر سکتے ہاں مگر جس کو اللہ تعالےٰ چاہے تو محسوس کرا دے اور اس کے علاوہ اس مسئلہ میں کچھ اور مذاہب بھی ہیں سو ابن جریر (کرامی) اور کرامیہ کی ایک جماعت کا یہ مذہب ہے کہ قبر میں سوال صرف بدن سے ہوتا ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ اس میں ایک گونہ ادراک پیدا کر دیتا ہے جس سے وہ سنتا اور جانتا اور لذت و تکلیف محسوس کرتا ہے لیکن اس مذہب پہ بھی ویسے ہی اعتراض ہے

ابی الھذیل و اتباعہ ان المیت لایشعر بشیٔ اصلاً الا بین النفختین والحق ان الموتٰی یسمعون فی الجملۃ اھ۔

(روح المعانی جلد ۲۲ ص ۵۷)

جیسا کہ پہلے پر تھا (کہ مثلاً بلا روح بدن کی حیات کا کوئی معنی نہیں) اور ایک مذہب ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ کا ہے وہ یہ کہ یہ ساری کارروائی صرف روح سے متعلق ہوتی ہے اور ایک مذہب ابو الہذیل اور اس کے اتباع کا ہے کہ میّت کو سرے سے کوئی شعور نہیں ہوتا مگر نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کے درمیان اور حق بات یہ ہے کہ مُردے فی الجملہ سنتے ہیں۔

علامہ بدر الدین ابو عبد اللہ محمد بن علی البعلی الحنبلیؒ (المتوفی سنہ ۷۷۷ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وفی الصحاح انہا ترد الیہ بعد الموت ویسأل وترد فتکون متصلۃ بالبدن بلا ریب واللہ اعلم (مختصر الفتاوی ص ۱۹۰ المصریۃ)

صحیح حدیثوں میں آتا ہے کہ روح موت کے بعد بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور اس سے سوال ہوتا ہے اور پھر لوٹا دی جاتی ہے مگر بلاشبہ وہ بدن سے متصل رہتی ہے۔

امام ابو بکر الجصاص الرازی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۳۷۰ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

واذا جاز ان یکون المؤمنون قد احیوا فی قبورھم قبل یوم القیمۃ وھم منعمون فیہا جاز ان یحی الکفار فی قبورھم فیعذبوا اھ

(احکام القرآن جلد ۱ ص ۱۶۰ طبع مصر)

اور جب یہ جائز ہے کہ مومنوں کو قیامت کے دن سے پہلے قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور وہ قبور میں راحت پاتے ہیں تو جائز ہے کہ کفار کو بھی قبروں میں زندہ کیا جائے اور عذاب دیا جائے۔

امام تقی الدین علی بن عبد الکافی۔ السُبکی الشافعی (المتوفی سنہ ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

وقد اجمع اھل السنۃ علی اثبات الحیوۃ فی القبور وقال امام الحرمین فی الشامل وقد اتفق سلف الامۃ علی اثبات عذاب القبر واحیاء الموتٰی فی قبورھم ورد الارواح فی اجسادھم وقال الفقیہ ابوبکر بن العربی فی الامد الاقصیٰ فی تفسیر اسماء الحسنیٰ ان احیاء المکلفین فی القبر وسوالھم جمیعًا لاخلاف فیہ بین اھل السنۃ

قبور میں اثبات حیات پر اہل سنت کا اجماع ہے، امام الحرمینؒ اپنی کتاب شامل میں فرماتے ہیں کہ امت کے اسلاف، اثبات عذاب قبر اور مُردوں کو قبروں میں زندہ کرنے اور ان کی روح کو ان کے جسموں کی طرف لوٹانے پر متفق ہیں، فقیہ ابوبکر بن العربیؒ اپنی کتاب امد الاقصیٰ فی تفسیر اسماء الحسنیٰ میں لکھتے ہیں کہ جملہ مکلفین کے قبروں میں زندہ کرنے اور ان سے سوال کرنے میں اہل سنت کا کوئی اختلاف نہیں ہے

قال سیف الدین الآمدی فی کتاب ابکار الافکار اتفق سلف الامة قبل ظهور المخالف واکثرھم بعد ظهوره علی اثبات احیاء الموتٰی فی قبورھم ومسئلة الملکین لھم واثبات عذاب للمجرمین والکٰفرین اھ (شفاء السقام ص۱۵۱ طبع دائرة المعارف حیدر آباد دکن)

امام سیف الدین آمدیؒ اپنی کتاب ابکار الافکار میں لکھتے ہیں کہ مخالف کے ظاہر ہونے سے پہلے امت کے تمام اسلاف اور ظہور مخالف کے بعد اکثریت اثبات پر متفق رہی ہے کہ مُردوں کا قبروں میں زندہ کرنا اور ان سے نکیرین کا سوال اور مجرموں اور کافروں کے لیے اثبات عذاب بالکل حق ہے۔

اور پھر آگے لکھتے ہیں کہ :-

ان حیاة جمیع الموتٰی بارواحھم واجسامھم فی قبورھم لاشک فیھا اھ (شفاء السقام ص۱۵۳)

بلاشبہ تمام مُردوں کا اپنی قبروں میں اپنی ارواح اور اجسام کے ساتھ زندہ ہونا شک سے بالاتر ہے۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ متقدمین میں اس مسئلہ کے اندر کوئی اختلاف نہ تھا کہ مُردوں کو قبروں میں زندہ کیا جاتا ہے اور ان کی ارواح کو ان کے اجساد میں لوٹایا جاتا ہے اور منکر و نکیر کا سوال ہوتا ہے ہاں بدقسمتی سے بعد کو اس میں اختلاف پیدا ہوا لیکن اس اختلاف کے بعد بھی امت کی اکثریت متقدمین اور سلف صالحین کی ہمنوا ہی رہی ہے اور حق انہیں کے ساتھ ہے۔

مشہور مصنف اور مسلّم امام عقائد قاضی عضد الدین عبد الرحمٰن بن احمد الایجیؒ (المتوفی ۷۵۶ھ) لکھتے ہیں کہ :-

احیاء الموتٰی فی قبورھم ومسئلة منکر ونکیر وعذاب القبر للکافر والفاسق کلھا حق عندنا واتفق علیه سلف الامة قبل ظهور الخلاف واتفق علیه الاکثرون بعده اھ (مواقف مع الشرح ص۷۱۵ طبع نولکشور)

مُردوں کا قبروں میں زندہ کرنا اور منکر و نکیر کا سوال اور کافر و فاسق کے لیے عذاب قبر یہ سب مسئلے ہمارے نزدیک حق ہیں اور اختلاف سے پہلے سلف اُمّت کے تمام حضرات اور اختلاف رونما ہونے کے بعد اُمّت کی اکثریت ان امور کے حق ہونے پر متفق رہی ہے۔

یہ عبارت بھی اس امر کی واضح دلیل ہے کہ قبروں میں مُردوں کے زندہ کرنے کے بارے میں اسلام کے ابتدائی اَدوار میں کوئی اختلاف نہ تھا اور اُس وقت سبھی حضرات بلاقیل و قال اس کو تسلیم کرتے تھے جب اختلاف پیدا ہوا تو اس کے بعد بھی امت مسلمہ کی اکثریت احیاء الموتٰی فی القبور اور اسی طرح دیگر بیان کردہ مسائل کے حق ہونے کی قائل رہی ہے اور حق ہمیشہ جماعت کے ساتھ ہی ہوتا ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کے صریح فرمان اور ارشاد سے یہ ثابت ہے، قاضی صاحب موصوفؒ نے احیاءِ موتیٰ کے بارے میں منکرین حیات کے اس اعتراض کو بسط سے نقل کیا ہے کہ بعض مُردوں کو درندے اور پرندے کھا جاتے ہیں اور ان کے اجزاء ان کے پیٹوں میں متفرق ہو جاتے ہیں اور بعض کو جلا کر راکھ بنا کر ہوا میں اڑا دیا جاتا ہے اور بعض سُولی پر لٹکا دیے جاتے ہیں، ان میں بھلا حیات کہاں سے اور کیسے آجاتی ہے؟ اور مشاہدہ بھی اس کے خلاف ہے کیونکہ کسی کو ان میں حیات نظر نہیں آتی اور مشاہدہ کے خلاف قول کرنا ایک قسم کی حماقت ہے۔ (محصلہ مواقف مع الشرح ص ۷۲۱)

اس اعتراض کا تفصیلی جواب دیتے ہوئے موصوف یہ لکھتے ہیں کہ:۔

وقد تحیر الاصحاب فی التفصی عن هذا فقالوا ای القاضی واتباعه فی صورة المصلوب لا بُعد فی الاحیاء والمسائلة مع عدم المشاهدة کما فی صاحب السکتة فانه حی مع انا لا نشاهد حیواته وکما فی رؤیة النبی جبرائیل علیهما السلام وهو بین اظهر اصحابه مع ستره عنهم و قال بعضهم لا بُعد فی رد الحیاة الی بعض اجزاء البدن فیختص بالاحیاء والمسالة والعذاب وان لم یکن ذلک مشاهدا لنا واما الصورة الاُخری یعنی بها ما یشمل الثانیة والثالثة اذ هما من وادٍ واحدٍ فان ذالک ای التمسک بها مبنی علی اشتراط البنیة فی الحیوة وهو ممنوع عندنا کما مرّ فلا بُعد فی ان تعاد الحیوة الی الاجزاء المتفرقة او بعضها وان کان خلاف العادة فان خوارق العادة غیر ممتنعة فی مقدور الله تعالی کما سلف تقریره

بلاشبہ (اہل السنۃ والجماعت کے) اصحاب اس مشکل سے جان چھڑانے میں حیران ہوئے ہیں سو قاضی (ابوبکر باقلانیؒ) اور ان کے اتباع نے مصلوب کے بارے میں کہا ہے کہ اس کے زندہ کرنے اور اس سے سوال کرنے میں کوئی استبعاد نہیں اگرچہ اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا جیسے صاحبِ سکتہ کہ وہ زندہ ہوتا ہے حالانکہ ہم اس کی زندگی کا مشاہدہ نہیں کر سکتے اور جیسے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اپنے صحابہ کرامؓ کی موجودگی میں دیکھتے تھے حالانکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام اُن سے اوٹ میں ہوتے تھے اور بعض نے یہ کہا ہے کہ اس میں کوئی بُعد نہیں کہ بدن کے بعض اجزا کی طرف زندگی لوٹائی جائے سو وہ بعض حصہ زندہ ہونے اور سوال اور عذاب سے مختص ہو اگرچہ ہمیں اس کا مشاہدہ نہ ہو سکے اور بہر حال دوسری صورت، اس سے مراد دوسری اور تیسری دونوں صورتیں ہیں کیونکہ وہ دونوں ایک ہی میدان (واسلوب) سے ہیں، سو بیشک ان لوگوں کی دلیل اس بات پر مبنی ہے کہ حیات کے لیے جسم کا ڈھانچہ باقی رہنا ضروری ہے اور

واللہ اعلم بالصواب۔

(مواقف مع الشرح ص۷۱۷)

ہم اس کو نہیں مانتے جیساکہ پہلے گذر چکا ہے سو اس میں کوئی بُعد نہیں کہ اجزاء متفرقہ یا ان میں سے بعض کی طرف حیات لوٹائی جائے اگرچہ یہ عادت کے خلاف ہے لیکن اللہ تعالےٰ کی قدرت میں خوارق عادات بھی داخل ہیں اور وہ ممتنع نہیں ہیں جیساکہ پہلے اس کا بیان ہوچکا ہے۔

واللہ اعلم بالصواب

منکرین حیات فی القبور کا سب سے بڑا وزنی اور مرکزی اعتراض ہی یہی تھا کہ جب ڈھانچہ باقی نہیں رہتا تو حیات کہاں سے آجاتی ہے؟ اسی اشکال کو حل کرنے کے لیے اکابر اہل سنت نے یہ کہا کہ حیات کے لیے ڈھانچہ شرط نہیں ہے بلکہ اجزاء متفرقہ میں بھی حیات کا تحقق قدرت خداوندی میں داخل ہے اور بعض اجزاء کی طرف حیات کا اعادہ بھی داخل تحت القدرت ہے گو عادت کے خلاف ہی سہی لیکن قدرت باری تعالیٰ مخلوق کی عادت کی پابند نہیں ہے اور اسی کو ہم نے پہلے حیات فی الجملہ سے تعبیر کیا ہے۔ اگر جسم کے اجزاء کا نکیرین کے سوال کے سلسلہ میں دخل نہ ہوتا یا عذاب قبر کے سلسلہ میں اجزاء بدن کا واسطہ نہ ہوتا تو ان اکابر کو یہ کہدینے میں ہرگز کوئی تأمل نہ ہوتا کہ سوال یا عذاب تو محض روح کو حاصل ہے بدن اور اس کے اجزاء رہیں یا نہ رہیں لیکن یہ حضرات کسی موقع پر بھی اجزاء بدن کو فراموش نہیں ہونے دیتے، اس کا مطلب اس کے علاوہ اور کیا ہوسکتا ہے کہ قبر کی حیات میں بدن کا تعلق ایک طے شدہ حقیقت اور ناگزیر امر ہے۔ متقدمین بلا اختلاف اور متاخرین کی اکثریت قبر میں روح کے بدن کے ساتھ تعلق کی قائل ہے۔ مواقف کے شارح علامہ علی بن محمد الجرجانی المعروف بہ سید شریفؒ (المتوفی ۸۱۶ھ) لکھتے ہیں کہ۔

واذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء والمسئلة ون کل من قال بعذاب القبر قال بھما (شرح مواقف ص۷۱۶ طبع نولکشور)

اور جب میت کا مُعذّب ہونا ثابت ہُوا تو اس کا زندہ کرنا اور اس سے سوال بھی ثابت ہوگیا کیونکہ جو شخص عذاب قبر کا قائل ہے وہ زندہ کرنے اور سوال کا بھی قائل ہے۔

مطلب واضح ہے کہ قبر میں عذاب اور سوال تبھی متحقق ہوسکتا ہے کہ اس میں زندگی اور حیات ہو اور جب عذاب قبر ثابت ہے تو لامحالہ میّت کا قبر میں زندہ کرنا اور سوال بھی ثابت ہے۔

محقق حیث اطلق حافظ ابن الہمامؒ لکھتے ہیں کہ:۔

ولذا كان الحق ان الميّت المعذب فى قبره توضع فيه الحيوٰة بقدر ما يحسُّ بالالم والبنية ليست بشرط عند اهل السنة حتّٰى لو كان متفرق الاجزاء بحيث لا تتميّز الاجزاء بل هى مختلطة بالتراب فعذب جعلت الحيوٰة فى تلك الاجزاء التى لا ياخذها البصر و ان الله تعالى على ذٰلك لقدير اھ

(فتح القدير جلد ۲ ص ۹۹ طبع مصر)

اور اسی لیے حق بات یہی ہے کہ جس میّت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس انداز کی حیات رکھی جاتی ہے جس سے وہ تکلیف محسوس کرتا ہے اور ڈھانچے کا محفوظ ر اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے یہاں تک کہ اگر میّت کے اجزاء بکھر جائیں اور خاک میں رل مل جائیں اور اس کو سزا دی جائے تو ان باریک اجزاء میں بھی حیات رکھی جاتی ہے جن کو نگاہ نہیں دیکھ سکتی اور اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہے (اس کی شان سے یہ بعید نہیں ہے)

اور یہی حافظ ابن الہمامؒ اور ان کے شاگرد رشید کمال الدین محمد بن محمد المقدسیؒ (ایک حنفی اور دوسرے شافعی ہیں اور دونوں عقائد کے مسلّم عالم ہیں (المتوفی ۹۰۵ھ) اپنی علم کلام کی مایۂ ناز کتاب المسامرہ میں منکرین کے شبہات کو نقل کر کے آگے جواب دیتے ہیں.

وما استحيل به ما ذكر من السوال وعذاب القبر ونعيمه من جهة ان اللذة والالم والتكلم كل منها فرع الحيوٰة والعلم والقدرة ولا حيوٰة بلا بنيّة اذ البنية قد فسدت وبطل المزاج ومن جهة كون الميت ساكتا لا يسمع سوالنا اذا سألناه ومنهم اى من الموتٰى من يحرق فيصير رمادا وتذروه الرياح فلا يعقل حياته وسؤاله واشار الى دفعها بقوله فمجرد استبعاد لخلاف المعتاد وهو لا ينفى الامكان فان ذٰلك الامر الذى يتكلم فيه من سوال الملكين وعذاب القبر ونعيمه ممكن اذ لا يشترط فى

سوال قبر اور عذاب و راحت کو جو بایں وجہ محال سمجھا گیا ہے کہ لذّت اور دکھ اور گفتگو یہ حیات و علم اور قدرت کی فرع ہے اور ڈھانچے کے بغیر زندگی کہاں سے؟ کیونکہ اجزاء تو باطل ہو گئے اور ڈھانچہ ختم ہو گیا اور بایں وجہ بھی کہ میّت خاموش رہتی ہے جب ہم اس سے سوال کرتے ہیں تو وہ جواب نہیں دیتی اور بعض مُردے جلا کر راکھ کر دیئے جاتے ہیں اور ان کی راکھ کو ہوا اڑا دیتی ہے تو اندریں حالات میّت کی حیات اور اس سے سوال عقل کے بالکل خلاف ہے، المصنفؒ نے ان اعتراضات کو دفع کرنے کے لئے یہ جواب دیا کہ اس کو محض خلاف عادت ہونے کی وجہ سے بعید سمجھا گیا ہے اور یہ امکان کی نفی نہیں کرتا کیونکہ نکیرین کا سوال اور عذاب قبر اور راحت جس کی

الحیاۃ البنیۃ کما قدمناہ ولو سلم اشتراطہا جاز ان یحفظ اللہ تعالیٰ من الاجزاء ما یتأتی بہ الادراک بان یصلح بنیتہ وان کان المیّت فی بطون السباع وقعور البحار و غایۃ ما فی الباب ان یکون بطن السبع و نحوہ قبرًا لہ ولا یمتنع ان لا یشاھد الناظر منہ ما یدل علیٰ ذلک فان النائم ساکن بظاھرہ وھو مع ذلک یدرک من الآلام واللذات ما یحسّ تاثیرہ عند یقظتہ من منامہ وخروج منی من جماع راٰہ فی منامہ اھ

(المسامرہ مع المسایرہ جلد ۲ ص۱۱۷ و ص۱۱۸ طبع مصر)

گفتگو ہو رہی ہے بالکل ممکن ہے کیونکہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حیات کے لیے ڈھانچہ شرط نہیں ہے اور اگر وہ تسلیم بھی کر لیا جائے تو یہ جائز ہے کہ اللہ تعالےٰ اس کے ڈھانچے سے اُن اجزاء کو درست کر دے جن سے عذاب کا ادراک ہو سکے اگرچہ میّت درندوں کے پیٹوں اور دریاؤں کی گہرائیوں میں ہو زیادہ سے زیادہ یہ ہو گا کہ درندے وغیرہ کا پیٹ اس کے لیے قبر ہو گا اور اس سے بھی کوئی محال لازم نہیں آتا کہ دیکھنے والا میّت سے عذاب وغیرہ کا کچھ اثر نہیں دیکھتا کیونکہ خوابیدہ شخص بظاہر ساکن ہوتا ہے لیکن معہذا وہ تکالیف اور لذّات کا احساس کرتا ہے، اور بسا اوقات ان کا اثر بیداری کے بعد بھی ظاہر ہو جاتا ہے مثلاً وہ مار جو اس کو بحالت نیند پڑی اس کا درد اور منی کا خروج کہ بحالت نیند اس نے جماع کیا بیداری کے بعد بھی ظاہر ہوتا ہے۔

ماتن اور شارح کی اس طویل عبارت میں بھی یہی امر اُجاگر کیا گیا ہے کہ جس حیات کا قبر میں سوالِ نکیرین اور راحت اور عذاب کے لیے اثبات کیا جاتا ہے اس کے لیے ڈھانچے کا برقرار رہنا شرط اور ضروری نہیں ہے بلکہ یہ حیات اس کے بغیر بھی ثابت ہے اور اگر شرط بھی ہو تب بھی اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ اس کے اجزاء میں سے وہ ضروری اجزاء جمع کر دے جن میں ادراک و شعور رکھ دیا جائے، اگرچہ مُردے درندوں کے پیٹ میں ہوں یا سمندر کی تہ میں خدا تعالیٰ کی قدرت سے کیا بعید ہے؟ رہا یہ سوال کہ دیکھنے والوں کو میّت کا اٹھنا بیٹھنا حس و حرکت چیخ و پکار کچھ نظر نہیں آتا تو یہ بجا ہے لیکن اس سے ان واردات کا جو میّت پر گذرتی ہیں انکار کرنا اور ان کا امتناع ثابت کرنا بالکل بیکار اور بے جا ہے کیونکہ کوئی عقلمند اس کا انکار نہیں کر سکتا کہ بسا اوقات ایک خوابیدہ شخص کو خواب میں دشمن کی مار پڑتی ہے لیکن وہ بالکل ساکن رہتا ہے اور اس کو درد اور کرب باقاعدہ محسوس ہوتا ہے اور جاگنے کے بعد وہ بعض اوقات درد کا احساس اور شکایت بھی کرتا ہے اور اکثر اوقات بحالت نیند احتلام ہو جاتا ہے اور سونے والا مجامعت کرتا ہے

کی لذت محسوس کرتا ہے اور بظاہر وہ کوئی حرکت نہیں کرتا بلکہ بالکل ساکت اور ساکن نظر آتا ہے اور جب بیدار ہوتا ہے تو منی سے اس کا پاجامہ اور تہبند وغیرہ آلودہ اور پلید ہو چکے ہوتے ہیں اور اس پر غسل لازم ہو چکتا ہے تو کیا کوئی احمق یہ کہہ سکتا ہے کہ ہم اس کے پہلو میں بیدار تھے اس کو کب دشمن نے پٹیا یا مجامعت کے لیے اس نے کب حرکت کی اس لیے نہ تو اس پر غسل واجب ہے اور نہ اس کا بیان درست ہے؟ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ سب کاروائی روح اور جسم دونوں کے تعلق سے ہوتی ہے نہ صرف روح سے اور نہ تنہا جسم سے، پس اس ادنیٰ سی نظیر اور مثال سے قبر کا سوال اور عذاب وراحت بھی سمجھ میں آ سکتی ہے، پھر آگے یہی ماتن وشارح معتزلہ وغیرہ کا استدلال نقل کر کے اس کا رد کرتے ہیں چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

وقد تمسك المنكرون للسوال وعذاب القبر ونعيمه وهم ضرار بن عمرو وبشر المريسي واكثر متاخري المعتزلة بان ذٰلك يقتضي اعادة الحيوٰة الى البدن لفهم الخطاب ورد الجواب وادراك اللذة والالم وذٰلك منتف بالمشاهدة وذكر المصنف الجواب عن ذٰلك وتوضيحه، انا نمنع اقتضاء ذٰلك عود الحيوٰة الكاملة الى جميع البدن وغايته مايقتضي اعادة الحيوٰة الى الجزء الذي به فهم الخطاب ورد الجواب والانسان قبل موته لم يكن يفهم بجميع بدنه بل بجزء من باطن قلبه واحياء جزء لفهم الخطاب ويجيب ممكن مقدور عليه وامور البرزخ لا تقاس بامور الدنيا اھ

(المسامرة مع المسايرة جلد۲ ص۱۱۱)

ضرار بن عمرو، بشر المریسی اور اکثر متاخرین معتزلہ نے جو قبر میں سوال عذاب اور راحت کے منکر ہیں یہ دلیل پیش کی ہے کہ اگر یہ امور ثابت ہیں تو لازم آئے گا کہ بدن میں حیات لوٹائی جائے تاکہ میت خطاب سمجھے اور جواب دے سکے اور لذت وتکلیف کا ادراک کر سکے اور یہ چیز مشاہدہ سے منتفی ہے، مصنفؒ نے اس کا جو جواب دیا اس کی توضیح یہ ہے کہ ہم یہ نہیں تسلیم کرتے کہ حیات کاملہ تمام بدن کی طرف لوٹ آتی ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ یہ ثابت ہوگا کہ ایسی جزء کی طرف حیات لوٹائی جاتی ہے جس سے فہم خطاب اور رد جواب متحقق ہو اور انسان مرنے سے پہلے سارے بدن سے تھوڑا ہی سمجھتا تھا بلکہ اس کے دل کے اندر ایک جزء تھی جس سے وہ سمجھتا تھا اور اس جزء کا زندہ کرنا جس سے فہم خطاب اور جواب دینا ممکن ہو اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تحت ہے اور برزخ کے معاملات کو دنیا کے امور پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔

اس عبارت میں منکرین کے انکار کا اصل منشا بیان کیا گیا ہے کہ وہ قبر و برزخ اور آخرت کے امور کو اپنی نارسا عقل کی ترازو سے تولنا چاہتے ہیں، حالانکہ قبر اور برزخ کا معاملہ دُنیا کے معاملات سے الگ تھلگ اور جداگانہ ہے اس کا صحیح ادراک و شعور مرنے کے بعد ہی ہو سکتا ہے، اس جہان میں تو صرف اس قدر ضروری ہے کہ اس کو تسلیم کیا جائے اور شک و شبہ کو قریب نہ آنے دیا جائے۔

علامہ ابو المظفر طاہر بن محمد الاسفرائنی (المتوفی سنہ ۴۷۱ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

واخبر انہم یحیون فی القبور وقد ورد فی معنی احیاء الموتی فی القبور مالا یحصی من الآی والاخبار والآثار (التبصیر ص۱۵۸ طبع مصر)

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلّم نے خبر دی ہے کہ مُردے قبروں میں زندہ کئے جاتے ہیں اور مردوں کے زندہ کرنے کے بارے میں اس قدر آیات احادیث اور آثار وارد ہوئے ہیں کہ ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔

امام ابو الیسر محمدؒ بن محمدؒ بن عبد الکریم البزدوی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۴۹۳ھ) رقمطراز ہیں۔

مسألة ـ سوال منکر ونکیر فی القبر حق عند اهل السنة والجماعة وهما ملكان يسألان من مات بعد ماحي من ربك وما دينك ومن نبيك فيقدر المؤمن على الجواب ولا يقدر الكافر وفيه احاديث كثيرة عن النبي صلى الله تعالى عليه وسلم فى هذا الباب ان الملكين يجيئان فى القبر الى الميت ويحيي الله الميت فيسألون عما ذكرنا وقد انكرت المعتزلة وعامة المبتدعة هذا انتهى

(اصول المبین ص۱۶۵ طبع القاهرة)

مسئلہ۔ قبر میں منکر اور نکیر کا سوال اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک حق ہے اور وہ دو فرشتے ہیں جو مُردہ سے اُس کے زندہ کئے جانے کے بعد سوال کرتے ہیں تیرا رب کون ہے اور تیرا دین کیا ہے اور تیرا نبی کون ہے؟ مومن تو جواب پر قادر ہوتا ہے لیکن کافر جواب پہ قادر نہیں ہوتا اور اس باب میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی بکثرت احادیث موجود ہیں کہ دو۲ فرشتے قبر میں میّت کے پاس آتے ہیں اور اللہ تعالیٰ میّت کو زندہ کر دیتا ہے پس وہ فرشتے ان اُمور مذکورہ کے بارے میں جن کا ہم نے ذکر کیا ہے سوال کرتے ہیں اور معتزلہ اور عام متبدعین نے اس کا انکار کیا ہے۔

امام موصوف رہ کی اس عبارت سے یہ بات بالکل واضح ہو گئی کہ معتزلہ اور اکثر بدعتی قبر میں میّت کی حیات اور سوال کے منکر ہیں اور اہل السنت والجماعت حیات فی القبر اور سوال کے قائل ہیں۔

نیز موصوفؒ لکھتے ہیں کہ:۔

فان قالوا تعذيب الميّت مستحيل فان الالم لا يحصل الا بالحياة فانه لا الم الّا بالعلم ولا علم الّا بالحياة فنقول عند اهل السنة والجماعة يحييهم الله تعالى فيعذبهم وهم احياء فان قالوا الخلاف فى تعذيب الميّت وبه ورد الاخبار على زعمكم فانه روى يعذب الميت ببكاء اهله فنقول اريد به ميّت فى حقنا فان فى حقنا هو ميّت وكذا فى حق احكام الله تعالى ۔

(ص ١٦٣)

اگر وہ یہ کہیں کہ مردہ کو عذاب دینا محال ہے کیونکہ درد والم تو حیات سے ہوتا ہے اس لیے کہ علم کے بغیر کوئی الم نہیں ہوتا اور حیات کے بغیر علم نہیں ہوتا تو ہم کہتے ہیں کہ اہل السنت والجماعت کے نزدیک اللہ تعالے ان کو زندہ کرتا ہے اور زندہ کرنے کے بعد انکو سزا دیتا ہے اور اگر وہ کہیں کہ اختلاف تو میّت کے سزا دینے میں ہے اور تمہارے زعم کے مطابق حدیثیں بھی اسی سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں کیونکہ وارد ہوا ہے کہ میّت کو اس کے اہل وعیال کے رونے سے سزا ہوتی ہے۔ تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ہمارے حق میں وہ میّت ہے کیونکہ وہ ہمارے حق اور اللہ تعالیٰ کے احکام (تکلیفی) کے حق میں میّت ہے۔

یعنی چونکہ ہمارے اس جہان کے اعتبار سے اس کی زندگی محسوس نہیں ہوتی اور اللہ تعالیٰ کے احکام نماز روزہ وغیرہ تکلیفی احکام کے لحاظ سے بھی وہ میّت ہے اس لیے اس کو میّت کہا جاتا ہے اور قبر و برزخ کے معاملہ میں وہ زندہ ہوتا ہے اس لیے اس کو عذاب وراحت کا ادراک وشعور باقاعدہ ہوتا ہے۔

فخر المناطقہ والفلاسفہ امام المتکلمین حضرت ابو حامد محمد بن محمد الغزالی الشافعیؒ (المتوفی ۵۰۵ھ) اپنی مدلل اور مشہور علم کلام کی کتاب میں عذاب قبر وغیرہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

واما عذاب القبر فقد دلت عليه قواطع الشرع اذ تواتر عن النبى صلى الله عليه وسلّم وعن الصحابة رضى الله عنهم بالاستعاذة منه فى الادعية واشتهر قوله عند المرور بقبرين انهما ليعذبان ودل عليه قوله تعالى وَحَاقَ بِآلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ اَلنَّارُ يُعْرَضُوْنَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَّعَشِيًّا الآية وهو ممكن فيجب

بہر حال عذاب قبر کے اثبات پر شریعت حقّہ کی قطعی دلیلیں قائم ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تواتر سے ثابت ہے کہ وہ اپنی دعاؤں میں عذاب قبر سے پناہ مانگتے تھے اور آپ کی یہ حدیث بھی مشہور ہے کہ جب آپ دو قبروں کے پاس سے گذرے تو فرمایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان بھی اس کی دلیل ہے کہ فرعونیوں

تصديق به ووجه امكانه ظاهر وانما نكره المعتزلة من حيث يقولون انا نرى شخص الميت مُشاهدة وهو غير معذب وان الميّت ربما تفترسه السباع وتأكله و هذا هوسٌ اما مشاهدة الشخص فهو مشاهدة لظاهر الجسم والمدرك للعقاب جزء من القلب او من الباطن كيف كان وليس من ضرورة العذاب ظهور حركة فى ظاهر البدن بل الناظر الى ظاهر النائم لا يشاهد ما يدركه النائم من اللذة عند الاحتلام ومن الالم عند تخيّل الضرب وغيره ولو انتبه النائم واخبر عن مشاهداته وآلامه ولذاته من لم يجر له عهد بالنوم لبادر الى الانكار اغترارا بسكون ظاهر جسمه كمشاهدة انكار المعتزلة لعذاب القبر واما الذى تأكله السباع فغاية ما فى الباب ان يكون بطن السبع قبرًا فاعادة الحيوة الى جزءٍ يدرك العذاب ممكن فما كل متألم يدرك الالم من جميع بدنه واما سوال منكر ونكير فحق والتصديق به واجب لورود الشرع به وامكانه فان ذلك لا تستدعى منهما الا تفهيما بصوت او بغير صوت ولا يستدعى منه الا فهما ولا يستدعى الفهم الا الحياة والانسان لا يفهم

کو سخت عذاب نے گھیر لیا وہ آگ ہے جس پر صبح و شام ان کو پیش کیا جاتا ہے اور عذاب قبر ممکن بھی ہے لہذا اس کی تصدیق واجب ہے اور امکان کی وجہ ظاہر ہے، معتزلہ نے اس کا اس لیے انکار کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم میّت کو عیاناً دیکھتے ہیں اور اس کو کوئی عذاب نہیں ہوتا اور بعض اوقات میّت کو درندے چیر پھاڑ کر کھا جاتے ہیں، لیکن یہ ان کا مَن بھاتا اور غلط نظریہ ہے کیونکہ مشاہدہ تو ظاہری جسم کا ہوتا ہے اور عذاب کا ادراک کرنے والی جزء دل یا باطن میں ہوتی ہے کچھ بھی ہو عذاب سے یہ لازم نہیں آتا کہ ظاہری بدن پر بھی حرکت ہو بلکہ سونے والے شخص کے ظاہری جسم کو دیکھنے والا شخص اس لذّت کا مشاہدہ نہیں کر سکتا جس کا احساس خوابیدہ کو احتلام کے وقت ہوتا ہے اور اس درد کا ادراک بھی بیدار شخص نہیں کر سکتا جس کا سونے والا مار پٹائی کے تخیّل سے احساس کرتا ہے اگر سونے والا شخص بیدار ہونے کے بعد اپنی تکالیف اور لذّات کے وہ مشاہدات جو اس پر گذرے ہیں کسی ایسے شخص کو بتلائے جو نیند کے اس ماجرا سے ناآشنا ہے تو وہ یقیناً اس کا فٹ انکار کر دیگا کیونکہ وہ تو بظاہر اس کے سکون جسم سے دھوکہ کھائیگا جیسا کہ معتزلہ نے اپنے مشاہدہ کی بنا پر عذاب قبر کا انکار کر دیا ہے رہا وہ شخص جس کو درندے کھا گئے ہوں تو اس باب میں جو آخری بات کہی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ درندے کا پیٹ اس کے لیے قبر ہو جائے گا سو ایسی جزء کی طرف اعادہ حیوۃ جس سے ادراک عذاب ہو سکے بالکل ممکن ہے کیونکہ درد میں مبتلا ہر

بجمیع بدنه بل بجزء من باطن قلبه واحیاء جزء یفهم السوال ویجیب ممکن مقدور علیه اھ (الاقتصاد فی الاعتقاد ص۹۷ طبع قاهره)

شخص تمام بدن سے درد کا ادراک نہیں کیا کرتا اسی طرح منکر نکیر کا سوال بھی حق ہے اور اس کی تصدیق واجب ہے کیونکہ نکیرین کا سوال صرف اس بات کو چاہتا ہے کہ وہ آواز سے یا بغیر آواز کے اس کو مفہوم سمجھا دیں اور وہ اس کو سمجھ لے اور یہ فہم وعلم صرف حیات کو چاہتا ہے اور انسان تمام بدن سے نہیں سمجھتا بلکہ دل کے اندر ایک جزء سے سمجھا کرتا ہے اور ایسی جزء کا زندہ کر دینا جس سے وہ سوال سمجھے اور جواب دے سکے ممکن اور داخل تحت القدرت ہے۔

یہ عبارت بھی اپنے مفہوم کے لحاظ سے بالکل روشن اور بے غبار ہے مزید تشریح کی حاجت نہیں۔

علامہ مسعود بن عمر۔ سعد الدین تفتازانی الشافعیؒ (المتوفی ۷۹۲ھ) لکھتے ہیں کہ:۔

ویجوز ان یخلق اللّٰه تعالیٰ فی جمیع الاجزاء او فی بعضها نوعا من الحیوٰة قدر ما یدرک الم العذاب ولذة التنعیم وهذا لا یستلزم اعادة الروح الی بدنه ولا ان یتحرک ویضطرب اھ (شرح عقائد ص۱۲۲)

اور جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ میت کے تمام اجزاء میں یا بعض میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے جس سے وہ عذاب کا درد اور خوشی کی لذت کا ادراک کر سکے اور یہ اس کو مستلزم نہیں کہ (مکمل طور پر) روح اس کے بدن کی طرف لوٹائی جائے اور نہ اس کو مستلزم ہے کہ وہ حرکت واضطراب اور جنبش بھی کرے۔

اس عبارت میں علامہ موصوفؒ نے اصولی طور پر دو امر ذکر کیے ہیں، اوّل یہ کہ قبر میں میت کے تمام یا بعض اجزاء میں ایک گونہ حیات پیدا کی جاتی ہے جس سے وہ قبر میں عذاب کا دکھ اور خوشی وراحت کا سکھ ادراک کر سکتی ہے اور سوال قبر اور عذاب وراحت کے لیے اتنی ہی حیات کافی ہے اور ایسی حیات جائز اور ممکن ہے اس میں کوئی استبعاد نہیں ہے اور دوسرا یہ کہ میت میں کامل اور پوری حیات ہو جس طرح دنیا میں تھی یا قیامت کو ہوگی اور جس کی علامت یہ ہوتی ہے کہ آدمی اٹھتا بیٹھتا۔ نقل وحرکت اور جنبش کرتا اور اختیاری افعال کرتا نظر آتا ہو، علامہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کی کامل اور مطلق حیات قبر میں نہیں ہوتی اور معتزلہ وغیرہ کا شبہ بھی یہی تھا کہ اگر اس میں حیات ہے تو پھر اس کے آثار کیوں نظر نہیں آتے؟ اسی شبہ کا ازالہ علامہ موصوفؒ

نے کر دیا کہ یہ حیات قبر میں نہیں تاکہ تمہیں اس کے آثار اور علائم نظر آسکیں ۔ علاوہ ازیں اگرچہ علامہ موصوفؒ کا معتزلہ کے جواب میں یہ ارشاد ایک حد تک کافی ہے، جس میں انہوں نے جسم کے تعلق سے ایک گونہ حیات تسلیم کی ہے لیکن علامہ عبدالعزیز فرہارویؒ اس پر بھی مطمئن نہیں ہیں چنانچہ وہ علامہ تفتازانیؒ کے اس قول و ارشاد ولهذا لا يستلزم اعادة الروح فى البدن الخ پر گرفت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

میرے نزدیک اس جواب میں کلام ہے وہ یہ کہ صحیح حدیثیں صراحت سے دلالت کرتی ہیں کہ سوال کے وقت روح جسم میں لوٹائی جاتی ہے تو پھر روح کے لوٹائے جانے کا انکار کرکے جواب کیونکر درست ہو سکتا ہے؟	وعندی فی هذا الجواب بحث وهو ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح يعاد فى الجسد عند السوال فالجواب بانكار الاعادة غير موجّه اه (نبراس ص۳۲۳)

مطلب صاف ہے کہ علامہ تفتازانیؒ کا اعادۂ روح فی البدن کا انکار کرنا درست نہیں ہے کیونکہ یہ صحیح احادیث کے خلاف ہے پھر اسی پر بحث کرتے ہوئے علامہ فرہارویؒ لکھتے ہیں کہ:۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ میت کی زندگی دوسروں کی زندگی کی طرح نہیں ہوتی کہ اس کے بدن میں روح پوری طرح لوٹائی جائے۔	وحاصل الجواب ان الحيواة للميت ليست كحيواة غيره باعادة الروح فى الجسد اعادة كاملة اه (ص۳۲۳)

یعنی بایں طور کہ روح بدن میں تدبیر و تصرف کرے اور حسّی طور پر بدن خوراک، پانی اور لباس وغیرہ کا محتاج ہو جیسا کہ دنیا میں تھا روح کا بدن کی طرف اس طور پر اعادہ نہیں ہوتا اور پہلے حافظ ابن القیمؒ وغیرہ کی عبارتوں میں اس کی مزید تشریح گذر چکی ہے۔

علامہ شمس الدین الخیالیؒ معتزلہ وغیرہ کے اس سوال کا کہ میت کو جب درندے کھا چکے ہوں اور اس کے اجزاء ہی متفرق ہو چکے ہوں تو عذاب کیسے ہو سکتا ہے؟ جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

بہرحال جس میت کو کوئی جانور کھا گیا ہو اس کو بایں طور سزا دینا کہ کھانے والے کے پیٹ میں ایک گونہ حیات اس میں پیدا کر دی جائے اس کا روشن امکان ہے جس طرح کہ ہمارے پیٹ اور بدن کے (زخم کے) درمیان کوئی کیڑا ہوتا ہے اس کو تکلیف بھی ہوتی ہے اور لذّت بھی	واما تعذيب المأكول بخلق نوع من الحيواة فى بطن الآكل فواضح الامكان كدودة فى الجوف وفى خلال البدن فانها تتألم وتتلذّذ بلا شعور منا انتهى (الخيالى ص۱۱۸)

مگر ہیں بالکل شعور نہیں ہوتا۔

اگر عذاب صرف بدن کو ہوتا تو اس میں بتعلق نوع من الحیواۃ ایک گونہ حیات تسلیم کرنے کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اسی طرح اگر محض روح کو عذاب ہوتا جیسے کہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ وغیرہ کا خیال ہے تو میت کو کھا جانے والے کے پیٹ میں کھائے ہوئے اجزاء میں ایک گونہ حیات ثابت کرنے کی حاجت بھی باقی نہ رہتی اور اگر صرف بدن مثالی کو عذاب ہوتا ہے تو وہ کھانے والے کے پیٹ میں نہیں جاتا اس کے پیٹ میں جس بدن کے اجزاء جاتے ہیں وہ تو جسد عنصری کے اجزاء ہیں عقلمند اور منصف مزاج آدمی کے لیے یہ بات بالکل کافی ہوگی کہ یہ اکابر اجزاء بدن کی حیات اور ان کے معذّب ہونے کے لیے امکان بعید کو بھی نہیں چھوڑتے پھر کیا وجہ ہے کہ اگر سزا اور خوشی صرف بدن مثالی کو ہوتی ہے تو اس کا ذکر کیوں نہیں کرتے؟ کتب عقائد و فقہ کی تمام کتابوں کو چھان ڈالیے ایک حوالہ بھی جمہور اہل سنت کے طریق سے ایسا نہیں ملے گا جس سے یہ ثابت ہو کہ قبر میں سوال یا عذاب و آرام صرف بدن مثالی کو ہوتا ہے اگر یہ بات ان کے نزدیک کچھ بھی وزن رکھتی تو کم از کم احتمال ہی درجہ میں وہ اس کا ذکر کر دیتے یہ یاد رہے کہ علامہ خیالیؒ نے مسئلہ کو ذہن نشین کرنے کے لیے یہ ایک مثال دی ہے ملا احمد جُندیؒ کا اس کو قیاس بنا کر یہ ارشاد فرمانا کہ یہ قیاس مع الفارق ہے اس لیے کہ کیڑا جزو بدن نہیں ہوتا بلکہ اس سے ملابس ہوتا ہے (حاشیہ شرح عقائد مصری ص۱۱۵ بحوالہ ندائے حق ص۲۲۹) صحیح نہیں ہے کیونکہ علماء عقائد نے تصریح کی ہے کہ بدن کے جو اجزاء کھانے والے کے پیٹ میں جاتے ہیں اور پھر وہ اجزاء بدن بنتے ہیں وہ زائد اور فالتو اجزاء ہوتے ہیں اجزاء اصلیہ نہیں ہوتے چنانچہ علامہ تفتازانیؒ فرماتے ہیں والاجزاء الماکولۃ فضلۃ فی الاکل لا اصلیۃ (شرح عقائد ص۶۹) یعنی جو اجزاء کھائے جاتے ہیں اور کھانے والے کے پیٹ میں پہنچتے ہیں وہ زائد اور فالتو اجزاء ہیں (مثلاً گوشت اور چربی وغیرہ) اصلی اجزاء نہیں ہوتے۔ اور جن اجزاء کا قیامت کے دن اعادہ ہوگا یا جن اجزاء کے ساتھ قبر اور برزخ میں روح کا تعلق قائم کیا جاتا ہے وہ اجزاء اصلیہ ہیں گو وہ ذرہ ذرہ ہی کیوں نہ ہو جائیں۔ علاوہ ازیں جو پروردگار راکھ کے ذرات کو جمع کر کے ان سے انسان بنا کر اس سے سوال کر سکتا ہے وہ اپنی قدرت کاملہ سے کھائے ہوئے تمام اجزاء کو بھی جمع کر کے ان سے انسان بنا سکتا ہے صرف مضبوط ایمان اور پختہ عقیدہ کی ضرورت ہے معتزلہ کے شکوک سے ہی آدمی لیس نہ ہو۔ چنانچہ مؤلف ندائے حق ص۱۶۲ میں مولانا عبدالحق صاحب حقانیؒ کی کتاب عقائد الاسلام کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ انسان کے اجزاء اصلیہ وہی ذرات ہیں جو حضرت

آدم علیہ السلام کی پشت سے عہد لینے کے لیے نکالے گئے تھے ..... پس روح کا تعلق بعد از مرگ اپنی اجزاء اصلیہ اور ذرّات کے ساتھ ہے انتہیٰ بلفظہٖ لیکن یہ اجزاء نفسِ ناطقہ نَسَمہ نہیں کہلاتے جیسا کہ مولف ندائے حق کا ص۲۱۲ میں یہ وہم ہے نَسَمہ کے معنی روح کے ہیں جیسا کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ لکھتے ہیں اَلنَّسَمَۃُ بفتحات الروح (المسوّٰی ج ۲ ص۱۵) خیالی کے مشہور محشی علامہ ایوبیؒ اس مسئلہ کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:-

واعلم ان المذاهب فی هذا المقام ثلاثة الاول[1] المیت حی فی قبره فیعذب وهذا هو مذهب اهل السنة والحق والثانی[2] انه جماد لا یعذب ولا یدرك العذاب وهذا هو مذهب جمهور المعتزلة والروافض والثالث[3] انه جماد یعذب وهذا مذهب الصالحیة من المعتزلة ومذهب ابن جریر اھ (ص۱۱۸)

تو جان کہ مذاہب اس مقام میں تین ہیں پہلا[1] مذہب اہل سنت اور اہل حق کا ہے وہ یہ کہ میّت کو قبر میں حیات حاصل ہوتی ہے جس سے اس کو عذاب ہوتا ہے دوسرا[2] جمہور معتزلہ اور روافض کا مذہب ہے وہ یہ کہ میّت بالکل جماد ہوتی ہے نہ تو اس کو عذاب ہوتا ہے اور نہ ادراکِ عذاب اور تیسرا[3] مذہب معتزلہ کے صالحیہ فرقہ اور ابن جریر (کرامی) کا ہے وہ یہ کہ میّت میں روح بالکل نہیں ہوتی اور معہذا اس کو عذاب ہوتا ہے۔

یہ عبارت بھی بالکل صاف اور بے غبار ہے علمی طور پر اس میں بھی کوئی اشکال نہیں ہے۔

مولانا عبد الحکیمؒ بن شمس الدین سیالکوٹیؒ (المتوفی ۱۰۶۷ھ) جو اپنے وقت کے متبحر محقق اور نکتہ رس عالم تھے، قبر میں حیات کی تحقیق کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:-

لا یخفیٰ علیك ان لیس المراد بالحی ههنا ما یعاد فیه الروح ویصدر عنه الافعال الاختیاریة بل ما یدرك الالم واللذة فاذا خلق الله فیها ادراکا یکون سببا لادراك الالم واللذة یکون حیا لا جمادا اھ

(عبد الحکیم علی الخیالی ص۱۱۸)

یہ بات تجھ پر مخفی نہ رہے کہ زندہ سے مراد اس مقام پر وہ زندہ نہیں جس میں (بکمالہ) روح داخل ہو اور اس سے اختیاری طور پر افعال سرزد ہوں بلکہ ایسا زندہ مراد ہے جو دُکھ اور لذّت کا ادراک کر سکے جب اللہ تعالیٰ اس میں ایسا ادراک پیدا کر دے جو دکھ اور لذّت کے احساس کرنے کا سبب بن جائے تو وہ زندہ ہوگا نہ کہ جماد۔

مولانا سیالکوٹیؒ نے بھی وہی کچھ ارشاد فرمایا جو دیگر علماء عقائد اور متکلمین کہتے ہیں کہ عذاب اور آرام کا تعلق بدنِ مادی اور عنصری کے ساتھ ہے اور وہ بھی حیات کے بعد نہ بایں طور کہ وہ جماد کا جماد ہے اور

اس میں سرے سے حیات ہی نہ ہو چاں یہ بات جدا ہے کہ زندہ سے اس مقام پر وہ زندہ مراد نہیں جس میں سو فیصدی روح داخل ہو اور اس سے اختیاری طور پر افعال صادر ہوں کہ دوسرے لوگ بھی ان کا احساس کر سکیں جیسا کہ دنیا میں تھا یا قیامت کو ہو گا بلکہ زندہ سے اس مقام پر وہ زندہ مراد ہے جس میں ایسا ادراک و شعور پیدا کر دیا جائے جس سے اس کو عذاب و آرام اور الم و لذّت کا ادراک اور احساس ہو سکے جب یہ کیفیت اس میں متحقق ہو جائے تو وہ زندہ کہلائے گا نہ کہ جماد۔

مولانا عبد العزیز فرہاروی لکھتے ہیں کہ:۔

یکون حینئذٍ حیا لا جمادًا محضًا ولیس الحیوٰة منحصرۃ فیمن یفعل الافعال الاختیاریۃ۔

(نبراس ص۲۲۱)

کہ اس وقت (روح کے تعلق سے) وہ زندہ ہو گا نہ کہ جمادِ محض اور حیات اسی میں منحصر نہیں ہے کہ اس سے افعال اختیاریہ صادر ہوں۔

یعنی حیات فی القبر کے لیے افعال اختیاریہ کا سرزد ہونا ضروری نہیں ہے جیسا کہ اس جہان کی زندگی میں وہ اس سے صادر ہوتے تھے۔

علم کلام کے مشہور محقق عالم علّامہ ابو شکور السالمیؒ (محمد بن عبد السعید بن شعیب الکشیؒ) عذاب قبر کی تحقیق کرتے ہوئے باطل فرقوں کو جواب دیتے ہوئے اثناءِ کلام میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ:۔

فاذا کان الروح متصلا بالشخص سواء کان عظمًا اولحمًا او ترابا فانہ یتألم اھ

(تمہید ص۱۲۵ طبع لاہور)

جب روح کا بدن سے تعلق ثابت ہے تو بدن کو الم اور دکھ پہنچے گا عام اس سے کہ بدن ہڈی یا گوشت یا مٹی ہو جائے۔

اس عبارت میں بھی بدن مادی اور عنصری کو نظر انداز نہیں کیا گیا بلکہ اس کو مدار کلام بنایا ہے۔

عالمِ ربانی محقق جلال الدین الدوانیؒ (المتوفی ۹۲۸ھ) عذاب قبر کی بحث میں لکھتے ہیں کہ:۔

واختلف الناس فی عذاب ثم اختلف ھؤلاء فمنھم من اثبت التعذیب وانکر الاحیاء وھو خلاف العقل وبعضھم لم یثبت التعذیب بالفعل بل قال تجمع آلالام فی جسدہ فاذا حشر احس بھا دفعۃ وھذا انکار لعذاب القبر

عذاب قبر کے بارے میں لوگوں کا اختلاف ہے، ایک قوم نے عذاب قبر کا کلیۃً انکار کیا ہے (یہ لوگ ملحد ہیں عبد الحکیم علی الدوانی ص۹۳) اور دوسرے عذاب قبر کو تسلیم کرتے ہیں پھر ان میں بھی اختلاف ہے ان میں ایک فرقہ کہتا ہے کہ عذاب تو ثابت ہے لیکن مردہ کو زندہ نہیں کیا جاتا لیکن یہ قول

بالحقیقة ومنهم من قال باحیائه لکن من غیر اعادة الروح ومنهم من قال بالاحیاء واعادة الروح معًا ولا یلزم ان یری اثر الحیوٰة فیه حتٰی ان المأکول فی بطن الحیوانات یحیٰی ویسئل وینعم ویعذب ولا ینبغی ان ینکر لان من اخفی النار فی الشجر الاخضر قادر علٰی اخفاء العذاب والنعیم اھ

(الدوانی علی العقائد العضدیة ص۹۳ طبع علیمی دھلی)

خلاف عقل ہے اور دوسرا گروہ کہتا ہے کہ فی الحال مُردہ کو عذاب نہیں ہوتا بلکہ تمام تکالیف کو اس کے جسم میں جمع کر دیا جاتا ہے جب قیامت کے دن اس کو اٹھایا جائے گا تو اس وقت تمام تکالیف کا اس کو احساس ہوگا درحقیقت اس قول میں بھی عذاب قبر کا انکار ہے اور تیسرا گروہ کہتا ہے کہ اس کو زندہ کیا جاتا ہے مگر (بحالہ) روح اس میں نہیں لوٹائی جاتی اور چوتھا گروہ کہتا ہے کہ اس کو زندہ کیا جاتا ہے اور روح اس کی طرف لوٹائی جاتی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ زندگی کا اثر اس میں دیکھا جاسکے یہاں تک کہ جس مُردہ کو حیوان کھا جائیں تو اس کو ان حیوانوں کے پیٹ میں زندہ کیا جاتا ہے اور اس سے سوال ہوتا ہے اور اس کو راحت و تکلیف دی جاتی ہے اور اس کے انکار کی کوئی وجہ نہیں جو ذات سبز درخت میں آگ کو مخفی رکھ سکتی ہے، اس کو عذاب و راحت کو (مخلوق سے) چھپانے پر بھی قدرت ہے۔

محقق دوانیؒ نے اس عبارت میں عذاب قبر تسلیم کرنے والوں کے چار فرقے اور گروہ ذکر فرمائے ہیں، ایک کو تو خلاف عقل کہہ کر رد کر دیا ہے اور دوسرے گروہ کے بارے میں یہ ارشاد فرمایا کہ یہ گروہ عذاب قبر کو تسلیم کرنے کے دعوے کے باوجود درحقیقت عذاب قبر کا منکر ہے اور تیسرے اور چوتھے گروہ کے مسلک کو نقل کر کے ان پر کوئی گرفت نہیں کی بلکہ چوتھے گروہ کی طرف سے دلیل بھی پیش کر دی ہے اور بظاہر محقق دوانیؒ اسی مسلک کے قائل معلوم ہوتے ہیں جیسا کہ اہل علم اسلوب کلام سے بخوبی یہ سمجھ سکتے ہیں۔ رہا تیسرا گروہ تو اس کو بھی وہ حق پر سمجھتے ہیں اس گروہ کا مسلک یہ ہے کہ مُردہ کو قبر میں زندہ تو کیا جاتا ہے مگر روح کا بحالہ اعادہ اس کی طرف نہیں ہوتا بلکہ اسی حد تک ہوتا ہے جس سے اس کو الم و عذاب اور لذّت و سرور اور جواب و سوال کا ادراک شعور اور احساس ہوسکے چنانچہ علامہ عبد الحکیم سیالکوٹیؒ اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

قوله من غیر اعادة الروح بل قدر ما یدرك

یعنی ان کے قول من غیر اعادہ الروح کا یہ مطلب

والم واللذة والجواب والسوال انتهیٰ

(عبدالحکیم ص۹۳ علی الدوانی)

ہے کہ اس قدر روح کا تعلق اس سے قائم کیا جاتا ہے جس سے وہ الم ولذت اور جواب وسوال کا ادراک کر سکے۔

حضرت امام غزالیؒ اپنی مشہور متداول اور مفید کتاب احیاء العلوم میں موت کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ولا يبعد ان تعاد الروح الى الجسد فى القبر ولا يبعد ان تؤخر الى يوم البعث والله اعلم بما حكم به على كل عبد من عباده وانما تعطل الجسد بالموت يضاهى تعطل اعضاء الزمن لفساد مزاج يقع فيه وبسدة تقع فى الاعصاب تمنع نفوذ الروح فيها فتكون الروح العالمة العاقلة المدركة باقية مستعملة لبعض الاعضاء وقد استعصى عليها بعضها اھ

(احیاء العلوم جلد۴ ص۴۰۹ طبع مصر)

اور اس میں کوئی بُعد نہیں کہ قبر میں جسم کی طرف (فی الجملہ) روح لوٹائی جائے اور اس میں بھی کوئی بعد نہیں کہ (بکمالہ) جسم کی طرف روح کے لوٹانے کو قیامت تک مؤخر کیا جائے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر کوئی حکم نافذ کرتا ہے تو اس کو وہ بخوبی جانتا ہے موت کی وجہ سے جسم کے معطل ہونے کی ایسی مثال ہے جیسے فساد مزاج یا اعصاب میں سُدّہ آجانے کی وجہ سے اعضاء مفلوج اور شل ہو جاتے ہیں اور دورانِ خون اور نفوذ روح میں رکاوٹ آجاتی ہے حالانکہ روح جو علم وعقل اور ادراک سے متصف ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے بعض اعضا اس کے تصرف میں ہوتے ہیں اور بعض شل ہونے کی وجہ سے اس کا اثر قبول نہیں کرتے۔

یعنی جس طرح مفلوج اور شل اعضاء بظاہر دوسرے اعضاء کی بہ نسبت بے حس وحرکت معلوم ہوتے اور سوکھے اور پتلے نظر آتے ہیں مگر اس کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں کہ کلیتہً روح کا تعلق ہی ان سے منقطع ہوجا ہے، ہاں یہ بھی درست ہے کہ جس طرح روح کا تعلق دیگر اعضاء صحیحہ سے ہوتا ہے وہ فالج زدہ اور شل اعضاء سے نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ روح باوجود مکمل کوشش کے مفلوج اعضاء میں پورا اثر نہیں کر سکتی بس اسی طرح موت کے بعد جسم کی مثال ہے کہ روح کا جسم سے ایک گونہ تعلق ہوتا ہے لیکن یہ تعلق دنیو تعلق سے الگ اور حس سے بالاتر ہے۔

اور حافظ بدرالدین العینی الحنفیؒ لکھتے ہیں:۔

ومن یعذب فی القبر توضع فیه الحیوٰة علیٰ الصحیح وان اختلفوا فی کیفیتها اھ

(عینی شرح کنز ص ۱۶۳)

اور جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے صحیح مذہب کے رُو سے اس میں زندگی رکھی جاتی ہے اگرچہ اس زندگی کی کیفیت میں علماء کا اختلاف ہے۔

علامہ نیشاپوریؒ (المتوفی ــــھ) شہداء کی حیات پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ثم ان اکثر المفسرین علیٰ انهم احیاء فی الحال فمن الجائز ان یجمع الله تعالیٰ من اجزاء الشهید جملة فیحییها ویوصل الیها التنعیم وان کانت فی حجم الذرة فیری معظم جسد الشهید میتا فلا یُحسّ بحیاته اھ

(تفسیر نیشاپوری برہامش طبری ج ۲ ص ۲۴ طبع مصر)

اکثر مفسرین کرامؒ اس کے قائل ہیں کہ شہداء فی الحال زندہ ہیں تو یہ امر بالکل ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ شہید کے جسم کے اجزاء کا ایک حصّہ جمع کر کے اس میں حیات ڈال دے اور اس کو راحت پہنچائے اگرچہ وہ حصّہ ذرّہ برابر ہو اور شہید کا باقی تمام جسم مردہ نظر آئے اور اس کی حیات کا احساس نہ ہو سکے۔

اس عبارت میں بھی یہ حقیقت واشگاف کی گئی ہے کہ قبر و برزخ میں حیات کا یہ مطلب نہیں کہ دیکھنے والوں کو اس حیات کا احساس ہو اور نہ یہ مطلب ہے کہ بقدرِ ضرورت حیات کے لیے جسم مادی سے قطع نظر درست ہے، اللہ تعالیٰ کو قدرت ہے کہ شہید کے مادی اور عنصری جسم کے اعضاء سے ایک ایسا حصہ جمع کر دے جس میں ایک گونہ حیات پیدا کر دے چاہے وہ حصّہ ذرّہ بھر ہی کیوں نہ ہو اور راحت و نعمت کا تعلق اس سے وابستہ کر دیا جائے، اور امام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد النسفی الحنفیؒ (المتوفی ۷۱۰ھ) اپنی فقہ کی مشہور کتاب الکافی شرح الوافی میں عذابِ قبر کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

فانه ثابت عند اهل السنة وان اختلفوا فیما بینهم فقال بعضهم نؤمن باصل العذاب ونسکت عن الکیفیة لان الواجب علینا تصدیق ما ورد به السنة المستفیضة وهو التعذیب بعد الموت فنؤمن به ولا نشتغل بکیفیته و عند العامة توضع فیه الحیوٰة بقدر ما یتألم لا الحیوٰة المطلقة وقیل توضع فیه الحیوٰة

عذابِ قبر اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے اگرچہ (اس کی کیفیت کے بارے میں ان کا) آپس میں اختلاف ہے بعض یوں کہتے ہیں کہ ہم نفس عذاب کو تسلیم کرتے ہیں اور اس کی کیفیت سے خاموشی اختیار کرتے ہیں کیونکہ ہم پر واجب ہے کہ ہم سنت مشہورہ سے جو چیز ثابت ہے اس کی تصدیق کریں اور وہ مرنے کے بعد عذاب ہے سو ہم اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کی کیفیت کے درپے نہیں ہوتے

من کل الوجہ اھ

(بحوالۂ مائۃ مسائل ص۴۲)

اور اکثر کے نزدیک میّت میں اس انداز کی حیات ڈالی جاتی ہے جس سے اس کو سزا کا ادراک ہو سکے کامل حیوٰۃ اس میں نہیں ہوتی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس میں من کل الوجہ زندگی ڈالی جاتی ہے۔

مشہور حنفی فقیہ علامہ محمد بن عابدین الشامیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۵۲ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

ولا یرد تعذیب المیّت فی قبرہ لانہ توضع فیہ الحیوٰۃ عند العامۃ بقدر ما یحس بالالم والبنیۃ لیست بشرط عند اھل السنۃ بل تجعل الحیوٰۃ فی تلک الاجزاء المتفرقۃ لا یدرکہا البصر اھ

(شامی جلد۳ ص۲۰۱ طبع مصر)

اور یہ اعتراض وارد نہیں ہو سکتا کہ میت اور بے جان کو قبر میں سزا کیسے دی جاتی ہے، کیونکہ اکثر علماء کے نزدیک اس میں اس قدر حیات ڈالی جاتی ہے جس سے وہ تکلیف کا احساس کر سکتی ہے اور ڈھانچے کا باقی رہنا اہل سنت کے نزدیک شرط نہیں ہے بلکہ یہ حیات ایسے اجزاء متفرقہ میں پیدا کی جاتی ہے جن کو نگاہ محسوس نہیں کر سکتی۔

یعنی حیات کا تعلق ان اجزاء سے قائم کیا جاتا ہے، جو مادی اور عنصری جسم سے وابستہ ہوتے ہیں اگرچہ وہ اجزاء پریشان ہی کیوں نہ ہوں اور نگاہ بھی ان پر نہ پڑ سکے۔

بیہقی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۲۵ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

فان قیل لبعض الاحادیث الصحاح تدل علی ان ارواح المؤمنین حتی الانبیاء وارواح الکفار کلہا فی القبور کما ورد فی حدیث البراءؓ الطویل یقول اللہ تعالیٰ فی حق المؤمن اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوہ الی الارض فانی منہا خلقتہم وفیہا اعیدہم ومنہا اخرجہم تارۃ اخریٰ فیعاد روحہ فی جسدہ وکذا

پس اگر یہ کہا جائے کہ بعض صحیح حدیثیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مومنوں کی روحیں بلکہ حضرات انبیاء علیہم السلام کی اور کفار کی جملہ روحیں قبور میں ہوتی ہیں جیسا کہ حضرت براءؓ کی طویل حدیث میں آتا ہے اللہ تعالیٰ مومن کے حق میں فرماتے ہیں کہ میرے بندے کا نامۂ عمل علیین میں لکھدو اور اُسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے انکو زمین ہی سے پیدا کیا ہے اور اسی

قال فی الکافر فیعاد روحه فی قبره قال ابن عبد البرؒ هذا اصح ما قیل وقد رأی النبی صلی اللہ علیه وسلم موسیٰ علیه السلام فی قبره یصلی لیلة اسری به وانه صلی اللہ علیه وسلّم قال من صلّی علیّ عند قبری سمعتهٗ ومن صلی علیّ غائبًا بلغتهٗ فکیف التطبیق قلنا وجه التطبیق ان مقر ارواح المومنین فی علیین او فی السماء السابعة ونحو ذلک کما مرّ ومقر ارواح الکفار فی سجین ومع ذلک لکل روح منها اتصال بجسده فی قبره لا یدرک کنهه الا اللہ تعالیٰ وبذلک الاتصال یصح ان یعرض علی الانسان المجموع المرکب من الجسد والروح مقعده من الجنة او النار ویحس اللذة او الالم ویسمع سلام الزائر ویجیب المنکر والنکیر و نحو ذلک مما ثبت بالکتاب والسنة کما ان جبرائیل علیه السلام مع کون مستقره من السمٰوت کان یدنو من النبی صلی اللہ علیه وسلّم حتیٰ یضع یدیه علی فخذیه قال الشعبی فی بحر الکلام هی متصلة باجسادها تتعذب الارواح ویتألم الاجساد منها لشمس فی السماء ونورها فی الارض واللہ تعالیٰ اعلم (تفسیر مظہری جلد۱ ص۱۲۴ و ص۱۲۵)

میں ان کو لوٹاؤنگا اور اسی سے انکو دوبارہ نکالونگا۔ پس روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے اور اسی طرح کافر کے بارے میں فرمایا کہ اس کی روح قبر میں لوٹائی جاتی ہے ....

امام ابن عبد البرؒ فرماتے ہیں کہ یہ سب سے زیادہ صحیح بات ہے جو کہی گئی ہے اور معراج کی رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی قبر میں نماز پڑھتے دیکھا اور آپ نے فرمایا کہ جو شخص میری قبر کے پاس مجھ پر درود پڑھتا ہے تو میں اس کو خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر غائبانہ درود پڑھتا ہے تو وہ مجھے پہنچایا جاتا ہے تو ان مختلف احادیث میں تطبیق کیسے ہوگی؟ ہم کہتے ہیں کہ اس طرح پہ ہے کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر علیین یا ساتواں آسمان اور اس کی مانند کوئی اور جگہ ہے جیسا کہ گذر چکا ہے اور کفار کی ارواح کا ٹھکانا سجین ہے لیکن بایں ہمہ ہر روح کا جسم کے ساتھ قبر میں تعلق ہے۔ جس کی حقیقت بجز پروردگار کے کوئی نہیں جانتا اور اس اتصال کی وجہ سے صحیح ہے کہ انسان پر جو جسم اور روح دونوں کے مجموعہ اور مرکب کا نام ہے اس کا ٹھکانہ جنّت یا دوزخ کا پیش کیا جائے اور وہ لذت یا دکھ محسوس کرے اور زیارت کرنے والے کا سلام سُنے اور منکر ونکیر کو جواب دے اور اسی کی مانند اور اُمور جن کا کتاب وسُنت سے ثبوت ہو چکا ہے جس طرح کہ حضرت جبرائیل علیہ السّلام کا مستقر آسمانوں میں ہے اور معہذا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کے اتنے قریب ہو جاتے تھے حتیٰ کہ اپنے دونوں ہاتھ آپ کی رانوں

پر رکھتے تھے امام شعبیؒ (اپنی کتاب) بحر الکلام میں فرماتے ہیں کہ ارواح اجسام کے ساتھ متصل ہوتی ہیں سو انکو عذاب دیا جاتا ہے اور اس کی وجہ سے اجسام بھی درد محسوس کرتے ہیں جس طرح کہ سورج آسمان پر ہے اور اس کی روشنی زمین پر پڑتی ہے واللہ اعلم۔

حضرت قاضی صاحبؒ کی یہ عبارت بڑی واضح اور ہر لحاظ سے معنی خیز ہے اس کی مزید تشریح و تفسیر کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور اس عبارت سے ان مختلف احادیث کی آپس میں تطبیق ہو جاتی ہے جن میں بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے اور غیر بالغ نظریں ان کے جمع کرنے میں ٹھوکریں کھاتی ہیں مثلاً ایک آپ نے اسی پیش نظر کتاب میں باحوالہ محدثین کرامؒ کی تصحیح کے ساتھ پڑھی ہے کہ قبر میں جسم کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے۔ (فتعاد الروح فی جسدہ) اور دوسری طرف یہ حدیثیں بھی صحیح ہیں کہ شہیدوں اور مومنوں کی روحیں جنت میں ہوتی ہیں مثلاً ایک حدیث حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ (المتوفی سنہ ۳۲ھ) سے یوں آتی ہے کہ کچھ لوگوں نے ان سے وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا الآیۃ کی تفسیر پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ :۔

انا قد سالنا عن ذٰلك فقال ارواحهم فى جوف طير خضر لها قناديل معلقة بالعرش تسرح من الجنّة حيث شاءت (الحديث)

(مسلم جلد ۲ ص۱۳۵)

ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ میں چلی جاتی ہیں اور ان کے لیے عرش پر قندیلیں لٹکتی رہتی ہیں اور وہ جنت میں جہاں چاہیں چلتی پھرتی ہیں۔

سبز رنگ کے پرندوں کے پیٹ ان کے لیے سواری اور مرکب ہوتے ہیں جیسے دنیا میں لوگ ہوائی جہاز اور کار وغیرہ کے اندر داخل ہو کر سفر کرتے ہیں تناسخ پر اس سے استدلال کرنا جیسا کہ بعض زائغین نے کیا ہے قطعاً باطل ہے۔ اور اسی طرح ان سواریوں کو ابدان مثالیہ قرار دینا جیسا کہ مؤلف اقامۃ البرہان نے ص۹۹ میں کیا ہے باطل ہے اور اس کے بطلان کے لیے علماء متکلمین اور حضرات فقہاء کرامؒ کے وہ صریح حوالے کافی ہیں جن سے جسد عنصری کا واضح ثبوت ملتا ہے۔

اور ایک حدیث حضرت کعبؓ بن مالک (المتوفی سنہ ۵۰ھ) کی ہے :۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم قال نسمة المؤمن طیر یعلق فی شجرة الجنة حتّٰی یرجعه اللہ الی جسده یوم یبعثہ ۔

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ مومن کی روح پرندوں کی طرح اُڑتے ہوئے جنت کے درختوں سے کھاتی ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے جسم کی طرف اس کو لوٹائے ۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۴۵۵ وسنن ابن ماجہ ص ۳۱۶

موطا امام مالک ص ۹۴۲ واللفظ لہ وموارد الظمآن ص ۱۹۶)

لفظ نَسَمہ جسم اور روح دونوں پر اور اسی طرح روح ہوائی پر اور صرف تنہا روح پر بھی بولا جاتا ہے چنانچہ مجمع البحار ص ۱۶۵ میں ہے وعلی الروح المفردة بحوالہ ندائے حق (ص ۲۸) اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے بھی نَسَمہ کے معنی روح کے کئے ہیں چنانچہ اس کتاب میں دوسری جگہ ان کا حوالہ مذکور ہے اور خود مؤلف ندائے حق ص ۲۷ میں لکھتے ہیں کہ عموماً نَسَمہ کے معنی روح کے کئے جاتے ہیں الخ چونکہ اس حدیث میں جسد کا لفظ مستقل طور پر موجود ہے اس تقابل کے لحاظ سے یہاں نَسَمہ کے معنی روح ہی زیادہ مناسب ہیں حضرت مولانا سیّد محمد انور شاہ صاحبؒ وغیرہ نے نَسَمہ کے جو اور معنی بیان کیے ہیں اپنے مقام پر وہ بھی درست ہیں لیکن یہاں نَسَمہ سے روح ہی مراد ہے ۔

ان روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شہداء اور عام مومنوں کی روحیں جنّت میں ہوتی ہیں تو بظاہر ان متعارض روایات کو پیش نظر رکھ کر قاضی ثناء اللہ صاحبؒ نے محدثانہ اور فقیہانہ انداز میں یہ جواب دیا کہ مومنوں کی ارواح کا مستقر جنّت ہو یا علیین یا ساتواں آسمان کچھ بھی ہو مگر ان ارواح کا فی الجملہ تعلق اور اتصال قبروں میں اجساد کے ساتھ ہوتا ہے جس کی پوری کیفیّت پروردگار ہی جانتا ہے اور اسی تعلق کی وجہ سے لذّت اور کلفت کا احساس اور ادراک ان کو ہوتا ہے اور اسی ادراک و شعور کے ساتھ وہ منکر ونکیر کے سوال کا جواب دیتے ہیں اور اسی اتصال کے سبب عند القبر سلام کہنے والے کا سلام سُنتے (اور جواب دیتے) ہیں ہاں ان ارواح کا اجسام کی طرف مکمل طور پہ لوٹایا جانا اور بکمالہ اعادہ قیامت کے دن ہی ہوگا اور موطا امام مالکؒ کی روایت کے آخر میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے (حتّٰی یرجعه اللہ الی جسده یوم یبعثہ)

حضرت ملا علی ن القاریؒ فرماتے ہیں کہ :-

حتّٰی یرجعه اللہ فی جسده ای یرده الیہ کاملاً فی بدنہ اھ (مرقات ج ۴ ص ۳۱ طبع ملتان)

حتّٰی یرجعه اللہ فی بدنہ کا یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کامل طور اس کی روح اس کے بدن میں (قیامت کے دن) لوٹائیگا ۔

مولانا حسین علی صاحبؒ اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ:۔

یعنی بجمیع جسدہ یوم یبعثہ، وھو یوم القیمۃ (تحریرات حدیث ص۲۰۹)

یعنی تمام جسد کے ساتھ روح کا تعلق اس دن ہوگا جس دن اللہ تعالیٰ اس کو کھڑا کریگا اور وہ قیامت کا دن ہے۔

علامہ الشیخ سلیمان بن سحمانؒ فرماتے ہیں کہ:۔

وقد تقرر ان الاموات لا یساوون الاحیاء فی وجہ من الوجوہ اذ الموت غیر الحیواۃ المعھودۃ وما ثبت لھم من الحیواۃ فھی برزخیۃ غیر الحیواۃ المعھودۃ فی الدنیا فمن اراد بھا الحیواۃ المعھودۃ فی الدنیا التی تقوم فیھا الروح بالبدن وتدبرہ وتصرفہ، ویحتاج معھا الی الطعام والشراب واللباس فھذا خطاء ظاھر والحس والعقل یکذبہ کما یکذبہ النص واما من اراد حیواۃ اخرٰی غیر ھذہ الحیواۃ بل تعاد الروح الیہ اعادۃ غیر الاعادۃ المألوفۃ فی الدنیا لیسئل ویمتحن فی قبرہ ویرد السلام علی المسلمین فھذا حق ونفیہ خطأ وقد دل علیہ النص الصحیح الصریح وھذہ الحیواۃ متفاوتۃ فحیواۃ الانبیاء اکمل من حیواۃ الشھداء وحیواۃ الشھداء اکمل من حیواۃ غیرھم وھذہ الحیواۃ حیواۃ برزخیۃ لا یعلم کنھھا الا اللہ اھ (البیان المبدی لشناعۃ القول المجدی ص۱۰۲ طبع امرتسر)

بلاشبہ یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ مُردے کسی وجہ سے بھی زندوں کے مساوی نہیں ہیں کیونکہ موت معہود حیات کے غیر ہے اور جو زندگی اموات کے لیے ثابت ہے وہ برزخی حیات ہے جو معہود دنیوی زندگی کے غیر ہے سو جس شخص نے مُردوں کی زندگی سے دُنیا کی معہود زندگی مراد لی بایں طور کہ روح بدن کا قوام اس کی تدبیر اور اسمیں تصرف کرے اور اس کی وجہ سے بدن خوراک پانی اور لباس کا محتاج ہو تو یہ نظریہ بالکل خطا ہے نصّ کی طرح حِس و عقل بھی اس کی تکذیب کرتے ہیں اور اگر اس زندگی کے علاوہ اور زندگی مراد لے کہ بدن کی طرف روح تو لوٹائی جائے لیکن دنیا کی معہود زندگی کی طرح اعادہ نہ ہو بلکہ محض اس لیے ہو کہ تاکہ اس سے قبر میں سوال و امتحان ہو سکے اور وہ سلام کہنے والوں کے سلام کا جواب دے سکے تو یہ حق ہے اور اس کی نفی غلط ہے اور اس پر نص صحیح اور صریح دلالت کرتی ہے اور یہ زندگی درجہ بدرجہ ہے، سب سے اکمل حیات انبیاء علیہم السلام کی پھر شہداء کی اور پھر دوسروں کی ہے اور یہ زندگی برزخی ہے جس کی حقیقت صرف اللہ تعالےٰ ہی جانتا ہے۔

امام عبدالوہاب الشعرانیؒ لکھتے ہیں کہ:-

وقول الجلال المحلی السابق فترد روح المعذب الی جسدہ کله او مابقی منه اشارۃ للخلاف فی ذلك فان الحلیمی یقول ترد الروح الی جسدہ کله وابن جریر الطبری و امام الحرمین یقولون ترد الروح الی مابقی منه اھ (الیواقیت والجواھر جلد ۲ ص۱۲۹ طبع مصر)

جلال الدین محلیؒ کے سابق قول میں جس میں انہوں نے کہا ہے کہ جس شخص کو سزا دی جاتی ہے اس کے سب بدن میں یا باقی حصّہ کی طرف روح لوٹائی جاتی ہے اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ اس میں اختلاف ہے کیونکہ علامہ حلیمیؒ کہتے ہیں کہ روح پورے بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے اور امام ابن جریر طبریؒ اور امام الحرمینؒ فرماتے ہیں کہ روح بدن کے اس حصّہ کی طرف لوٹائی جاتی ہے جو باقی رہتا ہے (اس سے معلوم ہوا کہ امام ابن جریر طبریؒ فی الجملہ الروح الی البدن کے قائل ہیں)

رئیس المحدثین ابن حجر ثانی حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ (المتوفی ۱۳۵۲ھ) اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:-

ثم لاهل السنة قولان قیل ان العذاب للروح فقط وقیل للروح والجسد والمشهور الثانی اختارہ اکثر شارحی الهدایة وهو المختار وان صار البدن ذرّۃ ذرّۃ فان الشعور لکل شئ عند جمهور الامة وتفرد ابن حزم الاندلسی وقال لا شعور الا للثقلین وقال الصوفیة العذاب للبدن المثالی اھ (العرف الشذی ص۳۵۵)

پھر اہل سنّت کے دو قول ہیں ایک یہ کہ عذاب صرف روح کو ہوتا ہے اور دوسرا یہ کہ روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے مشہور یہی قول ہے اور ہدایہ کے اکثر شارحین نے اسی کو اختیار کیا ہے اور (میرے نزدیک بھی) یہی مختار ہے اگرچہ بدن ذرّہ ذرّہ ہی کیوں نہ ہو جائے کیونکہ جمہور امتؒ کے نزدیک شعور ہر چیز کو ہے ابن حزم اندلسی اس میں متفرد ہیں وہ کہتے ہیں کہ انسانوں اور جنوں کے علاوہ کسی چیز میں شعور نہیں ہے اور صوفیاء اس کے قائل ہیں کہ عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے ۔

اس عبارت میں حضرت شاہ صاحبؒ نے اہل سنت کا ایک قول یہ نقل کیا ہے کہ قبر میں عذاب صرف روح کو ہوتا ہے، آپ پہلے باحوالہ پڑھ چکے ہیں کہ کشتیٔ اہل سنت پر سوار ہونے والوں میں علامہ ابن حزم اندلسیؒ اور ابن ہبیرہؒ (یا ابن جبیرہؒ) ہی اس کے قائل ہیں اور باقی سب اہل سنّت ان کا پر زور ردّ کرتے ہیں جیسا کہ امام

ابن تیمیہؒ علامہ ابن القیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ وغیرہ کے حوالہ سے یہ عرض کیا گیا ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ اس عبارت میں اکثر شراح ہدایہ کا حوالہ دیتے ہیں کہ وہ روح اور جسم دونوں کے معذّب ہونے کے قائل ہیں اور اسی کو انھوں نے اختیار کیا ہے اور یہی قول مشہور ہے اور حضرت شاہ صاحبؒ خود بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں اور فرماتے ہیں وھو المختار اور فیض الباری ج ۲ ص ۴۹۲ میں اسی ثانی قول کے متعلق فرماتے ہیں واہ.قریب عندی الثانی ۔ یعنی میرے نزدیک اقرب الی الحق یہی ثانی قول ہے۔

اور حضرت انور شاہ صاحبؒ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ :۔

ثم السوال عندی یکون بالجسد مع الروح کما اشار الیہ صاحب الھدایۃ فی الایمان اھ (فیض الباری جلد ۱ ص ۱۸۵)

پھر سوال میرے نزدیک جسم سے ہوتا ہے جو روح سے متعلق ہو جیسا کہ صاحب ہدایہ نے کتاب الایمان میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

رہا حضرت شاہ صاحبؒ کا یہ ارشاد — تحقیق آنست کہ معنی حیات تعلق روح بہ بدن است و در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست بلکہ بقائے شعور وادراک روح را بعد از مفارقت از بدن تعبیر بحیات فرمودند۔ (حل مشکلات قرآن ص ۱۳) یہ حوالہ ندائے حق ص ۲۳۵ میں دیا گیا ہے۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ روح کا بدن سے ایسا تعلق جو بدن کی تدبیر اس کی نشوونما اور اس میں تصرف کرے جس پر حیات کاملہ مرتب ہوتی ہے قبر میں وہ تعلق روح کا بدن سے اصلاً نہیں رہتا باقی قبر میں سوال ادراک وشعور عذاب وراحت کی حد تک روح کے جسم عنصری کے ساتھ تعلق کو وہ اقرب اور مختار فرماتے ہیں اور ہمارے خیال میں حضرت شاہ صاحبؒ کے یہ الفاظ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ کے الفاظ کی نقل ہے جس کی بحث پہلے باحوالہ گذر چکی ہے۔

نیز حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں۔

حکایۃ ۔ سمعت ببلدتی کشمیر وانا اذذاک ابن اربع سنین ان رجلین تکلما فی ان العذاب ھل یکون لجسد اوالروح ؟ فاستقر رأیھما علی ان العذاب لھما ثم ضربا لہ مثلاً فقالا ان مثل الجسد مع الروح کمثل اعمٰی واعرج ذھبا الی حدیقۃ لیجنوا من ثمارھا فعجز الاعمٰی

حکایت ۔ میں چار سال کا تھا کہ میں نے اپنے علاقہ کشمیر میں دو آدمیوں کو عذاب کے بارے کلام کرتے سنا کہ کیا عذاب جسم کو ہوتا ہے یا روح کو؟ ان دونوں کی رائے اس پر ٹھہری کہ عذاب دونوں کو ہوتا ہے پھر دونوں نے اس کی مثال بیان کی وہ اس طرح کہ جسم اور روح کی ایسی ہی مثال ہے جیسے اندھا اور لنگڑا جو دونوں ایک باغ میں گئے تاکہ وہاں سے پھل چنیں

ان یراها وعجز الاعرج ان یجنیها فتشاورا فی امرهما فرکب الاعرج علی الاعمٰی فجعل الاعمٰی یذهب به الی الاشجار والاعرج یری الثمار ویجنیها فهذا هو حال البدن مع الروح فان البدن بدون الروح جماد لاحراك له والروح بدون البدن معطلة عن الافعال فاحتاج احدهما الی الآخر فلما اشترکا فی الکسب اشترکا فی الاجر اوالوزر ایضًا وبعد مرور خمس وثلاثین سنة رأیت فی القرطبی عن ابن عباسؓ عین ماقلاه من فطرتهما فانظر هل یمکن مثله من نحو ارسطو؟ کلا ثم کلا

(فیض الباری ج ۳ ص ۱۱۵)

لیکن اندھا دیکھنے سے عاجز تھا اور لنگڑا (کھڑا ہو کر) پھل چننے سے قاصر تھا دونوں نے آپس میں اس بارے مشورہ کیا اور لنگڑا اندھے (کے کندھے) پر سوار ہو گیا اندھا اس کو درختوں کی طرف لے جاتا اور لنگڑا پھل دیکھ کر چن لیتا یہی حال ہے بدن کا روح کے ساتھ کیونکہ بدن روح کے بغیر جماد ہے اس میں کوئی حرکت نہیں اور روح بغیر بدن کے افعال سے معطل ہے اس لیے ایک کو دوسرے کی حاجت ہے جب بدن اور روح کسب میں دونوں شریک ہیں تو اجر یا گناہ میں بھی شریک ہیں پینتیس ۳۵ برس گذرنے کے بعد میں نے یہی بات حضرت ابن عباس رضؓ کے حوالے سے تفسیر قرطبیؒ میں دیکھی جو ان دو آدمیوں نے اپنی فطری ذوق سے کہی تھی تو دیکھ لے کیا ایسی چیز ارسطا لیس وغیرہ (یونانی حکماءؒ) سے ممکن ہے؟ ہرگز نہیں پھر ہرگز نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت شاہ صاحبؒ کو غضب کی ذہانت اور حافظہ عطا فرمایا تھا گو یہ واقع انہوں نے چار سال کی عمر میں سُنا لیکن بخاری شریف پڑھاتے وقت وہ علم کے ناپیدا کنار سمندر میں غوطہ زن تھے لہٰذا اس مبنی بر حقیقت واقعہ سے پہلو تہی کرنا عقلاء کی شان کی خلاف ہے یہ واقعہ تفسیر قرطبی ج صـــ کے علاوہ تفسیر در منثور ج ۵ ص ۲۲۸ اور کتاب الروح ص ۲۲۷ میں بھی حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے۔

مفتی اعظم دیوبند کا فتوٰی: حضرت مولانا عزیز الرحمٰن صاحبؒ (المتوفی ۱۳۴۶ھ) سے اسی سلسلہ کے چند سوالات ہوئے جن کے انہوں نے جوابات دیئے ذیل میں بعض سوال وجواب درج ہیں سوال ۲۱۲۲ زید کہتا ہے کہ مرنے کے بعد قیامت تک انسان کی روح قبر ہی میں رہتی ہے یہ درست ہے یا نہیں؟ سوال ۲۱۲۳ مرنے کے بعد عذاب روح کو ہوتا ہے یا جسم کو یا دونوں کو؟

الجواب (۱) قبر میں بھی روح کا تعلق رہتا ہے اور مستقر اصل اس کا علیین یا سجین ہے۔ (۲) عذاب روح پر مع جسم کے ہوتا ہے جیسا کہ ظاہر احادیث سے ثابت ہے فقط۔

(فتاوٰی دار العلوم مدلل ومکمل جلد پنجم ص ۲۲۶ وص ۲۲۷ طبع دیوبند)

سوال ۲۱۹۴ مرنے کے بعد جو سوال وغیرہ ہوتے ہیں تو روح مرنے کے بعد آسمان پر چلی جاتی ہے پھر قبر میں لائی جاتی ہے یا جسم میں بند کردی جاتی ہے؟ الجواب جسم سے روح کو تعلق رہتا ہے۔ فقط۔ (فتاوی دار العلوم ص۲۶۲ ج۵)

حضرت شاہ صاحبؒ اور پھر مفتی اعظمؒ کی عبارات سے جس جسم کا ثبوت ملتا ہے وہ جسم عنصری کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے جیسا کہ کسی بھی صاحب فہم و بصیرت سے یہ مخفی نہیں ہے مؤلف ندائے حق کا از ص۲۲۳ تا ص۲۳۶ متعدد عبارات (جن میں حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ اور حضرت نانوتویؒ کی بھی ایک عبارت ہے)، نقل کرکے جو اصل مسئلہ سے غیر متعلق ہیں یہ باور کرانا یا مبتدی طالب علموں کو ورغلانا کہ قبر میں حیات جسم عنصری سے متعلق نہیں یا روح کا اس جسم سے تعلق نہیں صرف دفع الوقتی ہے۔

حضرت شاہ صاحبؒ نے صاحب ہدایہ کی جس عبارت کا حوالہ دیا ہے وہ یوں ہے کہ:۔

ومن يعذب فى القبر يُوضع فيه الحيواة فى قول العامة (هدايه جلد۲ ص۴۸۴)

جس شخص کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے تو عام علماء کے قول کے مطابق اس میں حیات ڈالی جاتی ہے۔

فقہاء کرامؒ کے طبقہ میں صاحب ہدایہ (الامام الفقیہ الزاہد علیؒ بن ابی بکرؒ ـــ المتوفی سنہ ۵۹۳ھ) کا مقام اور پایہ بہت بلند ہے ان کے بعد آنے والے فقہاء ان کے علم و تحقیق اور دیانت و امانت اور زہد و تقوی پر کلی اعتماد کرتے ہیں، صاحب ہدایہ کا یہ ارشاد دراصل مشہور اعتراض کا جواب ہے۔ چنانچہ علامہ اکمل الدین محمد بن محمودؒ البابرتی الحنفیؒ (المتوفی سنہ ۷۸۶ھ) اس کی شرح میں لکھتے ہیں کہ:۔

قوله ومن يعذب جواب عما يقال قولكم الا يلام لا يتحقق فى الميت يشكل بعذاب الميت فى القبر وقيّد بقول العامة احترازاً عن قول ابى الحسين الصالحى فان الميت عنده يعذب من غير حيواة ولا يشترط الحيواة لتعذيب الميت انتهى۔

(عنايه برهامش فتح القدير جلد۴ ص۹۹ طبع مصر)

صاحب ہدایہ کا یہ قول کہ جس کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے الخ اس اعتراض کا جواب ہے کہ جب درد و الم میت میں متحقق نہیں ہو سکتا تو قبر میں میت کو عذاب کس طرح ہوگا؟ (تو اس کا جواب یہ دیا کہ قبر میں میت میں حیات ڈالی جاتی ہے اکثر کا یہی قول ہے) اور اکثر کی قید اس لیے لگائی کہ ابو الحسین الصالحی (صالحیہ فرقہ کے سربراہ) کے قول سے احتراز کرنا مقصود ہے کیونکہ اس کے نزدیک میت کو بلا شرط حیات سزا دی جاتی ہے۔

حضرت مولانا انور شاہ صاحبؒ۔ اس سوال کو بھی نظر انداز نہیں کرتے کہ جسم جب ریزہ ریزہ ہو جائے تو اس کو عذاب دینے کا کیا مطلب ہو گا؟ جواب یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

ولا بُعد فی تعذیب الجسد بعد تمزقه فانه یبنی علی عدم الشعور فی الجمادات وهو فی حیّز الخفاء۔ (فیض الباری جلد ۱ ص۱۸۶)	اور اس میں بھی کوئی بُعد نہیں کہ جسم ریزہ ریزہ ہو جائے اور بایں ہمہ اس کو عذاب دیا جائے اس کے خلاف نظریہ اس بات پر مبنی ہے کہ جمادات میں شعور نہیں اور یہ خیال محل نظر ہے۔ بعض علماء جمادات میں شعور مانتے ہیں اور قول اسی پر مبنی ہے جبکہ جمہور اس نظریے کے قائل نہیں کما مرّ عن الخیالیؒ۔

العرض حضرت شاہ صاحبؒ بھی اسی کے قائل ہیں کہ قبر میں سوال اور عذاب و راحت میں روح کیساتھ جسم بھی شریک رہتا ہے اور یہی بات حق اور مختار ہے، عرف شذی کی عبارت کے آخر میں حضرت شاہ صاحبؒ نے صوفیاءؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ عذابِ قبر جسم مثالی کو ہوتا ہے (جو جسد مادی اور عنصری کے اندر داخل ہوتا ہے) اگر جسد عنصری اور مادی ریزہ ریزہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں کیونکہ جسم مثالی تو موجود ہے، گویا صوفیائے کرامؒ نے جسم مثالی کو لے کر ان لوگوں کو جواب دینے کی سعی کی ہے جو جسد مادی اور عنصری کے ریزہ ریزہ ہو چکنے کے بعد عذاب کو اس کے لیے مستبعد سمجھتے ہیں اس مشکل سے صوفیائے کرامؒ نے بزعم خود جان چھڑانے کا یہ سہل طریقہ اختیار کیا ہے لیکن صحیح حدیث مع شواہد، علماء عقائد، شراح حدیث اور فقہاء عظام کی صریح عبارات باحوالہ عرض کی جا چکی ہیں کہ قبر میں سوالِ نکیرین اور عذاب و راحت کے سلسلہ میں روح کے ساتھ جو بدن اور بدن کے اجزاء شریک ہوتے ہیں وہ بدن مادی اور بدن عنصری ہے بالتبع اور ضمنی طور پر بدن مثالی بھی شریک ہو تو ہو مگر جب دلائل اور براہین سے بدن مادی اور عنصری ثابت ہے، جس کے بارے میں متعدد صریح حوالے پہلے عرض کئے جا چکے ہیں تو صوفیاءِ کرامؒ کے نرے بدن مثالی کو قبر میں عذاب و راحت کے لیے ثابت کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت باقی نہیں رہتی، ہاں اگر ان سابق دلائل میں بدن مادی کا ذکر نہ ہوتا یا علماء عقائد میں سے کسی ایک نے بھی صرف بدن مثالی کا تذکرہ کیا ہوتا تو پھر اس پر غور کیا جا سکتا تھا مگر ان دلائل کی موجودگی میں اس نظریہ کی طرف توجہ مبذول کرنے کی ہرگز کوئی ضرورت نہیں ہے، چنانچہ حضرت مولانا سید انور شاہ صاحبؒ صوفیاء کرامؒ کے اس مسلک کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

ثم لا حاجة فی اثبات عذاب القبر الی ما قاله الصوفیة ان العذاب علی البدن المثالی	پھر اثبات عذاب قبر کے لیے اس بات کی کوئی حاجت نہیں جس کو صوفیاء کرامؒ بیان کرتے ہیں کہ عذاب بدن مثالی

دون المادی وحینئذٍ لا بعد ان لم نشاھد احداً یعذب فی قبرہٖ فان الاسھل ان یقال انہ من عالم الغیب واقامۃ الدلائل العقلیۃ علیہ جھل ومن یطیق ذٰلک ؟ اھ

(فیض الباری جلد ۲ ص ۴۷۶)

کو ہوتا ہے نہ کہ بدن مادی کو لہٰذا اگر قبر میں ہم کسی کے عذاب کا مشاہدہ نہیں کر سکتے تو کیا حرج ہے؟ (کیونکہ ہم تو بدن مادی کو دیکھتے ہیں اور عذاب بدن مثالی کو ہوتا ہے) عذاب قبر کے بارے میں آسان بات یہ ہے کہ عذاب اُس عالم میں دیا جاتا ہے جو ہماری نگاہوں سے غائب ہے اور اس پر دلائل عقلیہ کا قائم کرنا نرا جہل ہے اور پھر یہ کس کے بس کا روگ ہے؟

حضرت شاہ صاحبؒ نے تو صوفیاء کرامؒ کے اس بے دلیل قول کو صرف رد ہی کیا ہے لیکن امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد صاحب سرہندیؒ (المتوفی ۱۰۳۴ھ) بعض صوفیاء کرامؒ کے عذاب و ثواب قبر کے بارے میں اس بدن مثالی کے رد میں فاروقی جوش بھی دکھلاتے ہیں، چنانچہ وہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:۔

نزد فقیر قول بنقل روح از قول بتناسخ ساقط تر است زیرا کہ تناسخیہ را از برائے تکمیل نفوس اعتبار کردہ اند اگرچہ ایں اعتبار باطل است و نقل روح را بعد از حصول کمال گمان بردہ اند اگرچہ ہیچ کمال نیست ہرگاہ تبدل ابدان از برائے تحصیل کمالات قرار دادہ باشند بعد از حصول کمال نقل ببدن ثانی برائے چہ بود؟ اہل کمال تماشائی نیستند ہمت ایشاں بعد از حصول کمال تجرد از ابدان است نہ تعلق بابدان زیرا کہ آنچہ مقصود از تعلق بود دست بحصول پیوستہ والیضاً در نقلِ روح اماتت بدن اول است و احیاء بدن ثانی است پس بدن اول را از حصول احکام برزخ چارہ نبود و از عذاب و ثواب قبر گذر نہ و بدن ثانی را چوں حیات ثانی اثبات می نمایند حشر درحق او در دنیا

فقیر کے نزدیک روح کے (بسوئے بدن ثانی حصولِ کمال کیلئے) انتقال کا قول تناسخ کے قول سے بھی ساقط تر ہے کیونکہ انہوں نے تناسخ کو نفوس کی تکمیل کیلئے اعتبار کیا ہے اگرچہ یہ اعتبار باطل ہے اور روح کے انتقال کا گمان حصولِ کمال کے بعد کیا ہے اگرچہ یہ کوئی کمال نہیں ہے جب انہوں نے ابدان کا تبدل کمالات کی تحصیل کے لیے قرار دیا ہے تو کمال کے حصول کے بعد دوسرے بدن کی طرف نقل کس لیے؟ اہل کمال کوئی تماشائی تو نہیں (کہ بدن بہ بدن کا سین بدلتے رہیں) ان کی ہمت تو حصولِ کمال کے بعد ابدان سے تجرد ہے نہ کہ ابدان سے تعلق کیونکہ تعلق سے جو مقصود تھا وہ حاصل ہو گیا ہے اور نیز روح کے انتقال سے پہلے بدن (یعنی مادی و عنصری) کی اماتت اور دوسرے کی احیاء ہوتی ہے سو پہلے بدن (عنصری) کو احکام برزخ کے حصول سے تو کوئی چارہ نہیں اور عذاب و ثواب سے

ثابت گشت (و آں خلاف مقررات عقائد اہلسنت است) انگارم کہ معتقدانِ نقلِ روح معلوم نیست کہ بعذاب و ثواب قبر قائل باشند و بحشر و نشر معتقد بوند افسوس ہزار افسوس ایں قسم بطّالان خود را بمسند شیخی گرفتہ اند و مقتدائے اہل اسلام گشتہ اند ضلّوا فاضلّوا اھ

(مکتوبات دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۵۸ ص ۲۶ طبع امرتسر)

کوئی مخلص نہیں اور دوسرے بدن کے لیے جب وہ دوسری حیات ثابت کرتے ہیں تو اس کے حق میں دنیا ہی میں حشر ثابت ہو گیا (اور یہ اہل السنت کے ثابت شدہ عقائد کے خلاف ہے) بہر حال معلوم نہیں کہ نقل روح کے معتقد کیا قبر کے عذاب و ثواب کے قائل ہیں؟ اور حشر و نشر کے معتقد ہیں! افسوس ہزار افسوس کہ اس قسم کے مسخرے اپنے آپ کو بزرگی کے منبر پر براجمان سمجھتے ہیں اور اہل اسلام کے مقتدا بنے ہوتے ہیں سو وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور انہوں نے لوگوں کو بھی گمراہ کیا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبر میں جو عذاب و ثواب ہوتا ہے اس میں بدنِ اول یعنی بدن عنصری کی پوری مشارکت ہوتی ہے اور اس بدن کو اس سے کوئی چارہ نہیں اور یہ بدنِ اول روح کا آلہ بن کر قبر کے عذاب و ثواب میں برابر کا شریک ہے اور احکام برزخ و قبر میں اس بدنِ اوّل کا برابر دخل ہے اور اس سے اس کے لیے کوئی مخلص نہیں ہے۔ اہل کمال کو جب بدنِ اوّل کی وجہ سے کمال حاصل ہو گیا تو اُن کو کسی اور بدن کی ضرورت نہیں۔

نوٹ: مؤلف تسکین القلوب نے ص ۹۳ میں آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے بدن مبارک کے ساتھ روح اطہر کے عدم تعلق پر حضرت مجدّد الف ثانی رہ کی اس عبارت میں خط کشیدہ عبارت کو درمیان اور کمر سے پکڑ کر استدلال کیا ہے حالانکہ یہ عبارت تو عوام الناس کے بدنِ اول یعنی بدن عنصری کی روح کے ساتھ عذاب و ثواب میں مشارکت بتلا رہی ہے جب عوام کے حق میں ایسا ہے تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کی روح مبارک کا بدن اطہر سے تعلق کیوں نہ ہوگا؟ اور معاذ اللہ تعالیٰ وہاں لا تعلق کیسے ثابت ہوگی؟

اور حضرت مجدّد صاحب رح دوسرے مقام پر عالم مثال کی بحث کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ:-

عذاب قبر ازیں قبیل نیست کہ حقیقت عقوبت است نہ صورت و شبہ عقوبت

(مکتوبات دفتر سوم ص ۵۸)

عذابِ قبر عالم مثال کے قبیل سے نہیں ہے کیونکہ عذاب قبر خود ایک حقیقت ہے نہ کہ عذاب کی صورت اور اس کی مثال اور شبیہ۔

اور ایک اور مقام پہ تحریر فرماتے ہیں کہ:-

و آنچہ او علیہ و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات از

اور آنحضرت صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے (آپ پر اور آپ کی

احوال آخرت خبر دادہ است ہمہ حق است
از عذاب گور و ضغطۂ آن و سوال منکر و نکیر
دراں و فنائے عالم و انشقاق سمٰوٰت و انتشار
کواکب و برداشتن زمین و کوہہا و پارہ پارہ شدن
اینہا و حشر و نشر و اعادۂ روح بجسد و زلزلۂ ساعت
و ہول قیامت و محاسبۂ اعمال و شہادت جوارح
باعمال مکتسبہ اھ
(مکتوبات دفتر دوم حصہ ہفتم مکتوب ۶۷ صہ ۴۵)

اہل پر صلوات و تسلیمات ہوں) احوالِ آخرت کی جو خبر دی ہے وہ سب حق ہے مثلاً عذابِ قبر، قبر کی تنگی، قبر میں منکر و نکیر کا سوال۔ جہاں کا فنا ہونا۔ آسمانوں کا پھٹ جانا۔ ستاروں کا بکھر جانا۔ ستاروں کا بکھر جانا۔ زمین اور پہاڑوں کا اپنی جگہ سے اُٹھ جانا۔ اُن کا ریزہ ریزہ ہو جانا۔ حشر و نشر۔ اعادۂ روح بجسد۔ قیامت کا زلزلہ۔ قیامت کا ہولناک منظر۔ اعمال کا محاسبہ اور اعضا کا اپنے کئے ہوئے اعمال کے بارے میں گواہی دینا (وغیرہ وغیرہ)

اس عبارت میں حضرت مجدد الف ثانیؒ نے حرفِ واو کے ساتھ جس میں ترتیب ملحوظ نہیں ہوتی بلکہ صرف جمع کے لیے آتا ہے مرنے کے بعد کے اُن متعدد اُمور کا تذکرہ فرمایا ہے جن کی خبر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے دی ہے جن میں عذابِ قبر۔ قبر کی تنگی۔ سوال منکر و نکیر اور اسی طرح دیگر متعدد اُمور کے علاوہ اعادۂ روح بجسد کا خصوصیت سے ذکر فرمایا ہے، اور اس جملہ میں حدیث کے اُن الفاظ کو ادا کیا گیا ہے جو فتعاد روحہ فی جسدہ کے ساتھ وارد ہوئے ہیں، اور یہ ارشاد قبر کے عذاب و ثواب کے بارے میں عام مُردوں کے متعلق ہے حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متعلق وہ صاف لفظوں میں یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ الانبیاء یصلون فی قبورھم جیسا کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اپنے مقام پر یہ حوالہ آئیگا حضرت مجدد الف ثانیؒ کی ایسی اور اتنی واضح تصریحات۔۔۔ کے باوجود بھی اگر کوئی شخص یہ بے بنیاد دعویٰ کرے کہ حضرت مجددؒ صاحب عام لوگ تو درکنار، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے تعلق نہیں تسلیم کرتے ان پہ ایک افتراء اور علم و انصاف کا خون کرنا ہے، جو انصاف اور علم کی دُنیا میں سرے سے قابلِ سماعت ہی نہیں ہے۔

فائدہ :۔ ہم نے تسکین الصدور میں یہ دعوےٰ کیا تھا کہ کسی اسلامی کتاب میں اس کا ثبوت نہیں مل سکتا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ وسلم کی روح مبارک کا آپ کے جسد اطہر سے قبر شریف میں کوئی تعلق اور اتصال نہیں اور یہ کہ آپ عند القبر صلوٰۃ و سلام کا سماع نہیں فرماتے (محصلہ) اس کا جواب نہ تو مؤلف ندائے حق دے سکے ہیں اور نہ کوئی اور مؤلف تسکین القلوب نے صہ ۹۳ و صہ ۹۴ میں پہلے یہ لکھا ہے کہ۔ مناسب

تو یہ تھا کہ ایک لمبی بحث لکھ کر مولوی صاحب کو یہ تنبیہ کر دی جاتی کہ زندگی بھر آئندہ ایسا دعویٰ نہ کریں اھ ص ۹۳ اور اس کے بعد اپنے اس بے بنیاد دعویٰ پر تین عبارتیں بطور دلیل کے پیش کی ہیں (۱) حضرت شاہ عبد العزیز صاحب محدث دہلویؒ کی عبارت و در قبر اصلاً تعلق روح بہ بدن نیست اھ جس کی پوری تشریح ہم نے خود ان کی اپنی عبارات کی روشنی میں عرض کر دی ہے (۲) حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کی وہ خط کشیدہ عبارت جو اوپر بیان ہوئی جس سے ان کے دعویٰ کا ردّ ثابت ہوتا ہے (۳) حضرت مجددؒ الف ثانیؒ کے مکتوبات ج ۲ ص ۱۷ کی وہ عبارت جس کا ان کے دعویٰ سے کوئی تعلق نہیں ہے اس عبارت میں انہوں نے تصوف کے رنگ میں ولایت محمدی اور ولایت احمدی کا ذکر کیا ہے اس میں قبر شریف میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کے جسد اطہر سے عدم تعلق کا قطعاً اور یقیناً کوئی ثبوت نہیں یہ الگ بات ہے کہ مؤلف تسکین القلوب نے اس عبارت کے ترجمہ میں جگہ جگہ بین القوسین اپنی ذہنی تشریح کو داخل کر کے بزور اپنا مطلب کشید کرنے کی ناکام کوشش اور کاوش کی ہے اور آخر میں بات ٹالنے اور جان چھڑانے کے لیے یوں ارشاد فرمایا ہے وتشریحہ مقام آخر گویا ان کے نزدیک جہاں بیان اور شرح کی انتہائی ضرورت ہے وہ بیان کا مقام ہی نہیں لیکن اگر بالفرض اس عبارت سے مؤلف تسکین القلوب کی مراد ہی لی جائے تو مندرجہ ذیل امور کا جواب ان کے ذمہ لازم ہے ۱ اس عبارت کا ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لیکن اثر اس تعیین (تعلق بالبدن) کا کچھ باقی تھا ہزار سال چاہیئے کہ وہ اثر زائل ہو الخ ص ۹۴ اس سے معلوم ہوا کہ ہزار سال تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کا تعلق بدن مبارک سے رہا اگر زائل ہوا تو بعد کو ہوا تو ان کو بھی لازم ہے کہ دعویٰ یوں کریں کہ ہزار سال کے بعد تعلق منقطع ہوا ۲ وہ عام اموات کے ارواح کے ان کے ابدان عنصریہ کے ساتھ تعلق قائم رہنے کے بارے میں حضرات فقہاء کرامؒ اور متکلمینؒ کے مطابق فتویٰ دے چکے ہیں کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا معاملہ اس فتویٰ سے الگ ہے؟ (۳) خود مؤلف تسکین القلوب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی روح مبارک کا جسد اطہر سے مجہول الکنہ تعلق تسلیم کیا ہے کیا انہوں نے حضرت مجددؒ صاحبؒ کی اس عبارت کی خلاف ورزی نہیں کی؟ یا یہ راقم کے لیے وقف ہے کہ ص ۱۱۲ میں لکھا کہ اس نے حضرت مجدد الف ثانیؒ کی رائے گرامی ٹھکرا دی (محصلہ) للہ کچھ تو فرمائیے کہ بات کیا ہے تسکین الصدور کا چیلنج ابھی تک برقرار ہے اور انشاء اللہ العزیز قیامت تک رہے گا اس کا ابھی تک کوئی جواب نہیں ملا۔

الغرض عذاب اور راحت قبر کے بارے میں بدن مثالی کا قول جن حضرات نے اختراع کیا ہے وہ محض معتزلہ وغیرہ باطل فرقوں کے قوی اشکال سے ایک مخلص ہے اور بلا ضرورت ہے عذاب و ثواب جو کچھ ہے وہ بدن

مادی اور عنصری سے وابستہ ہے اور جمہور محدثین و متکلمین اور فقہاء اسی کے قائل ہیں جیسا کہ باحوالہ یہ بات عرض کی جا چکی ہے اور حدیث سے بھی یہی کچھ ثابت ہے، رأس الموحدین حامیِ سنت ماحیِ بدعت حضرت مولانا حسین علی صاحبؒ (المتوفی ۱۳۶۳ھ) عذاب اور راحت قبر پر بحث کرتے ہوئے اپنی کتاب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

فیجوز ان یقع المسئلة والعذاب والتنعیم ببعض جسد المؤمن والکافر دون بقیة اجزائه وقیل ان اللہ یجمع تلک الاجزاء المتفرقة للضغطة وللمسئلة کما یفعل ذلک للحشر (تحریرات حدیث ص۲۵۷)

سو جائز ہے کہ قبر میں سوال و عذاب اور راحت مومن اور کافر کے بعض جسم سے وابستہ اور متعلق ہو نہ کہ سب اجزاء سے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قبر کی تنگی اور سوال کے لیے ان متفرق اجزاء کو جمع کر دیتا ہے جیسا کہ وہ حشر کے دن ایسا کرے گا۔

علم کلام کی مشہور اور متداول کتابوں کے حوالہ سے یہ بات پہلے عرض کی جا چکی ہے کہ قبر میں روح کا جسم سے اس قدر تعلق کافی ہے جس سے فہم خطاب اور رد جواب متحقق ہو اور الم و راحت کا ادراک و شعور ہو سکے اور اس کے لیے تمام جسم کی حیات ضروری نہیں بلکہ اگر روح کا تعلق باطن قلب یا بدن مادی کے اجزاء سے پروردگار کو منظور ہو قائم کر دے تو مطلب پورا ہو جاتا ہے انہی عبارات کے پیش نظر حضرت مرحوم بعض جسد المؤمن و الکافر کی قید لگاتے ہیں اور یہ نہیں فرماتے کہ عذاب و آرام صرف روح کو ہوتا ہے یا محض بدن مثالی کو جب مطلق لفظ جسد بولا جاتا ہے تو شرعاً عقلاً و عرفاً اس سے بدن مادی اور عنصری ہی مراد ہوتی ہے اگر بدن مثالی کی مشارکت بھی ہو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں کما مرّ مگر ہاں یہ زندگی دنیا کی حسی حیات سے جدا ہے۔ چنانچہ علامہ ابن عبد الہادیؒ لکھتے ہیں کہ:۔

وفی الجملة رد الروح علی المیت فی البرزخ ورد السلام علی من یسلم علیه لا یستلزم الحیاة التی یظنها بعض الغالطین وان کان نوع حیاة برزخیة وقول من زعم انها نظیر الحیوٰة المعهودة مخالف للمنقول والمعقول الخ (الصارم المنکی ص۱۸۷)

اور خلاصہ یہ ہے کہ برزخ میں میت کی طرف روح کا لوٹنا اور اس کا سلام کرنے والوں کو جواب دینا اس حیات کو مستلزم نہیں جس کو بعض مغالطہ کا شکار ہونے والوں نے سمجھا ہے اگرچہ یہ برزخ کی حیات کی ایک قسم ہے اور جن لوگوں نے یہ کہا ہے کہ وہ (دنیا کی) معہود زندگی کی طرح ہے ان کا قول نقل و عقل کے مخالف ہے۔

کیونکہ نہ تو اس میں میت کی حیات محسوس ہوتی ہے اور نہ وہ جنبش و حرکت کرتی ہے اور ایسی زندگی جس کو کامل اور مطلق حیات کہتے ہیں وہ قبر اور برزخ میں نہیں ہوتی۔ ایسی زندگی دنیا میں ہوتی ہے اور پھر آخرت کو ہوگی۔

قارئین کرام! ہم نے اس باب میں آپ کا خاصا وقت لیا ہے، حوالے اگرچہ ابھی اور بھی کافی موجود ہیں۔ مگر ہمارا مقصد تمام حوالوں کا استیعاب نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ صریح اور صحیح حدیث کی روشنی میں ائمہ دینؒ، متکلمینؒ، فقہاءؒ اور شراح حدیث نے جو کچھ سمجھا وہ یہ ہے کہ قبر میں نکیرین کا سوال اور عذاب و راحت بدن مادی و عنصری اور اس کے اجزاء اور روح دونوں سے وابستہ ہے اور صرف روح یا صرف بدن کی سزا کے جمہور اہل اسلام ہرگز قائل نہیں ہیں صرف روح کے عذاب کے علامہ ابن حزمؒ اور ابن میسرہؒ یا ابن ہبیرہؒ قائل ہیں اور جمہور ان کے خلاف ہیں اور بدن من غیر روح کے معذب ہونے کے محمد بن جریر کرامی اور ان کے اتباع قائل ہیں۔ اب اگر کوئی شخص یہ دعوٰے کرے کہ جس عذاب و ثواب کا ذکر نصوص یا احادیث و آثار میں آتا ہے دراصل اس کا محل روح ہی ہے۔ یا یہ کہے کہ، ہمارا عقیدہ ہے کہ مردہ کا بدن خواہ ریزہ ریزہ ہو جائے تب بھی عذاب قبر بغیر روح کے ہے۔ تو قطعاً یہ قول مردود ہوگا اور یہ دونوں قول جمہور اہل سنت کے ہرگز نہیں ہیں اور یہ دلائل کے رو سے غلط ہیں اور حق جمہور کے ساتھ ہے۔

غیر مقلدین حضرات

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس مقام پر بعض غیر مقلدین حضرات کے اقوال بھی عرض کر دیں کہ قبر و برزخ میں حیات کا تعلق جسم سے متعلق ہوتا ہے اور یہ حیات صرف روح ہی کی نہیں ہوتی :۔

(۱) محمد بن علی بن محمد المعروف بہ القاضی الشوکانیؒ (المتوفی سنہ ۱۲۵۵ھ) لکھتے ہیں کہ :۔

وورد النص فی کتاب اللہ تعالٰی فی حق الشھداء انھم احیاء یرزقون وان الحیوٰۃ فیھم متعلقۃ بالجسد فکیف بالانبیاء والمرسلین اھ (نیل الاوطار جلد ۳ ص ۲۶۴ طبع مصر)	اور اللہ تعالٰی کی کتاب میں صراحت سے شہداء کے بارے میں آیا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور انکو رزق ملتا ہے اور بلاشبہ یہ حیات ان کے جسم سے متعلق ہے تو حضرات انبیاء و مرسلین علیہم السلام کی حیات بطریق اولی اجسام سے متعلق ہوگی۔

قاضی صاحبؒ نے اس عبارت میں تصریح کر دی ہے کہ حضرات شہداءؓ کی حیات محض روحانی ہی نہیں بلکہ حیات ان کے اجساد و اجسام سے متعلق ہے، اور یہی کچھ قاضی صاحبؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ :۔

معنی الآیۃ عند الجمھور انھم احیاء حیوٰۃ محققۃ ثم اختلفوا فمنھم من یقول انھا ترد	اس آیت کا معنی جمہور کے نزدیک یہ ہے کہ شہداء کو حقیقی حیات حاصل ہے پھر اس کی تعبیر میں اختلاف

ایھم ارواحھم فی قبورھم فیتنعمّون وقال مجاھد یرزقون من ثمر الجنة ای یجدون ریحھا و یسوا فیھا وذھب من عدا الجمھور الی انھا حیواۃ مجازیة والمعنی انھم فی حکم اللہ مستحقون للتنعم فی الجنة والصحیح ھو الاوّل ولا موجب للمصیر الی المجاز اھ

(تفسیر فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۶۵ طبع مصر)

واقع ہوا ہے، ان میں سے بعض کہتے ہیں کہ قبروں میں ان کی روحیں ان کی طرف لوٹا دی جاتی ہیں اور ان کو راحت پہنچائی جاتی ہے۔ اور مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ ان کو جنت کا رزق ملنے کا یہ معنی ہے کہ وہ جنّت کے پھلوں کی خوشبو محسوس کرتے ہیں نہ یہ کہ ان کو حاصل ہوتے ہیں اور جمہور کے علاوہ دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ ان کی حیات مجازی ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جنّت کے عیش کے مستحق ہوتے ہیں لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے اور مجازی معنی لینے کی کوئی مجبوری نہیں ہے۔

اور پھر آگے یُرْزَقُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

والمراد بالرزق ھھنا ھو الرزق المعروف فی العادات علی ماذھب الیه الجمھور کما سلف۔ (فتح القدیر جلد ۱ ص ۳۶۵)

اس مقام پر رزق سے وہ رزق مراد ہے جو عادۃً لوگوں کے ہاں رزق معروف ہے۔ اور اسی کے جمہور قائل ہیں۔ جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے۔

ان عبارات میں قاضی صاحبؒ موصوفؒ نے شہداء کے لیے حقیقی حیات اور اس کے لوازمات تسلیم کئے ہیں لیکن اس کا تعلق چونکہ درحقیقت اس عالم سے ہے جو ہماری مادی نگاہوں سے اوجھل ہے اس لئے اگر کسی شہید کی قبر میں ہمیں حقیقی حیات اور اس کے آثار اور رزق اور اس سے ان کا انتفاع محسوس نہیں ہوتا تو یہ کوئی انکار کی بات نہیں آخر اس جہان میں جنّات بھی ہیں اور فرشتے بھی لیکن باوجود موجود ہونے کے وہ ہمیں نظر نہیں آتے تو کیا معاذ اللہ ان کا انکار کر دینا چاہیئے؟ صحیح حدیث سے ثابت ہے کہ ایک ہی لحاف میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آرام فرما ہوتی تھیں حضرت جبرائیل علیہ السلام آکر آپ کو وحی سنا جاتے تھے اور حضرت عائشہؓ کو آپ کے بتلائے بغیر اطلاع تک نہ ہوتی تھی حتّٰی کہ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے سلام کی خبر بھی نہ ہوئی اور وہ کہنے پر مجبور ہوئیں کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام کو میرا سلام ارشاد فرمائیں کیونکہ آپ کو وہ نظر آتے ہیں اور میں نہیں دیکھ سکتی۔ اگر کسی وقت اللہ تعالیٰ

خرق عادت کے طور پر شہدا کی حیات کے کچھ آثار مادی نگاہوں کو بھی دکھا دے تو باعث تعجب تو ہو سکتا ہے مگر محل انکار نہیں، حضرت امام مالکؒ (المتوفی ۱۷۹ھ) اپنی کتاب مؤطا میں (جو کتب حدیث کے طبقۂ اولیٰ یں شمار ہوتی ہے) یہ واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنو سلمہ کے دو بزرگ انصاری حضرت عمروؓ بن الجموح اور حضرت عبداللہؓ بن عمرو جب غزوۂ احد میں شہید ہوئے تو ان دونوں کو ایک ہی قبر میں دفن کر دیا گیا کچھ عرصہ کے بعد پہاڑی نالہ نے اپنا رُخ اُن کی قبر کی طرف موڑ دیا اور ان کی قبر کا ایک حصّہ بہ گیا بامر مجبوری ۔

حفر عنهما ليغيرا من مكانهما فوجدا م يتغيرا كانهما ماتا بالامس وكان حدهما قد جرح فوضع يده على جرحه فدفن وهو كذلك فاميطت يده عن جرحه ثم ارسلت فرجعت كما كانت وكان بين احد وبين يوم حفر عنهما ست واربعون سنة ۔

(موطا امام مالک ص۱۷۷)

انکی قبر کو کھودا گیا تاکہ ان کو وہاں سے منتقل کر دیا جائے جب قبر کھودی گئی تو وہ بالکل صحیح و سالم تھے گویا کہ کل ان کی وفات ہوئی ہے اور ان میں سے ایک زخمی ہوا تھا سو اس نے اپنا ہاتھ اپنے زخم پہ رکھ دیا تھا اور اسی حالت میں ان کو دفن کر دیا گیا تھا قبر سے نکالنے کے بعد ان کا ہاتھ زخم سے ہٹا دیا گیا اور کھلا چھوڑ دیا گیا مگر وہ ہاتھ پھر بدستور زخم پہ جا ٹکا ما غزوۂ احد اور ان کی قبر کھودنے کے درمیان چھیالیس ۴۶ سال کا عرصہ گذرا تھا۔

جسم عنصری کے ساتھ حیات شہدا کی یہ ایک بیّن مثال اور واضح دلیل ہے مگر یہ ضروری اور قاعدہ نہیں کہ ہر وقت ہر شہید سے ہر ایک کو ایسی حالت نظر آئے ہاں قدرتِ خداوندی سے ایسے واقعات بعید نہیں یں کہ کسی وقت وہ لوگوں کے ایمان و ایقان بڑھانے کے لیے ایسا دکھلا دے ۔

(۲) نواب صدیق حسن خان صاحبؒ (المتوفی ۱۳۰۷ھ) احوال برزخ پہ بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :-

جملہ اموات از مؤمنین و کفار از حصول علم شعور و ادراک و سماع و عرض اعمال و رد جواب زائر برابر اند تخصیص بانبیاء و صلحاء نیست

(دلیل الطالب ص۸۸۶)

اور تمام مُردے عام اس سے کہ وہ مومن ہوں یا کافر علم، شعور، ادراک، سُننے اعمال کے پیش ہونے اور زیارت کنندہ کے سلام کا جواب دینے میں برابر اور یکساں ہیں اس میں حضرات انبیاء علیہم السلام اور صلحاء کی کوئی تخصیص نہیں ہے۔

ظاہر بات یہ ہے کہ زیارت کنندہ اور مُردوں پر سلام کہنے والا جنت اور دوزخ یا علیین اور سجین میں

ارواح کے پاس زیارت کرنے اور سلام کہنے نہیں جایا کرتا وہ اگر زیارت کرتا ہے تو حسّی قبر کی کرتا ہے اور اگر سلام کہتا ہے تو اس قبر کے پاس جس میں میّت کا جسمِ مادی اور بدنِ عنصری مدفون ہوتا ہے اور بقول نواب صاحب رح میّت کو زائر کے سلام وغیرہ کا ادراک و شعور ہو جاتا ہے ۔ اور اس صفت میں مؤمن و کافر سب برابر ہیں کسی کی کوئی تخصیص نہیں ہے اگر روح کا جسم سے کوئی تعلق نہ ہو تو بے جان ڈھانچے کو ادراک و شعور کیسے ہو جاتا ہے اور وہ سلام کیسے سنتا ہے اور جواب کیونکر دیتا ہے ؟ اس تحقیق کے ہوتے ہوئے ایک غیر ذمہ دار غیر مقلد بھائی کا یہ کہنا کیونکر صحیح ہو سکتا ہے کہ روح کے جسم سے انفصال (خروج) یا علیٰحدہ ہونے کے بعد جسم انسانی زندگی کی تمام صلاحیتوں یعنی حس و حرکت نطق و سماع اور بینائی وغیرہ سے یکسر محروم و بالکل قاصر یا محض ایک مجسّمہ اور ڈھانچہ ہو کر رہ جاتا ہے اور اس کے ساتھ ہی کتاب و سنّت کا متفقہ فیصلہ اور اہل السنت والجماعت کا مسلّمہ مسئلہ ہے کہ روح اور جسم کا جو انفصال یا علیٰحدگی بصورت موت واقع ہوئی ہے یہ تا قیامت باقی رہیگی الخ

آپ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ کتاب و سنت اور اہل سنت والجماعت کے اکابر کا فیصلہ قطعاً اس کے خلاف ہے جو گذشتہ اوراق میں باحوالہ گذر چکا ہے۔ اور ان غیر مقلد صاحب کا یہ کہنا سراسر غلط ہے ۔

باب پنجم

وفاتِ[1] حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسّلام قطعی امر ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی جاندار مخلوق کے لیے جو محکم اور اٹل فیصلہ صادر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ:۔

کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ط (پ۴۔ آل عمران) ہر نفس موت چکھنے والا ہے۔

اور اس ضابطہ سے کوئی مستثنیٰ نہیں نہ پیغمبر اور نہ شہید اور نہ کوئی اور جلد ہو یا بدیر ہر ایک پر موت وارد ہو کر رہیگی۔

---

[1] حضرت مولانا غلام غوث صاحب ہزاروی دامت برکاتہم کا ارشاد گرامی قدر جو ملتان میں علماء کرام کے سامنے انہوں نے لکھا۔

موت الانبیاء علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کو پیدا فرمایا۔ اس دنیا میں کسی کو دوام نہیں۔ آیۃ کریمہ **کل من علیہا فان** کے مطابق ہر ایک کو یہاں سے جانا ہے، ہر آدمی کو مرنا ہے، اس سنۃ اللہ سے کوئی ولی اور کوئی نبی بھی مستثنیٰ نہیں ہے۔ حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے سید الانبیاء والمرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کو بھی ارشاد فرمایا اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّھُمْ مَّیِّتُوْنَ۔ (اے پیغمبر بلاشبہ آپ کو بھی موت آنی ہے اور ان کو بھی موت آنی ہے) چنانچہ اس ارشاد کے مطابق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کا بھی وصال ہوا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ کی تجہیز و تکفین کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ کا خلیفہ منتخب فرمایا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہودی سازش سے بچا کر اللہ تعالیٰ نے دوسرے آسمان پر اٹھالیا جواب تک (باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اور تمام حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر یہ گھڑی آکر رہی بجز حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کہ وہ ابھی تک آسمان دوم پر زندہ ہیں اور قیامت کے قریب دمشق کی جامع مسجد کے مشرقی سفید مینار پر صبح کے وقت نازل ہوں گے اور دجّال لعین کو قتل کریں گے پھر چالیس[۴] سال تک زمین پر حکومت کریں گے اس کے بعد

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) زندہ ہیں اور قرب قیامت میں تشریف لاکر دجّال کو قتل کر کے چالیس سال زندہ رہیں گے، اور آخر کار وفات پاکر مدینہ منوّرہ میں روضۂ اطہر میں دفن ہوں گے۔

بہرحال كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ کے قاعدہ کلیہ سے کوئی آدمی، جن، ولی اور نبی مستثنیٰ نہیں ہے۔ نہ اس میں کسی کو اختلاف ہے، نہ بحث، البتہ دو باتوں میں بحث ہے، ایک یہ کہ مرنے کا معنیٰ کیا ہے، اس کا طریقہ کیا ہے۔ اور کیا سب کی موت ایک ہی طریقہ سے ہوتی ہے یا کچھ فرق بھی ہوتا ہے۔

دوسرا یہ کہ مرنے کے بعد قبر میں پھر زندگی ہوتی ہے یا نہیں وہاں روح کا کوئی تعلق جسم کے ساتھ رہتا ہے یا۔

پہلی بات موت کا مفہوم۔

عرفِ عام میں موت جان نکل جانے کا نام ہے، یعنی جب روح جسم سے نکل جاتی ہے تو اس کو موت کہتے ہیں۔ علماء نے موت کا معنیٰ کیا ہے کہ روح کا تعلق جسم سے منقطع ہوجائے۔ قرآن وحدیث کے نصوص و اشارات سے معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت روح نکالی جاتی ہے۔ آسمانوں کی طرف لے جائی جاتی ہے۔ پھر اپنی مقرر جگہ پر رکھی جاتی ہے۔ بعض روایات میں ہے کہ قبر کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔ مگر جب تک ہم روح کی حقیقت نہ جان لیں اور یہ نہ سمجھ جائیں کہ جسم میں روح کے داخل ہونے یا تعلق رکھنے کی کیفیت کیا ہے ہم اس کے نکل جانے اور تعلق منقطع ہونے کا مطلب بھی پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ اور جب ہمیں روح کی حقیقت معلوم نہیں ہے تو اس کی صفات وافعال کا ادراک عقل سے کیسے کیا جاسکتا ہے۔

موت طاری ہونے پر ایمان لانا ضروری ہے اور یہ ماننا بھی لازم ہے کہ موت سے روح کا تعلق جسم سے منقطع ہوجاتا ہے اور وہ اس جسم میں تصرفات نہیں کرسکتی لیکن یہ انقطاع تعلق کیسے ہوتا ہے۔ عام لوگوں میں کہا جاتا ہے کہ انقطاع تعلق یوں ہوتا ہے کہ روح جسم سے نکل جاتی ہے۔ عام خیال یہی ہے۔

موت کا دوسرا مفہوم

مگر انبیاء علیہم السلام کی موت کے بارہ میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ بانیٔ دارالعلوم دیوبند

(باقی حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

مدینہ طیبہ میں ان کی وفات ہوگی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ مبارک میں دفن کئے جائیں گے۔ (علی الترتیب ملاحظہ ہو مسلم جلد ۲ ص ۴۰۱ و مسند طیالسی ص ۳۳۵ و وفاء الوفا ج ۱ ص ۳۹۷) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ ۝ (پ ۲۳ - الزمر ۳۰)

صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ حیات انبیاء علیہم السلام کی ذاتی صفت[1] ہے اور اوروں کی عارضی۔ اس لیے پیغمبروں سے حیات کا انقطاع نہیں ہوتا۔ اور نہ روح نکلتی ہے۔ بلکہ جسم سے سمٹ کر دل میں مرکوز ہو جاتی ہے اس طرح اس کا تعلق جسم سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ جسم میں عام دنیوی زندگی کی طرح تصرفات نہیں کرتی نہ دنیوی امور میں مشغول اور نہ مکلف ہوتی ہے روح کے سمٹ جانے سے جسمانی حواس معطل ہو جاتے ہیں یہی انبیاء علیہم السلام کی موت ہے۔ جس کے بعد وہ اوروں کی طرح دنیا سے منقطع ہو کر اوروں کی طرح قبروں میں دفن کر دیئے جاتے ہیں۔ جہاں اسی روح سے ان کے مبارک اجسام میں ادراک و احساس موجود ہوتا ہے۔ حضرت مولانا اپنی اس تحقیق کو اوروں پر ٹھونسنا نہیں چاہتے فرماتے ہیں کہ موت کا اقرار تو ضروری ہے جیسے کہ آیات میں موت واقع ہو جانے کی خبر قبل از وقت دی گئی تھی۔ مگر انبیاء کی موت کا وقوع اس طرح پر ہوا کرتا ہے۔

قطب زماں حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ نے حضرت مولانا نانوتویؒ کی تحقیق کی داد دی ہے ان کو اللہ تعالیٰ نے خاص فہم و ذکا عطا فرمایا تھا، جب ہم قرآن پاک کی اس آیت کریمہ پر نظر کرتے ہیں۔ (تو) مولانا نانوتویؒ کی تائید (ہوتی ہے)

اللہ روحوں کو موت کے وقت قبض کرتے ہیں اور جن کو موت نہیں	اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی
ہوتی ان کو بھی سوتے وقت قبض کر لیتے ہیں، پھر جس کی موت	لم تمت فی منامہا فیمسک التی قضیٰ
کا فیصلہ کیا ہو اس کو روک لیتے ہیں اور دوسری (قسم کی روح)	علیہا الموت ویرسلُ الاُخریٰ۔
کو چھوڑ دیتے ہیں۔	(پ ۲۴، سورۂ زمر ۴۲)

اس آیت کریمہ نے تصریح فرما دی ہے کہ روح جیسے موت کے وقت قبض ہوتی ہے اسی طرح نیند کی حالت میں بھی قبض ہوتی ہے۔ پھر موت والی روک دی جاتی ہے اور نیند والی چھوڑ دی جاتی ہے۔ گویا روح نیند میں بھی قبض ہوتی ہے۔ مگر باوجود اس کے کہ سونے والا سانس لیتا ہے۔ زندہ سمجھا جاتا ہے۔ اور روح (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر

---

[1] یعنی اولاً و بالذات حیات دنیا میں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہوتی ہے۔ اور دوسروں کو بالعرض اور آگے حضرت مولاناؒ کے بیان میں آرہا ہے کہ یہ حیات اللہ تعالیٰ کی عطا ہوتی ہے۔

بے شک تجھے بھی مرنا ہے اور وہ بھی مرجائیں گے۔

اور دوسرے مقام پہ یوں ارشاد ہوتا ہے کہ:۔

اَفَائِنْ مِّتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ۔ (پ۱۷، الانبیاء ۲۰) پھر کیا اگر تو وفات پا جائے تو وہ رہ جائیں گے؟

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) اس کے اندر موجود سمجھی جاتی ہے۔ حالانکہ قرآن کا ظاہر یہ ہے کہ پہلے روح قبض کی جاتی ہے بعد میں چھوڑ دی جاتی ہے۔ روح کا تعلق و اتصال سب امور متشابہات میں سے ہیں انکی صحیح کیفیت کے بارہ میں کوئی جزم سے نہیں کہا جا سکتا۔ پھر اگر حضرت مولانا نانوتویؒ کے ارشاد کے مطابق اگر روح سمٹ کر جسم کے اندر تصرفات سے علیحدہ ہو جائے جس سے سارے حواس معطل ہو جائیں اور اسی کو انقطاع تعلق یا قبض روح سمجھا جائے اس میں کونسا اشکال لازم آتا ہے۔ سکتہ کی بیماری میں بسا اوقات سانس تک نہیں چلتا نہ نبض چلتی ہے نہ دل کی حرکت محسوس ہوتی ہے پھر بھی بیمار زندہ ہوتا ہے۔ اور روح اس کے اندر سمجھی جاتی ہے۔ بہر حال قرآن پاک نے موت کی خبر دی ہے، اس کے وقوع میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، البتہ موت تعطل حواس اور انقطاع تعلق کی صورت کیا ہوتی ہے؟ اس کی ایک صورت یہ ہے کہ روح نکل جائے، ایک یہ ہے کہ سمٹ جائے جیسے ایک کمرے میں چراغ جل رہا ہے اس پہ برتن اوندھا کر کے رکھ دیا یا اس کو صندوق میں بند کر دیا بس اس کا تعلق کمرے سے منقطع ہو جاتا ہے۔

دوسری بات، قبر کی زندگی

عام اہل اسلام کا ارشاد ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں بعضوں کو عذاب بعضوں کو راحت ہوتی ہے اس عذاب قبر وغیرہ کا ماننا تواتر کی وجہ سے ضروری ہے، اسی لیے یہ ماننا پڑتا ہے کہ قبر میں میت کو راحت و تکلیف کا احساس و ادراک ہوتا ہے۔

مگر انبیاء علیہم السلام کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وہ قبروں میں زندہ ہیں۔ نمازیں پڑھا کرتے ہیں۔ قریب سے درود و سلام سنتے اور اس کا جواب بھی دیا کرتے ہیں۔ اس کتاب میں اس مسئلہ پر مفصل بحث کی جا رہی ہے۔

بعض اصحاب کی کم علمی

یہاں سے ان حضرات کی کم علمی واضح ہو جاتی جو مسئلہ حیات النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو شرک قرار دیتے ہیں۔

شرک تو تب ہوتا کہ کسی کو ایسا زندہ مان لیا جاتا جس کی حیات خدا تعالیٰ کی عطا نہ ہو اس کے گھر کی ہو پھر اس پہ کبھی موت طاری نہ ہو مگر یہ تو کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں ہے (بقیہ حاشیہ صفحہ آئندہ پر)

اور ایک اور مقام پر ارشاد خداوندی اس طرح ہے کہ :-

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ط اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ الآیۃ ۔

اور نہیں محمد (صلے اللہ علیہ وسلّم) مگر رسول بے شک ہو چکے اُن سے پہلے بہت رسول پھر کیا اگر وہ وفات پا جائے یا شہید کر دیا جائے تو تم پھر جاؤ گے الٹے پاؤں

(پ ۴ - آل عمران ، ۱۵)

ان تمام آیات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات بھی ایک قطعی اور حتمی امر ہے جس کی ان آیات میں قبل از وقت خبر دی گئی اور کتب احادیث میں متعدد صحیح اور صریح روایات اس پر دال ہیں کہ قُبِضَ النبی صلی اللہ علیہ وسلّم اور تُوُفِّیَ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اور حضرت امام بخاری ؒ نے باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلّم قائم کر کے اس حقیقت کو الم نشرح کر دیا ہے (جلد ۲ ص ۶۴۱) اور اسی وفات کے نتیجے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی تجہیز و تکفین اور دفن و قبر وغیرہ کا انتظام ہوا ، اور حضرات صحابہ کرام ؓ نے اپنے ہاتھوں سے لحد مبارک میں آپ کو اُتار کر دفن کیا اور اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خلیفۃ المسلمین منتخب کیا گیا اور وہی نماز اور خطبہ پڑھاتے اور فصلِ خصومات کرتے رہے اور اہم معاملات میں لوگ انہی کی طرف رجوع کرتے رہے اور اسی طرح ان کے بعد دیگر خلفاء کے وقت بھی ایسا ہی ہوتا رہا یہ تمام اُمور اپنے مقام پر ایک ثابت شدہ حقیقت ہے جو قرآن و حدیث اور امت مسلمہ کے اتفاق و اجماع سے ثابت ہے جس کا کوئی شخص منکر نہیں ہے ۔

(صفحہ گذشتہ کا بقیہ حاشیہ) کیا جو پیغمبر دنیا میں زندہ تھے وہ شرک تھا ، کیا قیامت میں ہم سب زندہ ہوں گے ۔ اور زندہ بھی ایسے کہ پھر کبھی نہ مریں گے کیا وہ شرک ہوگا ۔ پھر اگر اللہ تعالیٰ کسی کو درمیان میں ، قبر میں بھی پوری یا ادھوری زندگی عطا فرمادیں وہ کیسے شرک ہوگیا ۔ جب کہ علماء دیوبند نہ تو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی وفات ہو جانے کا انکار کرتے ہیں نہ پیغمبروں کی حیات کو اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ ہونے سے انکار کرتے ہیں ۔ صرف آپ کے ارشاد کے مطابق قبروں میں انبیاء علیہم السلام کی حیات اور نماز پڑھنے اور سلام و درود سُننے کا اقرار کرتے ہیں جیسے کہ تفصیل آپ کے سامنے آئے گی تو کیا آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے ارشاد کو ماننا شرک ہے ، اللہ تعالیٰ ایسی جہالت اور ضد سے بچائے ۔ آمین ۔

علامہ عبد الکافی السبکیؒ فرماتے ہیں کہ :-

والقرآن العزیز ناطق بموتہ صلی اللہ علیہ وسلم قال تعالیٰ انک میت وانہم میتون ○ وقال صلی اللہ علیہ وسلم انی مقبوض وقال الصدیق رضی اللہ عنہ فان محمدا قد مات واجمع المسلمون علی اطلاق ذلک فالوجہ اذا ثبت القول المذکور ان یقال ان ذلک موت غیر مستمر وانہ احی بعد الموت اھ

(شفاء السقام ص۱۴۲)

قرآن عزیز صراحت سے بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بے شک تو بھی وفات پانے والا ہے اور بلاشبہ وہ بھی وفات پانے والے ہیں اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں وفات پانے والا ہوں اور حضرت صدیق رضؓ نے فرمایا کہ تحقیق سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے اور سب مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ آپ کی وفات ہوئی ہے جب یہ بات ثابت ہے تو حیات کی وجہ یہ ہوگی کہ آپ کی موت مستمر نہ تھی بلکہ آپ کو وفات کے بعد پھر زندہ کیا گیا۔

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تمام مسلمان اس نظریہ کے حامل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی ہے اور وفات کا لفظ آپ کے حق میں بولنا بالکل درست اور صحیح ہے لیکن وفات کے بعد آپ کو پھر حیات مرحمت ہوئی ہے پہلے ٹھوس حوالوں کے ساتھ یہ بات ثابت کردی گئی ہے کہ قبر اور برزخ میں صحیح احادیث ائمہ دین، متکلمینؒ، شراح حدیثؒ اور فقہاء کرامؒ کے بیان کے مطابق جسد عنصری کیساتھ روح کے تعلق اور اتصال سے حیات ہوتی ہے۔ اس صفت میں عام مومنوں سے حضرات شہداءؒ بڑھے ہوئے ہیں اور ان سے بڑھ کر یہ خوبی اور صفت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے گو علماء اسلام موت کا معنیٰ انفکاک الروح عن البدن ہی کرتے ہیں اور بعض علماء ملت جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دار العلوم دیوبند بھی ہیں حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات کا معنیٰ یہ کرتے ہیں۔

کہ ارواح انبیاء کرام علیہم السلام کا اخراج نہیں ہوتا فقط مثل نور چراغ اطراف و جوانب سے قبض کرلیتے ہیں اور سوا ان کے اوروں کی ارواح کو خارج کردیتے ہیں اھ (جمال قاسمی ص۱۵) اور دوسرے مقام پر تحریر فرماتے ہیں کہ :-

www.Alehaq.Com

بالجملہ موت انبیاء علیہم السلام اور موت عوام میں زمین و آسمان کا فرق ہے وہاں استتار حیات زیر پردہ موت ہے اور یہاں انقطاع حیات بوجہ عروض موت ہے اھ (آب حیات ص١٦٨) اور صاف الفاظ میں یہ بھی فرماتے ہیں کہ :-

ہاں اتنا عرض کئے دیتا ہوں کہ گو عقیدہ[1] تو یہی ہے اور میں جانتا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ ایسا ہی رہیگا مگر اس عقیدہ کو عقائد ضروریہ میں سے نہیں سمجھتا نہ تعلیم ایسی باتوں کی کرتا ہوں ، نہ منکروں سے دست و گریبان ہوتا ہوں اھ (لطائف قاسمیہ ص٥) مطلب یہ ہوا کہ روح مبارک کو جسد اطہر کے تمام اطراف و جوانب سے سمیٹ کر مثلاً دل پہ اکٹھا کر دیا گیا اور اعضاء پر موت طاری ہوئی اور وہ بے حس و حرکت ہو گئے لیکن دل مبارک کی بھی بظاہر حرکت باقی نہ رہی جس طرح کہ بعض اوقات سکتہ کے مرض میں ہوتی ہے اور دیکھنے والوں کو بظاہر آپ کا وجود مسعود بالکل بے حس و لاشعور نظر آیا لیکن باایں ہمہ حضرت نانوتویؒ اس عقیدہ کو غیر ضروری اور آپ کی وفات کے عقیدہ کو ضروری قرار دیتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں :-

"بر حسب ہدایت كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ اور اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ تمام انبیاء کرام علیہم السّلام خاصکر حضرت سرور انام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی نسبت موت کا اعتقاد بھی ضرور ہے اھ (لطائف قاسمی ص٤) الغرض حضرت نانوتویؒ نے کیسی صاف گوئی سے یہ واضح کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کا عقیدہ ضروری ہے اور علمی یا ذوقی طور پر بعض دیگر علماء کرام کی طرح موت کا جو معنیٰ انہوں نے بیان فرمایا ہے اس کو وہ نہ تو وہ عقائد ضروریہ سے سمجھتے ہیں اور نہ عام لوگوں کو اس کی تعلیم و تبلیغ کرتے ہیں اور نہ علماء کرام سے اس پر لڑنا پائی کے لیے تیار ہیں الحاصل حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی وفات ایک حتمی اور قطعی امر ہے اور اس کا اعتقاد ضروری ہے ، کیونکہ یہ نصوص قطعیہ اور صریحہ سے ثابت ہے۔ ہاں اس وفات

---

[1] اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مولانا موت کی تفسیر اور تشریح میں اپنی رائے کو ذوقی اور وجدانی فرماتے ہوئے کسی کو اس معنیٰ پر مجبور نہیں فرماتے ۔ بعض لوگ عوام کو مغالطہ دینے کی خاطر یہ کہتے ہیں کہ حضرت مولاناؒ حیات کے مسئلہ کو ضروری قرار دیتے ہیں ۔

کے بعد قبر اور برزخ میں جو حیات حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے لیے ثابت ہے وہ حق اور صحیح ہے اس میں رتی بھر شک نہیں ہے۔ اس میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں ہے اور یہ حیات کسی نص قطعی کے مخالف نہیں جس نے اس کو مخالف سمجھا ہے وہ کوتاہ فہمی کا شکار ہے۔

باب ششم

قبور میں حیات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام

تمام اہل سنت والجماعت اس بات پر متفق ہیں کہ حضرات انبیاد کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبر اور برزخ میں زندہ ہیں اور ان کی زندگی حضرات شہداء کی زندگی سے بھی اعلیٰ اور ارفع ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم پہلے بعض دلائل بیان کریں اور پھر ان پر جو اعتراضات وارد کئے گئے ہیں، ان کے جوابات اور اس کے بعد بعض علماء اسلام کی عبارات اور اقوال عرض کر دیں تاکہ صحیح حقیقت سامنے آجائے۔

پہلی دلیل

امام ابو یعلیٰؒ[1] فرماتے ہیں کہ ہم سے ابوالجہم[2] الازرق بن علیؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے ——

---

[1] امام ابو یعلیٰ الموصلی کا نام احمدؒ بن علیؒ تھا جو الحافظ الثقۃ اور محدث الجزیرہ تھے ان کی وفات ۳۰۷ھ میں ہوئی ہے (تذکرۃ الحفاظ جلد ۲ ص ۲۴۸)

[2] حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ذکرہ ابن حبان فی الثقات وقال یغرب (تہذیب التہذیب جلد ۱ ص ۲۰) ابن حبانؒ نے ان کو ثقات میں لکھا ہے اور فرمایا کہ وہ غریب حدیث لاتے ہیں۔ اور خود حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ صدوق یغرب (تقریب ص ۲۱) کہ وہ سچے راوی ہیں اور غریب حدیث لاتے ہیں۔ فن روایت میں راوی کے لیے سب سے بڑھ کر جس صفت کی ضرورت ہے وہ اس کی صداقت ہوتی ہے (مع دیگر شروط کے) اور یہ صاحب اس صفت سے متصف تھے اور اپنے مقام پر یہ بات آئیگی کہ غرابت صحت کے منافی نہیں

یحییٰ[1] بن ابی بکیرؒ نے بیان کیا وہ فرماتے ہیں کہ ہم سے مستلم[2]ؒ بن سعیدؒ نے بیان کیا وہ حجاج[3]ؒ سے اور وہ ثابت بنانیؒ[4] سے اور وہ حضرت انسؓ بن مالک سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :۔

الانبیا احیاء فی قبورھم یصلون	حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام اپنی قبروں میں
(شفاء السقام ص۱۳۴ وحیات الانبیاء ص للبیہقیؒ)	زندہ ہیں اور نمازیں پڑھتے ہیں۔

علامہ سبکیؒ اس حدیث کی سند کو نقل کر کے اس کے رواۃ کی توثیق کرتے ہیں اور اس کو صحیح قرار دیتے ہوئے اس سے استدلال کرتے ہیں یہ روایت بدوں سند خصائص الکبریٰ جلد ۲ ص۲۸۱ میں اور پہلے راوی کے علاوہ

---

[1] ابوبکیر کا نام نسرؒ تھا، یحییٰؒ بن ابی بکیرؒ کے بارے میں امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ وہ دانا محدث تھے، امام ابن معینؒ اور عجلیؒ انکو ثقہ کہتے ہیں، امام ابوحاتمؒ انکو صدوق کہتے ہیں محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، امام ابن المدینیؒ انکو ثقہ کہتے ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۱۱ ص۱۹۱) حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ وہ ثقہ تھے (تقریب ص۵۴۶) علامہ خطیب بغدادیؒ اپنی تاریخ جلد ۱۴ ص۱۵۶ و ص۱۵۷ میں ان کا طویل ترجمہ بیان کرتے ہوئے محدثین کرامؒ کے یہ مذکورہ بالا اقوال ان کے بارے میں نقل کرتے ہیں

[2] امام احمد ان کو شیخ ثقہ اور امام ابن معینؒ صویلح کہتے ہوئے ان کی توثیق کرتے ہیں، امام نسائیؒ ان کو لا بأس به کہتے ہیں، اور ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں۔ (تہذیب التہذیب جلد ۱۰ ص۱۰۴) حافظ ابن حجرؒ ان کو صدوق عابد ربما وھم کہتے ہیں۔ (تقریب ص۳۳۳)

[3] حجاجؒ اس سند میں الاسود ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی تصریح کی ہے (فتح الباری جلد ۶ ص۳۵۲) امام احمدؒ ان کو ثقہ اور رجل صالح کہتے ہیں امام ابن معینؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں، امام ابوحاتمؒ ان کو صالح الحدیث کہتے ہیں، اور محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں (لسان المیزان جلد ۲ ص۱۷۵)

[4] ثابت بنانیؒ جلیل القدر تابعی اور صحاح ستہ کے مرکزی راوی ہیں، امام نسائیؒ ان کو ثقہ کہتے ہیں امام عجلیؒ بھی ان کو ثقہ کہتے ہیں، علامہ ابن سعدؒ ان کو ثقہ اور مامون کہتے ہیں۔ محدث ابن حبانؒ ان کو ثقات میں لکھتے ہیں، امام احمدؒ ان کو متثبت فی الحدیث کہتے ہیں۔ امام ابوحاتمؒ فرماتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے روایت کرنے میں سب سے اثبت امام زہریؒ، ان کے بعد ثابت بنانیؒ اور ان کے بعد قتادہؒ ہیں (تہذیب التہذیب جلد ۲ ص۳) غرضیکہ اس حدیث کے تمام راوی ثقہ اور ثبت ہیں اور سند بالکل صحیح ہے۔